

مُطالعہ بریلویت

۱



ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب

ایک ضروری گزارش

اس کتاب کو ای بُک بنانے میں ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اللہ کا مخلص بندہ اس کو پڑھ کر ہدایت پا جائے اور ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

جن پبلشرز حضرات کی کتاب کو بغیر اُنکی اجازت کے ہم نے یہ کیا ہے ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لئے ہم کو معاف کر دیں، اللہ سے قوی امید ہے کہ انشاءاللہ قیامت میں آپ کو اس کا بدلہ آپ کی توقع سے زیادہ دیکر آپ کو خوش کر دے گا

ایک تاریخی، فکری اور تحقیقی جائزہ

مطالعۂ بریلویت

جلد اوّل

مصنّف

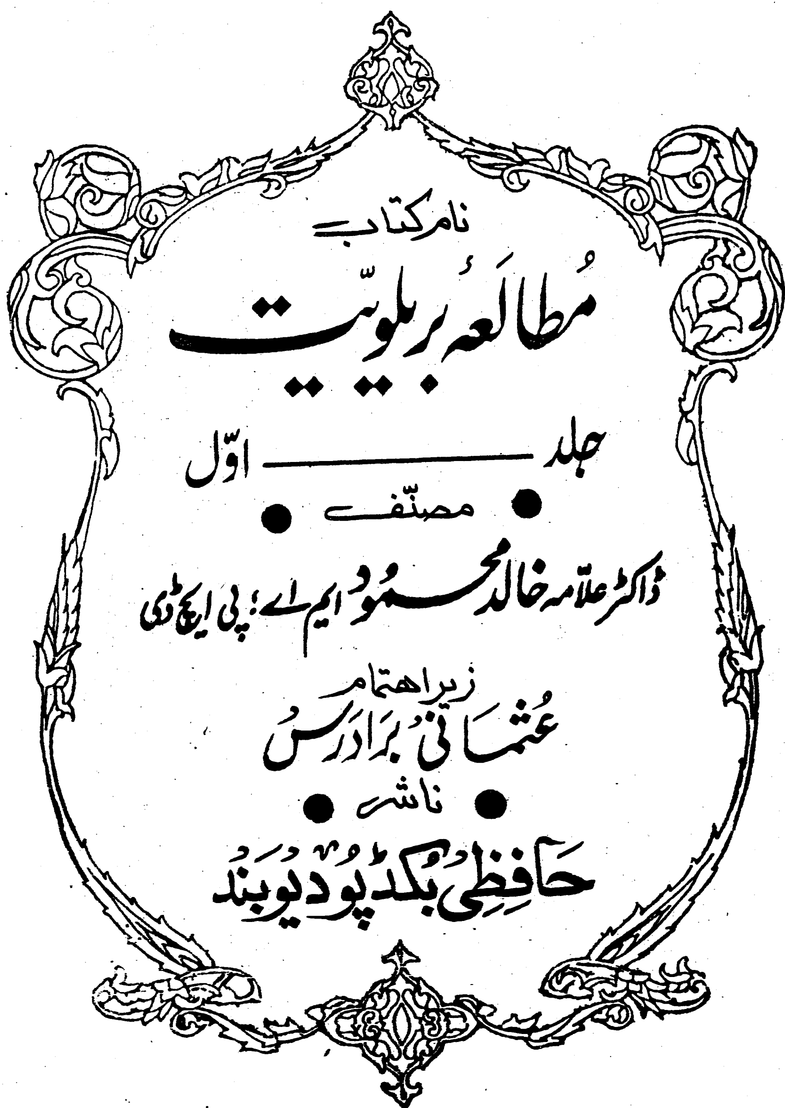
ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

تقریظ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب
مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

حافظی بکڈپو دیوبند یو۔پی

Hafzi Book Depot, Deoband (U.P.)



نام کتاب

مطالعہ بریلویت

جلد ——— اوّل

مصنّف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

زیر اہتمام

عثمانی برادرس

ناشر

حافظی بکڈپو دیوبند

HAFZI BOOK DEPOT
DEOBAND U.P.

بریلویت کا ___ عمومی تعارف

قبور و مزارات

پیروں کی ذہنی غلامی

اہل السنۃ والجماعۃ پر تیشۂ تفریق

اب آستانۂ بریلی کو لوٹیئے

تکفیر کی سیاہ رات

تکفیری مہم کا فکری جائزہ

بزرگان طریقت کا مجموعی ردعمل

غیر جانب دار علمی شخصیات

مقتدر قومی شخصیتیں

بریلویوں کے شوقِ تکفیر کا سیاسی جائزہ

تحریک تکفیر کا سیاسی جائزہ

قادیانیوں اور رضاخانیوں کی مشترکات

ہندوستان کی سیاست ایک نئے رُخ پر

قومی مہمات میں بریلویوں کا کردار

اختلافات پیدا کرنے کا بریلوی زینہ

تہمت بر مولانا اسمٰعیل شہید

تہمت بر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تہمت بر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

تہمت بر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری

تہمت بر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

تزویر الاصاغر لاصلاح الاکابر

تقریظ

جانشینِ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

مہتمم دار العلوم وقف دیوبند (انڈیا)



یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی پر تاریخ شاہد ہے کہ ان دونوں قوموں نے اسلام کی تعلیماتِ حقّہ کو مسخ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرنے میں نہ ماضی میں کبھی گریز کیا اور نہ آج کر رہی ہیں، ان کے اس باطل پسندانہ پُرعناد عملِ قبیح کا یہ طبعی نتیجہ تو نکلنا ہی تھا اور وہ نکل کر رہا کہ علم و دانش سے بے بہرہ دیگر قوموں میں بھی کسی معقول وجہ کے بغیر اسلام دشمنی کا جذبہ اُبھرا، اور وہ بھی یہود و نصاریٰ کی ہمنوا بن گئیں، جس سے اسلام دشمنی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا۔

لیکن قدرت نے اس خیر و شر آمیز دنیا کا دستورِ طبعی یہ ہی قرار دیا ہے کہ ہر شر میں خیر کا پنہاں پہلو، اپنے وقت پر ضرور ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس اسلام دشمنی نے بھی اسلام کے بارے میں اس خوش آیند حقیقت کو بین الاقوامی سطح پر طشت از بام کر دیا کہ مخالفینِ اسلام اپنے اپنے تسلیم کردہ اعتقادی نظامِ حیات کو چونکہ زندگی کے اکثر و بیشتر گوشوں پر، معقول و مدلّل ہدایت و رہنمائی سے یکسر خالی ہی نہیں پاتے بلکہ جہاں رہنمائی ملتی بھی ہے، وہ بھی عقل و شعورِ انسانی کیلئے اطمینان بخش نہیں ہوتی، اس لئے اپنی اس ذلّت ناک تہی دستی اور تہی دامنی کو چھپانے، اور سلیم الفطرت

ارباب دانش و بینش کی توجہات کو اس کی طرف متوجہ نہ ہونے دینے کے لئے، یہ معاندین اسلام . یا تو خود ساختہ جھوٹی باتیں اسلام کی طرف منسوب کر کے اس کی صداقت و حقانیت کو دبانے یا مٹانے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں اور یا خود مسلمانوں کے جہالت و غربت زدہ طبقات کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے، دولت و مناصب، اور معاشی سہولتوں کی فراہمی کا لالچ دیکر، انھیں غیر اسلامی رسوم ورواج کو عین اسلام باور کرانے کی، شرافت و اخلاق سے عاری سازشیں برپا کرتے ہیں، جو بذات خود اپنے اعتقادی نظام حیات کے بارے میں ان کے فکری افلاس کی ناقابل انکار دلیل ہے۔

اسلام کے برخلاف ان کی سازشوں کی داستان بہت طویل ہے لیکن دو عظیم سازشیں گذشتہ صدی کے مسلمانوں کے لئے زبردست مسئلہ بنی ہوئی ہیں۔

پہلی یہ ہے کہ دولت و مناصب کی بارشیں برسا کر، خود مسلمانوں کے جہالت زدہ طبقے کے ایک دین فروش کو انگریزوں نے اپنی خود ساختہ شیطانی نبوت سے سرفراز کیا، جس کو " قادیانیت "کے نام سے عالم گیر شہرت دی گئی۔

اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے اسی جہالت و افلاس زدہ طبقے کو قطعاً غیر اسلامی رسوم ورواج کو عین اسلام قرار دینے کا مدعی بنا کر، ملک گیر پیمانے پر اس کو ہمہ جہت حکومتی تائیدات سے نوازا گیا، جو "بریلویت" کے نام سے ملک بھر میں متعارف کرائی گئی۔

" قادیانیت" کی سازش اسلام کے بنیادی "ختم نبوت" کے عقیدے

سے انحراف پر مبنی تھی، جس کے خلافِ اسلام ہونے سے، بے علم مسلم عوام بھی بڑی حد تک واقف تھے، اور ساتھ ہی اُس کے عہد آغاز میں ہی "حضرات علمائے دیوبند" نے بروقت اس فتنے کو پہچان کر، مدعیٔ نبوتِ کاذبہ، غلام احمد قادیانی، اور اس کے جاہل پیروکاروں کی تکفیر کا اعلان فرمادیا، جس سے یہ فتنہ زیادہ وسیع پیمانے پر نہیں پھیل سکا، پھر اس فتنے کے برگ و بار مزید واضح ہو جانے کے بعد، علمائے دیوبند کی جانب سے تکفیرِ قادیانیت کے اس اعلانِ حق کی پوری ملتِ اسلامیہ کیجانب سے عالمی پیمانے پر تائید کر دی گئی۔

لیکن اسلام کے نام پر، اسلام کے برخلاف، ملک گیر پیمانے پر دشمنِ اسلام، برطانیہ کا برپا کردہ "فتنۂ بریلویت" نہ صرف زندہ ہے، بلکہ ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کے ضروری دینی علم سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر، اس کے زندہ رہنے اور پنپنے کے امکانات بھی قوی تر ہیں، اس لئے علماءِ حق نے اس کے دفاع کو اہم ترین دینی فریضہ قرار دیکر ہر دَور میں اس کی ادائیگی پورے اہتمام سے کی، اور آج تک کر رہے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مکرم و محترم حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہٗ کی ذاتِ گرامی سے اہلِ حق کو نوازا، جو تمام فرقِ ضالّہ کے بارے میں عموماً، اور بریلویت کے بارے میں خصوصاً، مکمّل و صحیح معلومات کے ساتھ، غیر معمولی ذکاوت و ذہانت، اور ہر باطل کے مقابلے پر مُسکت و دنداں شکن جوابات کی جانب ما فوق العادۃ انتقالِ ذہنی کے بے مثال امتیازات کے حامل ہیں، اور راقم الحروف حضرت علامۂ محترم کے ساتھ، اپنے قربِ تعلق کے

تجربات و مشاہدات کی روشنی میں، باطل کی سرکوبی کے باب میں، علامۂ موصوف کو نہ صرف منفرد و بے مثال شخصیت قرار دینے میں کسی تردید کا خطرہ و خوف محسوس نہیں کرتا، بلکہ عصر رواں میں، متبعِ سنّت علماء اسلام کیلئے ان کی ذاتِ گرامی کو ایک عظیم نعمتِ خداوندی سمجھتا ہے۔

انہی خصوصی امتیازات کے ساتھ علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہٗ نے پیشِ نظر کتاب "مطالعۂ بریلویت" میں "بریلویت" کا عمیق ترین، دینی، علمی فکری، اخلاقی اور تاریخی بنیادوں پر جائزہ لیا ہے، جسے عصر رواں میں ایک تاریخ ساز دینی خدمت کے عنوان سے یاد کیا جا سکتا ہے، اور ادارۂ حافظی بکڈپو دیوبند کے ایس ملّی سرمایہ کے شائع کرنے کو اگر عظیم علمی احسان سے تعبیر کیا جائے، تو طالبینِ حق کی نگاہوں میں اسے یقیناً مبالغہ نہیں کہا جائیگا۔

حق تعالیٰ اس عظیم خدمت کو قبولیت و مقبولیت عطا فرما کر، حضرت مصنف کے حق میں ذخیرۂ آخرت، اور عامۃ المسلمین کے لئے اسے انکشافِ حق کا ذریعہ فرمائے، آمین یارب العالمین۔

احقر محمد سالم

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۶ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ، ۱۶ جنوری ۱۹۹۶ء یوم الخمیس

بریلوی مسلک کی ایک جھلک

ورطۂ جہالت کے گہرے زخم

اثر خامہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

کھوئی گئی ملتِ بیضا کی آبرو
اور سنّتِ مطہّرہ کا پایہ ہل گیا

بریلوی مسلک کا عوام میں عمومی تعارف

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اللہ خیر عما یشرکون۔ اما بعد:

بانس بریلی ہندوستان کے ایک صوبہ یوپی کا ایک شہر ہے جہاں مولانا احمد رضا خاں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک مذہب ترتیب دیا اور اپنے پیروؤں کو اس پر چلنے کی وصیت کی:

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ ؎۱

اسی نسبت سے اس مذہب کو بریلوی مذہب کہتے ہیں۔ بریلویت کا صحیح تعارف وہ عقائد و نظریات اور افکار و بدعات ہیں جو مولانا احمد رضا خاں سے ایک خاکہ مذہب کی صورت میں آگے چلے اور ان کے پیروؤں نے ان کے التزام سے اپنے آپ کو باقی امت سے علیحدہ کانٹوں کی ایک باڑ پر لا کھڑا کیا اور اب تک اسی درخت کے کڑوے پھل امت کے کام و دہن کو تلخ کر رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے مذہب میں امتیازی مسائل یوں تو بہت ہیں لیکن وہ مرکزی کام جن کے گرد بریلویت کی چکی اب تک گھومتی آئی ہے تین ہیں: (۱) تکفیرات یعنی اپنے مسلک کے سوا باقی کل مسلمانوں کی تکفیر کرنا (۲) انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریکِ آزادی کی مخالفت کرنا (۳) دیہات کے رسم و رواج کو شرعی استناد مہیا کر کے جہلاء کو اپنے ساتھ ملائے رکھنا۔

پس جو لوگ صرف رسم و رواج اور چند بدعات پر کاربند ہیں لیکن دیگر فرقوں کو بھی مسلمان سمجھتے ہیں، کافر نہیں کہتے، حج کے لیے جائیں تو وہاں کہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، ایسے لوگ بریلوی ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو افسران ہمیشہ انگریزی حکومت کے ماتحت رہے اور ہر تحریکِ آزادی کی مخالفت کرتے رہے لیکن اپنے سوا دوسروں کو کافر کہنے کی بریلوی مہم میں شریک نہ ہوئے وہ بھی بریلوی نہیں۔ بریلوی صرف وہی لوگ ہیں جو مولانا احمد رضا خاں سے اپنی نسبت جوڑتے ہوئے اپنے سوا باقی سب امت کو کافر سمجھیں۔ انگریزوں کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کی مخالفت کریں اور جاہلوں کے رسم و رواج کو شرعی استناد مہیا کر کے

؎۱ وصایا شریف ص۸

بدعات کو پوری قوت سے فروغ دیتے ہیں۔

بریلویت کی حقیقت یہی ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی عددی کثرت جتلانے کے لیے ان لوگوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتے جو دوسروں کو کافر قرار دینے کی رضاخانی کارروائی سے قطعاً متفق نہ تھے مگر گھروں میں عام رسم ورواج کی پابندی اور بدعات کے تلوث کے باعث اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے تھے۔ یہ لوگ بدعتی تو ہو سکتے ہیں لیکن بریلوی نہیں۔ بریلویت کا مدار مولانا احمد رضا خان کی اصولی نسبت پر ہے۔ یہ بریلویوں کی حیلہ سازی ہے کہ وہ غیر بریلوی بدعتیوں کو اپنے ساتھ شامل بتلا کر ان کو بھی، اپنے آپ کو بھی اور عام لوگوں کو بھی بریلوی اکثریت کا مغالطہ دیتے ہیں۔

آیئے بریلویت کے عام تعارف کے لیے کچھ ان مسائل کا جائزہ لیں جو مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیروؤں کے حلقوں میں ان کا جماعتی نشان سمجھے جاتے ہیں۔ بریلویت کی دینی جماعتی سرگرمیاں (۱) ختم وایصالِ ثواب (۲) قبور و مزارات اور (۳) جاہل پیروں اور غیر متشرع فقیروں سے مرعوب رکھنے کی جدوجہد تک مرکوز رہتی ہیں اور بریلویت کا تعارف زیادہ انہی حلقوں میں ملتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان تین عنوانوں کے تحت بریلوی خدوخال کا جائزہ لیں تاکہ اس روشنی یا اندھیرے میں بریلویت سے کچھ تعارف ہو سکے:

ختم اور ایصالِ ثواب

مرحومین کو ثواب پہنچانے کا عقیدہ برحق ہے۔ زندوں کے نیک اعمال کا ثواب حسبِ نیت مرحومین کو پہنچتا ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ ثواب پہنچتا ہے اصلی چیزیں نہیں پہنچتی ہیں۔ نہ ان کی خوشبو اور لذت پہنچتی ہے۔ ان چیزوں کو ان کی اصلی شکل میں اگلے جہان بھیجنا کسی طرح ممکن نہیں۔ ایصالِ ثواب برحق مگر ان چیزوں کا وہاں پہنچنا کہیں ثابت نہیں نہ ان چیزوں کی دنیوی لذت وہاں پہنچتی ہے۔

مگر بریلوی مذہب یہ ہے کہ اصل چیزیں ہی پہنچتی ہیں اس لیے ختم میں وہ ان چیزوں کو خصوصی طور پر شامل کرتے ہیں جو مرحوم کو مطلوب یا مرغوب تھیں۔

اصل چیزیں ہی بھیج دیا کریں

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ قبل پر تکلف کھانوں کی ایک

فہرست تحریر فرمائی اور وصیت کی کہ یہ چیزیں بھیج دیا کریں :

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیا سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔ دودھ کا برف خانہ ساز۔ اگر بھینس کا دودھ ہو۔ مرغ کی بریانی۔ مرغ پلاؤ خواہ بکری کا ہو۔ شامی کباب، پراٹھے اور بالائی۔ فرنی۔ اردکی پھریری دال مع ادرک و لوازم۔ گوشت بھری کچوریاں۔ سیب کا پانی۔ انار کا پانی۔ سوڈے کی بوتل۔ دودھ کا برف۔ [1]

آخری وقت میں نیک لوگ توبہ و استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکر و تلاوت کی فکر ہوتی ہے۔ آخرت کی طرف دھیان ہوتا ہے مگر خانصاحب ہیں کہ اس وقت بھی چٹ پٹے کھانوں کی فہرستیں تیار فرمانے میں مصروف تھے۔ میر تقی نے پُرخور کے بارے میں کہا تھا۔

جب مرے گا وہ بھوک کا روگی —— روح تو شاہ کی روٹی میں ہوگی

وصایا شریف میں گیارہویں نمبر پر فقراء کو دینے کی نصیحت آپ پہلے کر آئے ہیں۔ یہ پُرتکلف کھانے بھیجنے کی وصیت بارہویں نمبر کی ہے۔ یہاں دوسروں کو بھیجنے کی گفتگو نہیں۔ وہ بات پہلے ہو چکی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے کہ یہ چیزیں مجھے بھیج دیا کریں۔

چنانچہ ایک صاحب بوقتِ دفن دودھ کا برف خانہ ساز جو وصیت میں مذکور تھا، قبر پر لے آئے۔[2] تاہم یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ دودھ کہاں رکھا گیا۔ کفن کے ساتھ ہی رکھا گیا یا کسی کونے میں دفن کیا گیا۔ اس واقعہ کو ساٹھ سال ہو گئے مگر آج تک بریلوی مذہب والوں نے اس دودھ کا پتہ نہیں دیا۔

نیا کفن بھجوانے کی تدبیر

بریلوی مذہب کے بانی مولانا احمد رضا خاں ایصالِ ثواب پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اصل چیز کا پہنچنا اور پہنچانا یوں بیان کرتے ہیں :

ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا کہ میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے۔ اس کے کفن میں اچھے کپڑے کا کفن رکھ دینا۔ صبح کو صاحبزادے نے اٹھ کر اس شخص کو دریافت کیا۔

---

[1] وصایا شریف صہ ۹ ، [2] دیکھیے حاشیہ وصایا شریف صنا سطر ۵

معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں. تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے. لڑکے نے فوراً نیا عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا کہ یہ میری ماں کو پہنچا دینا. رات کو وہ صالحہ خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا کہ خدا تمہیں جزائے خیر دے. تم نے بہت اچھا کیا کفن بھیجا. ؎۱

یہ ہنسنے کی بات نہیں سوچنے کی بات ہے. آپ خود اپنے ضمیر سے فیصلہ لیں کہ والدہ کو کفن بھیجنے کے بعد دادی اور دادا کو کفن نہ بھیج سکنے اور پھر ان سے آگے جو اجداد گزر چکے ہیں ان تک کفن نہ بھیجنے کی کتنی فکر اور تشویش صاحبزادے کو ہوئی ہوگی اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی سوچیں کہ ایک میت کے ساتھ اگر کئی کئی کفن رکھ دیے جائیں تو کہیں یہ کپڑے کو ضائع کرنا تو نہیں ہوگا. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کفن کے بارے میں کیا نصیحت کی تھی؟ بریلویوں کے اس عقیدے سے اموات و اجداد کو فائدہ پہنچے یا نہ کفن چوروں کو فائدہ ضرور پہنچے گا کہ ایک قبر کھولنے سے انہیں کئی کئی کفن ملنے لگیں گے. ایصالِ ثواب برحق ہے مگر اصل چیزوں کا بھیجنا یہ ایک عجیب حرکت ہے.

انتہائی کمزور روایات کے سہارے اس قسم کی نقل و حرکت کسی طرح کارِ تجدید اور لائقِ تحسین نہیں.

مولانا احمد رضا خاں صاحب کے اس ارشاد میں پوری طرح واضح ہے کہ اصل چیزیں وہاں کیسے بھیجی جا سکتی ہیں.

قبر میں ذائقے پہنچتے ہیں

کھانے اور مٹھائیاں جن برتنوں اور خوانچوں میں ہوتی ہیں وہ برتن اور خوانچے تو مرحومین کو نہیں پہنچتے لیکن بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ یہاں سے بھیجی ہوئی لذیذ اور مزیدار چیزوں کے ذائقے وہاں ضرور پہنچتے ہیں. یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ان لذتوں میں کھو کر پھر ختم کو ہی سارے دین کا مرکز بنا لیتے ہیں. ان کے صوفی ظہیر الحسن صاحب لکھتے ہیں:

> یاد رہے کہ بالوشاہی، پیڑے، بریانی، زردہ کی دیگیں، نان، قورمہ، فرنی کے خوانچے اٹھ کر عالمِ آخرت کو نہیں جاتے بلکہ ان چیزوں کا ذائقہ اور لذت پہنچتی ہے. ؎۲

ظہیر صاحب یہاں ایصالِ ثواب کو یکسر بھول گئے. اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقیدے میں نیکیوں کا ثواب نہیں پہنچتا لذتیں اور ذائقے پہنچتے ہیں. وہاں لذت پہنچے یا نہ پہنچے، یہاں یہ لوگ کھانے کی چیزوں کا ذکر

؎۱ ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول ص ۱۰۶ ، ؎۲ جوہرِ تصوف ص ۶۱ مطبوعہ نذیر پرنٹنگ ورکس. کراچی

بڑی لذت سے کرتے ہیں اور عجیب و غریب فہرستیں تیار کرتے رہتے ہیں۔

قبر میں لذت طلبی کی انتہا

لذتوں کا عقیدہ بریلویوں کو اس انتہا تک لے گیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم تک کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ قبروں میں اس لذت طلبی میں منہمک ہیں۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔[1]

لفظ پیش کیے جانے پر غور کیجیے کس قدر بے حیا تعبیر ہے، انبیاء کی برزخی زندگی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے۔ قبر میں لذت طلبی کا تصور ان لوگوں کا عجیب عقیدہ ہے۔

جنسی لذتوں کی بات ضمناً آگئی ہے۔ معاف رکھیے ذکر چٹ پٹے اور لذیذ کھانوں کا ہو رہا تھا جو مولانا احمد رضا خاں صاحب کا خاص موضوع تھا۔

وفات کے وقت کھانوں کی فہرست

مولانا احمد رضا خان نے وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چٹ پٹے کھانوں کی نہایت نفیس فہرست تیار فرمائی تھی۔ اعلٰحضرت کا اس دنیا میں یہ آخری کارنامہ تھا۔ "دودھ کا برف" اس فہرست میں دو دفعہ لکھا ہے۔ یہ اشارہ تھا کہ یہ زیادہ مطلوب ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایک صاحب دودھ کا برف دفن کے وقت قبر پر لے آئے تھے۔

اس فہرست میں یہ الفاظ مزید لائق توجہ ہیں۔ "فاتحہ ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں"۔ لفظ بھی بتاتا ہے کہ یہ فہرست بطور تتمہ تھی۔ کھانوں کی اصل فہرست کوئی اور ہوگی اور خدا جانے کتنی لمبی ہوگی۔ سنا ہے بریلوی اپنے خاص حلقوں میں وہ فہرست بتلاتے ہیں اور اس کی روشنی میں سارے سال کے ختم چلتے ہیں۔

بعد کے بریلوی اس فہرست میں کوئی خاص اضافہ نہیں کر سکتے تاکہ مولانا احمد رضا خاں ہی "اعلٰحضرت"

---

[1] ملفوظات احمد رضا خاں حصہ سوم ص۲۸ خانصاحب نے محمد بن عبد الباقی پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ انبیاء قبروں میں یہ کام کرتے ہیں ان کی کسی تحریر میں ہمیں یہ بات نہیں ملی

رہیں اور کوئی صاحب ان سے بڑے حضرت نہ بن سکیں۔ ظہیر الحسن صاحب کی فہرست میں صرف سات لذتیں مذکور رہیں جبکہ اعلیٰحضرت نے تیرہ (۱۳) شمار فرمائیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ تیرہ کھانوں کی فہرست میں حلوے کا ذکر نہیں۔

فہرست وصیت میں حلوہ کا ذکر نہ کرنے کی وجہ

مولانا احمد رضا خاں کے ہاں حلوہ ایک مستقل عنوان تھا۔ اس لئے اسے فہرست مذکورہ وصایا شریف میں جگہ نہیں دی گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ اعلیٰ حضرت موت کی دہشت میں حلوہ کو بھول گئے جب وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے ارہر کی پھریری دال میں ادرک مع لوازم کو نہیں بھولے تو حلوہ کو کیسے بھول سکتے تھے ——— وجہ اس کی صرف یہ ہے کہ آپ جس حلوہ کے حلوائی تھے اس کی کچھ تفصیل درکار تھی۔ اس باب میں آپ علیحدہ فرما چکے تھے۔

حلوہ بپزد و بصلحا خورانند [1]

کیوڑہ وغیرہ شامل کرلیں۔ مصارف میں تخفیف کی نیت نہ ہو [2] ہاں خوش ذائقہ کرنے کیلئے اضافہ ہو جائے تو حرج نہیں۔ راقم الحروف [3] کے ہاں اور اس کے احباب کے ہاں نسخہ مندرجہ ذیل مروج ہے

سوجی ۵، مار۔ شکر ۱۰، مار۔ روغن زرد ۵، مار۔ ناریل ۱، مار۔ کشمکش ۱، مار۔ پستہ ۱، مار۔ مغز بادام ۱، مار۔ الائچی سفید ۶، چھٹانک۔ چرونجی ۱، مار۔ زعفران ۲، ماشہ۔ کیوڑہ نصف بوتل۔

---

[1] حیاتِ اعلیٰحضرت صہ ۲۰۲ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی۔ (ترجمہ) حلوہ پکائے اور صلحا کو کھلائے۔ یہ نہیں کہا کہ غربا کو کھلائے۔ اسلئے کہ حلوہ صلحا کا حق ہے اس حلقے میں مولانا احمد رضا خاں، حسن میاں، حافظ خلیل حسن، مولانا حامد رضا خاں، حسنین رضا خاں صلحار سمجھے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سے زیادہ اس حلوے کا حقدار کون ہوگا۔ غریب اور مساکین کی کیا مجال کہ یہ حلوہ چکھ سکیں۔ یہ صرف صلحار کے لائق تھا۔

[2] جب صلحا نے کھانا ہے۔ غربا نے نہیں تو ظاہر ہے کون خرچ میں تخفیف کی نیت کرے گا۔ انگریز لوگ سے مدارس کے لئے مالی امداد لینا تو ان کے معتقدین میں ویسے ہی جائز تھا اسے حلوہ میں صرف کرلیں تو کیا حرج ہے۔

[3] راقم الحروف سے مراد مولانا احمد رضا خاں خود ہیں۔ جو یہ وصیت فرما رہے ہیں۔

شکر ۱۰ مار پر یہ حاشیہ دیا گیا ہے ـــــ "برابر کی شکر سے حلوہ میں شیرینی ہلکی ہوتی ہے"۔
مغز بادام پر یہ حاشیہ دیا گیا ہے۔ ـــــ "چار سیر بادام میں سے سوا سیر مغز نکلتا ہے"۔
"مولانا کے اس ارشاد پر کہ خوش ذائقہ کرنے کے لئے مصارف میں اضافہ ہو جائے تو حرج نہیں" ایک حدیث یاد آگئی۔ جسے حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے:۔

"وقال صلی اللہ علیہ وسلم شرار امتی الذین غذوا بالنعیم ونبتت علیہم احساً مہم وانما ھمتہم انواع الطعام وانواع اللباس ویتشدقون فی الکلام ...۔ واوحی اللہ تعالیٰ الیٰ موسیٰ علیہ السلام اذکر انک ساکن القبر فان ذلک یمنعک من کثیر الشہوات وقد اشتد خوف السلف من تناول لذیذ الاطعمۃ وتمرین النفس علیہا وراؤا ان ذلک علامۃ الشقاوۃ [1]

(ترجمہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت کے بدترین لوگ وہ ہونگے جو نعمتوں میں پلتے رہے اور موٹے تازے بنتے رہے۔" ان کی پوری توجہ طرح طرح کے (خوش ذائقہ) کھانوں پر اور طرح طرح کے لباس زیب تن کرنے پر لگی رہی اور وہ بات کرنے میں وہ گلے پھاڑتے ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی۔ "تو یاد رکھ کہ تو قبر میں آنے والا ہے یہ بات تجھے زیادہ لذتوں سے روکے رکھے گی"۔ ــــــ اور سلف صالحین طرح طرح کے لذیذ کھانوں سے اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنانے سے بہت ہی ڈرتے تھے اور بتلاتے تھے کہ یہ کسی انسان کے بدبخت ہونے کی علامت ہے۔

---

[1] رواہ ابن عدی فی الکامل ومن طریقہ البیہقی فی شعب الایمان من حدیث فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروی من حدیث فاطمۃ بنت الحسین مرسلاً قال الدارقطنی فی العلل انہ اشبہ بالصواب ورواہ ابونعیم فی الحلیۃ من حدیث عائشہ باسناد لا بأس بہ [2] احیاء علوم الدین۔ جلد ۳ ص ۸۹

یہ کھانے جب ختم کے عنوان سے لقمہ صلحاء بننے لگیں اور خود صلحاء کی وصیت ہو کہ مصارف میں تخفیف کی نسبت نہ ہو، خوش ذائقہ کرنے کے لئے اضافہ ہوتا چلا جائے تو حرج نہیں تو ظاہر ہے کہ غریب بریلویوں پر کیا گزرے گی۔ جن کا مال خوش ذائقہ ہو کر ان کے مولویوں کے پیٹ میں اُترتا جائے گا۔ رضا خانی مذہب کے لوگ ختم کے اتنے دلدادہ ہو گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء باندھنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کیا۔

شوقِ ختم میں پیغمبرؐ پر افتراء

جناب ظہیر الحسن صاحب لکھتے ہیں :

ملا علی قاری نے فتاویٰ جزری میں نقل کیا ہے کہ ایصالِ ثواب سنت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حضرت ابراہیم کے وصال کے تیسرے دن حضرت ابوذر غفاری اونٹنی کا دودھ، جو کی روٹی اور کچھ کھجوریں لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے ایک مرتبہ سورہ فاتحہ، تین بار سورہ اخلاص اور درود شریف پڑھ کر دستِ مبارک دعا کے لیے اٹھائے اور فرمایا کہ خداوندا اس کا ثواب میرے فرزند ابراہیم کو پہنچا۔ اس کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ اسے تقسیم کر دو۔ [1]

ہم یہاں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ حدیث ہرگز ہرگز کہیں ثابت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ فی النار۔ [2]

ترجمہ: جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

حقِ نفس اور حظِ نفس میں فرق

یہاں ہم ضروری کھانے پینے کی تردید نہیں کر رہے۔ یہ زندگی کا حق ہے جو اسے ملنا چاہیے لیکن حقِ نفس اور حظِ نفس میں فرق ہے۔ مولانا احمد رضا خان صاحب اور جناب ظہیر الحسن صاحب ان فہرستوں کے تیار کرنے میں حقِ نفس نہیں حظِ نفس میں مبتلا تھے۔

---

[1] جواہرِ تصوف ص ۱۰۱، [2] مشکوٰۃ شریف ص ۳۲

سرکارِ بغداد حضرت پیرانِ پیرؒ کی نصیحت

حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا :

جب تک تو اپنے نفس کو حظ پہنچاتا رہے گا اس کی قید میں ہو گا۔ اس کا حق پورا دے لیکن حظِ نفس سے باز رہ۔ نفس کو اس کا حق دینے میں زندگی اور لذت پہنچانے میں ہلاکت ہے اس کا حق کھانے پینے پہننے اور مکان میں ہے۔ اس کا سرور لذتوں اور شہوتوں میں ہے۔ [1]

اہلِ فقر دوسروں کو ہمیشہ توکل کی نصیحت کرتے ہیں مگر جس شخص نے ایک نیا مذہب بنا رکھا ہو اور لوگوں کو برملا کہے کہ میرے دین و مذہب پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے اس سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ حقِ نفس اور حظِ نفس میں فرق کرے۔ حضرت پیرانِ پیر ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں :

اے منافقو! تم توکل کے متعلق محض باتیں بنا لینا کافی سمجھتے تھے حالانکہ تمہارے دل مخلوق خدا کو شریکِ خدا کر بیٹھے ہیں۔ [2]

پھر فرماتے ہیں :

باز آئے تمہارے مذہب سے اور تمہاری پیروی سے۔ ہماری راہ تمہاری راہ الگ ہے ہماری اسی میں سلامتی ہے۔ ہم طریقِ سنت اور توحید و اخلاص کے ٹیلے پر رہنا چاہتے ہیں تم بدعت و ریا و نفاق کے خندق میں پڑے ہو۔ [3]

حضرات پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی نصیحت بھی آپ نے سُن لی۔ اب مولانا احمد رضا خان کی نصیحت بھی پڑھ لیجیے۔ اہل اللہ اور دوسروں کا فرق ان میں واضح طور پر کھلے گا :

میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ [4]

سرکارِ ہند حضرت مجددؒ الف ثانی کی نصیحت

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ :

بدعت اندھیروں کو بڑھاتی ہے اور سنت کے نور کو کم کرتی ہے۔ سنت کے کام

[1] الفتح الربانی مجلس ۱۸ صہ ۱۲۸، [2] ایضاً صہ ۲۶۶، [3] ایضاً صہ ۳۷۲، [4] وصایا شریف صہ ۸

بدعت کے اندھیروں کو کم کرتے ہیں اور نور بڑھاتے ہیں۔ جو شخص چاہے سنت کا نور بڑھائے، جو چاہے شیطان کی جماعت کو بڑھائے اور جو چاہے اللہ کی فوج میں شامل ہو۔ اس وقت کے صوفی اگر انصاف پر آئیں اور اسلام کی کمزوری اور جھوٹ کا پھیلاؤ دیکھیں تو سنت کے علاوہ کسی چیز میں اپنے پیروں کی پیروی نہ کریں۔ سنت کی اتباع یقیناً نجات دینے والی ہے۔ [1]

سنی عقائد اور بریلوی مذہب میں فرق آپ پڑھ چکے ہیں۔ سنی عقیدے کے مطابق اصل چیزیں نہیں ان کے دینے کا ثواب پہنچتا ہے۔ بریلوی مذہب میں قرآن مجید پڑھنے کا تو ثواب پہنچتا ہے لیکن کھانا خود پہنچتا ہے جیسے کہ اصل کفن اس صالحہ کو مل گیا تھا۔

قرآن مجید پڑھنے کا ثواب

اس مسئلے میں سنی اور بریلوی دونوں متفق ہیں کہ مرحومین کو قرآن مجید پڑھنے کا ثواب حسب نیت ضرور پہنچتا ہے۔ بریلوی مذہب والے قرآن مجید کے تو ثواب پہنچنے کے قائل ہیں لیکن کھانا یا کفن ان کے ہاں اصل ہی پہنچتے ہیں۔ کھانا پہنچانے کا ان کے ہاں طریق یہ ہے کہ اس کے ساتھ قرآن مجید پڑھا جائے قرآن کریم کا ثواب پہنچے گا لیکن کھانا خود پہنچے گا۔ مولانا احمد رضا خاں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب قرآن مجید کا تنہا یا کھانے کے ساتھ پہنچاتے ہیں اسے فاتحہ کہتے ہیں۔ اولیائے کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ [2]

ثواب کا لفظ اس عبارت میں قرآن مجید کے ساتھ ہے۔ یہ ثواب تنہا بھی پہنچتا ہے اور ان کے ہاں کھانے کے ساتھ بھی۔ یعنی قرآن پڑھنے کا یہ ثواب اور کھانا دونوں مرحوم کو پہنچ جاتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے یہاں اولیاء اللہ کو مسلمانوں کے مقابلے میں ذکر کیا ہے۔ کیا اولیاء اللہ مسلمان نہیں ہوتے؟ یا مسلمان وہی ہوتا ہے جو بریلویوں کے سوا باقی سب مسلمانوں کو کافر سمجھے — ہاں خاں صاحب بریلوی نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہاں کونسا عرف مراد ہے اور ایصالِ ثواب کو تعظیماً نذر و نیاز کہنے کی ابتداء اسلام میں کب سے ہوئی۔ کیا بریلوی حضرات اُنکے کوئی تاریخی استناد مہیا کر سکیں گے۔

---

[1] مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۳ ۔ [2] احکام شریعت ص ۱۲۱

اہلِ میت کے کھانے کی شرعی حیثیت

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے اپنے عزیزوں کو وصیت کی کہ فاتحہ ہفتہ میں "دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔" اس سے پتہ چلتا ہے کہ بریلوی مذہب میں اہلِ میت کو کھانا تیار کرنے اور بھیجنے کی عام ترغیب ہے۔

یہ فاتحہ ہفتہ میں تین دفعہ ہو تو ہر دوسرے دن کرنی ہوگی۔ اعزہ کو خان صاحب کی وفات کا آخر تین دن تک تو سوگ رہا ہوگا اور ان دنوں میں بھی ان کو کھانوں کی تیاری کرنی پڑی ہوگی۔ اب آیئے دیکھیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

کنا نری الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام من النیاحۃ [1]

ترجمہ: ہم (اصحابِ رسولؐ) اہلِ میت کے ہاں جمع ہونے اور ان کے ہاں کھانا تیار کرنے کو جاہلیت کے دور کا ماتم سمجھتے ہیں۔

نوحہ خوانی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، صحابہ کرام نے اس اجتماع اور کھانے تیار کرنے کو بھی اسی کی فروع میں شمار کیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اعزہ ان کھانوں کی تیاری میں لگ جائیں اور دودھ کا برف تک بھیجیں، خود دوسروں کو انہیں کھانا مہیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان پر ایسا حال گزرا ہے کہ خود کھانا تیار کرنا ان کے لیے خاصا گراں ہے۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد اتاھم ما یشغلھم [2]

ترجمہ: جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ ان پر ایسی افتاد ہے کہ وہ اسی میں مشغول ہیں۔

محدثِ جلیل ملا علی قاریؒ اس پر لکھتے ہیں:

واصطناعہ اھل المیت لہ لاجل اجتماع الناس علیہ بدعۃ مکروہ بل صح عن جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کنا نعدہ من النیاحۃ وھو ظاھر فی التحریم قال الغزالی ویکرہ الاکل منہ قلت ھذا اذ لم یکن من مال الیتیم والغائب والا فھو حرام بلا خلاف۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶ ورواہ احمد ایضاً باسناد صحیح کما فی رد المحتار جلد ۱ ص ۸۴۲۔ [2] مشکوٰۃ عن الترمذی ص ۱۵۱

ترجمہ: اور گھر والوں کا لوگوں کے اجتماع کے لئے کھانا تیار کرنا بدعت مکروہ ہے بلکہ حضرت جریر سے ثابت ہے کہ میت والوں کی طرف سے کھانا کھلانے کو نوحہ خوانی میں سے سمجھتے تھے اور اس کا حرام ہونا ظاہر ہے۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں۔ اسکا کھانا مکروہ تحریمی ہے یہ تب جبکہ مال یتیم یا کسی غیر حاضر وارث کے مال سے نہ ہو ورنہ یہ بلا خوف حرام ہے۔ [1]

اب آپ ہی سوچیں مولانا احمد رضا خان کے اعزہ پر اسی دن سے سترہ پر تکلف کھانوں کی تیاری کس قدر گراں گزری ہوگی۔ کیا یہی سنت ہے۔ کیا یہی بات نہیں جسے صحابہ کرام دورِ جاہلیت کی بات سمجھتے تھے۔ أليس منكم رجل رشيد۔

ختم میں ستر ہزار چھوہارے

اسلام میں ایصالِ ثواب کے لیے چیزوں کی کوئی خاص مقدار معین نہ تھی۔ بریلوی مذہب میں یہاں پر بھی کوئی عرف قائم کر لیا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں کے جو فتاویٰ مولوی عرفان علی صاحب نے مرتب کیے ہیں ان میں یہ مسئلہ سوال وجواب کے طور پر مرقوم ہے۔

مسئلہ ۲: میت کے سوم کا کس قدر وزن ہونا چاہیے؟ اگر چھوہاروں پر فاتحہ دی جائے تو ان کس قدر وزن ہو؟

الجواب: کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں۔ اتنے ہوں جن میں ستر ہزار عدد پورا ہو جائے۔ [2]

جواب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں جواب مذہب اہلِ سنت کے مطابق ہے کہ کوئی وزن شرعاً مقرر نہیں اور دوسرے حصے میں بریلوی مذہب کا بیان ہے۔ غور کیجیے ایک چھوہارا اگر نصف تولے کا ہو تو بریلویوں کے ہر تیجے میں ۱۰ من ۳۷ سیر ۸ چھٹانک چھوہارے ضروری ہو گئے۔ تیجے کے ہر ختم میں اتنے چھوہاروں کی دستیابی کیسے ہوگی اور پھر اتنے چھوہارے رکھے کہاں جائیں گے اور کہاں سمائیں گے۔ یہ بھی سوچنے کی بات ہے۔ اعلیٰحضرت نے یہاں تصریح نہیں کی کہ یہ ستر ہزار چھوہارے ہی بھیج دیتے ہیں یا ان کا ثواب بھیجنا ہے۔ اگر اصل چھوہارے ہی بھیجنے ہیں تو انہیں دفن کرنے میں کیا دقت نہ ہوگی۔ بصورتِ دیگر انہیں کہاں رکھا جائے گا اور کیسے تقسیم کیا جائے گا۔

---

[1] مرقات جلد ۴ ص ۹۶ ویویدہ ما فی آخر الجنائز من فتح القدیر جلد ا ص ۴۷۳ حیث قال و یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور و هی بدعة مستقبحة۔ فتاویٰ شامی جلد ۵ ص ۵۸۴، ا ص ۴۲۔ [2] عرفان شریعت حصہ اول ص ۳

مختصر مجالس ختم میں تو یہ ستر ہزار چھوہاروں کا مسئلہ خاصی پریشانی پیدا کرے گا۔ اندیشہ ہے کہ رہے سہے لوگ بھی بریلوی مذہب چھوڑ جائیں۔

بریلوی علماء نے اس خطرے کے پیش نظر اب چھوہاروں کو چنوں سے بدل لیا ہے۔ کسی بڑے شخص کا ختم ہو تو ستر ہزار چھوہارے پورے کر لیتے ہیں۔ چھوٹے کا ہو تو ستر ہزار چنوں سے ہی کام چلا لیتے ہیں۔ لیکن چنوں کے ساتھ بتاشے ضرور جمع کرتے ہیں۔

سوم کے چنے بتاشے

مولانا احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

> سوم کے چنے بتاشے کہ بغرضِ مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں یہ اس حکم میں داخل نہیں نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز ہے۔ [1]

اس سے پتہ چلا کہ صرف ستر ہزار چھوہاروں سے کام نہیں چلتا۔ سوم میں چنے اور بتاشے اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ مولانا کے ہاں جب چنے بتاشوں کے ساتھ مل کر آتے ہیں اور اسی طرح ختم میں انہیں لایا جاتا ہے تو ان کا ستر ہزار چھوہاروں سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ انہیں خواہ مخواہ ستر ہزار چنوں سے بدلنا سعی بے حاصل ہے۔

شب برات میں حلوہ

میت کے سوم پر ستر ہزار چھوہارے اور چنے بتاشے کافی ہیں، لیکن شب برات پر حلوہ ضروری ہے۔ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ حلوہ سب میتوں کو مرغوب ہوتا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر اس کی شب برات سے تخصیص کیسی؟ پھر یہ سوم میں بھی ہونا چاہیے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے وہاں چھوہاروں اور چنوں بتاشوں پر کفایت کر لی۔

دنیا میں انسانوں کے ذوق مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی میٹھی چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور کئی نمکین کو اور کچھ دونوں کو۔ بریلوی ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ ختم میں وہ چیزیں آگے بھیجی جائیں جو مرحوم کو زیادہ مرغوب

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۴ صـ ۱۳۸

تھیں اور دوسری طرف شب برات کا حلوہ سب پر لازم کرتے ہیں۔ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ان کے مفتی احمد یار صاحب گجراتی لکھتے ہیں :

رب فرماتا ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔ شب برات کا حلوہ اور میت کی فاتحہ اسی کھانے پر کرنا جو میت کو مرغوب تھی، اسی سے مستنبط ہے۔ ۱؎

مما تحبون کا ترجمہ "جو تم پسند کرتے ہو" کی بجائے یہ کرنا کہ "جو مرحوم پسند کرتے تھے" عجب شان اجتہاد اور عجیب استدلال ہے اور شب برات کے حلوے کو اس ضابطہ سے ثابت کرنا کہ حلوہ تمام میتوں کو مرغوب ہوتا ہے عجیب مخبری ہے۔ مولانا احمد رضا خان اسے مردے کی پسند پر یا اپنی پسند پر نہیں چھوڑتے۔ مطلق فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ سب میتوں کو مرغوب ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں اسے پسند کرنے کی اور وجہ لکھتے ہیں۔

حلوے کے پسند کرنے کی وجہ

نیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے جیسے زردہ یا حلوہ یا خشکہ یا وہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علحدہ کر لی گئی ہوں۔ ۲؎

سب مجتہدین جمع ہیں۔ ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر اجتہاد کر رہے ہیں۔

ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است

غذا مرغن اور غیر مرغن میں فرق

ختم کے موقع پر بڑی اور چھوٹی چیزوں کا فرق، اعلیٰ یا ادنیٰ چیزوں کا فرق، قیمتی اور سستی چیزوں کا فرق کیا اس کی کوئی شرعی حیثیت ہے ؟

جاہلوں میں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں کھانے پر تکلف ہوں اور عمدہ ہوں بریلوی علماء ختم لمبا پڑھتے ہیں اور فاتحہ میں وقفہ طویل کرتے ہیں اور جہاں سادہ دال پکی ہو وہاں نہایت مختصر فاتحہ پر کفایت کر لی جاتی ہے۔ اس طریق کی کیا کوئی شرعی حیثیت بھی ہے یا یہ ختم پڑھنے والوں کا محض اپنا ذوق ہے ؟ مولانا احمد رضا خاں کی وصیت میں یہ ارشاد بھی ملتا ہے :

فاتحہ میں طویل وقفہ نہ کیا جائے۔ غذا مرغن ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ۳؎

۱؎ نور العرفان ص ۵۱۔ ۲؎ فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۲۲۶ ۳؎ المیزان امام احمد رضا نمبر ص ۳۶۳

ختم میں غذا مرغن اور غیر مرغن کا فرق کرنا عجیب فقہی مسئلہ ہے یا رضا خانی ذوق ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

ختم کے بریلوی آداب

بریلوی لوگوں میں ختم کے جو آداب رائج ہیں ان میں یہ امور نہایت ممتاز ہوتے ہیں (۱) کھانا ختم پڑھنے والے کے آگے رکھا جاتا ہے۔ اس کے بغیر مولوی صاحب کا دل نہیں لگتا۔ (۲) کھانا آگے رکھنے کو ضروری خیال کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس وقت کھانے کی جو پلیٹ سامنے ہوتی ہے اسے لے جا کر پھر ساری دیگ میں ملاتے ہیں تاکہ پوری دیگ ختم میں شمار ہو جائے۔ (۳) ختم کے کھانے پر برادری، اعزہ و رشتہ دار، ہمسائے اور دوست سب اس طرح بلائے جاتے ہیں جیسے دعوت کی تقریب ہو۔ (۴) کچھ کھانا قبروں پر بھی لے جاتے ہیں جیسے دودھ مولانا احمد رضا خان کی قبر پر لے آئے تھے۔ (۵) ختم ایصالِ ثواب کے لیے کچھ دنوں کی تعیین ہوتی ہے۔ عملی تعیین نہ ہو تو ذکری تعیین ضرور کی جاتی ہے۔ (۶) اولیائے کرام کو پہنچانے کے لیے خاص خاص کھانے طے کیے جاتے ہیں۔

کھانا سامنے رکھنا

بدعتیوں نے ایک حدیث وضع کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو حضورؐ نے کھانے اور دودھ کو سامنے رکھ کر ان پر ختم پڑھا۔ (استغفر اللہ) یہ حدیث بالکل من گھڑت ہے۔ اس کی کوئی سند نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ کوئی شیعہ مولوی امداد حسین تھے جنہوں نے حنفیت کا لبادہ اوڑھ کر مسائل ضروریہ خلاصہ مذہب حنفیہ نام کی کتاب لکھی اور اس میں اس قسم کی باتیں درج کر دیں اور اپنی مجالس محرم میں کھانے سامنے لا کر ختم پڑھنے کی سند مہیا کر دی۔ یہ ایک ایسی زیادتی تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بھی اس کی تائید نہ کر سکے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ایصالِ ثواب کے لیے کھانا آگے رکھنا کیسا ہے، تو آپ نے فرمایا:

> وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیشِ نظر ہونا اگرچہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جوازِ فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔ [1]

---

[1] الحجۃ الفاتحہ صـ ۱۶ مطبع حسن بریلی نئے اڈیشن میں اسے نکال دیا گیا ہے

آیئے بریلوی حضرات کے اس سنتہ ضروریہ کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں۔ یہ بریلویت مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک کہاں تک درست ہے۔ یہاں بڑے واضح الفاظ میں کھانا سامنے رکھنے کو بے کار بات کہا ہے۔

کھانا آگے رکھنے کو ضروری سمجھنا

جو چیز بے کار ہو اسے ضروری سمجھنا جہالت ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے ایصال ثواب کے لیے دوسرے یا تیسرے دن کی تعیین کو ضروری سمجھنے کے بارے میں لکھا ہے:

انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم [۱]

اس اصول پر ہم کھانا آگے رکھنے کو ضروری جاننے والوں کو بھی اور کچھ نہیں تو جاہل ضرور کہہ سکتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جو جہلاء اسے ضروری جانتے ہیں وہ کس جہت سے اسے ضروری سمجھتے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے شرعی طور پر ہی ضروری سمجھتے ہوں گے۔ یہی بدعت کی حقیقت ہے کہ جو چیز شرع میں نہیں اسے شرع کا حکم سمجھ کر کیا جائے۔

ختم کے کھانے پر اغنیار کا جمع ہونا

جہاں کہیں ختم کی مجلس ہوتی ہے عزیز رشتہ دار، برادری کے معزز افراد احباب دوست جمع ہوتے ہیں اور جو کھانا ایصال ثواب کے لیے تیار کیا گیا تھا اسے دعوت کے طور پر یوں کھا جاتے ہیں جیسے کوئی شادی کی تقریب ہو۔ وہ بریلوی علماء جو یقیناً زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہوتے، خاصے غنی ہوتے ہیں، ختم کا کھانا شیر مادر کی طرح ہضم کرتے ہیں اور کبھی نہیں کہتے کہ ایصال ثواب صرف فقراء کا حق ہے۔ غنی کو اس کے کھانے کی اجازت نہیں۔ بلکہ جو رو کے اسے الٹا وہابی کہا جاتا ہے۔ کاش یہ لوگ دیکھ لیتے کہ اس باب میں مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کیا ہے؟

مردہ کا کھانا صرف فقرا کے لیے ہے۔ عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔ [۲]

مولانا احمد رضا خاں کا ایک یہی فتویٰ ہے جس کی بریلوی کھل کر مخالفت کرتے ہیں اور جہاں ختم کی مجلس ہو امیر و غریب سب پہنچ جاتے ہیں اور فقراء و مساکین کا حق کھلے بندوں ہضم کر جاتے ہیں۔

---

[۱] فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۲۰۰ [۲] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۵۳

کھانا قبروں پر لے جانا

کھانا قبروں پر لے جانا اور وہاں قاریوں اور دوستوں کو کھلانا شریعت میں قطعاً ممنوع تھا۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع ونقل الطعام الی المقابر فی المواسم۔ [۱]

ترجمہ: اور مکروہ ہے کھانا تیار کرنا۔ پہلے دن، تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد اور مختلف موقعوں پر کھانا قبر پر لے جانا اور قرآن خوانی کے لئے دعوت کرنا اور قراء وصلحاء کو ختم قرآن کے لئے جمع کرنا یہ سب مکروہ ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کو یہ بات معلوم تھی لیکن کھل کر نہ فرمایا کہ کھانا قبرستان میں لے جانا درست نہیں، صرف یہ کہا کہ فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا منع ہے۔ معلوم ہوتا ہے بدعتی اس وقت کھانا قبروں پر بھی رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا تو ویسا ہی منع ہے جیسے چراغ پر رکھ کر جلانا اور اگر قبر سے جدا رکھیں تو حرج نہیں۔ [۲]

دیکھیے کس صفائی سے قبرستان میں کھانا لانے کا جواز پیدا کر دیا کہ قبر سے ذرا فاصلے پر رکھیں تو کوئی حرج نہیں۔ پیش نظر رہے کہ خانصاحب خود قبر سے ذرا فاصلے پر ہی ٹھہرتے تھے۔ یہ بریلوی مذہب کی بات تھی جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، علامہ نووی شرح منہاج میں لکھتے ہیں:

الاجتماع علی المقبرة فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود واطعام الطعام فی الایام المخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشھر السادس بدعة ممنوعة۔ [۳]

ترجمہ: قبروں پر تیسرے دن جمع ہونا گلاب اور عود کی تقسیم، تیسرے، پانچویں نویں دسویں بیسویں چالیسویں اور ششماہی کے مخصوص دنوں میں (غریبوں کو) کھانا کھلانا بھی بدعت ممنوع ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے دنوں کی تعیین

---

[۱] ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۸۴۲ [۲] احکام الشریعت جلد ۱ صفحہ ۷۲ [۳] منقول از انوار ساطعہ صفحہ ۱۰۵

علامہ نووی کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے کچھ خاص تاریخوں کی تعیین ہرگز جائز نہیں۔ جہاں تعیین پابندی سے ہوگی لوگ اسے ضروری سمجھیں گے اور یہ شریعت پر افتراء ہوگا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب متقی کے شیخ حضرت علی متقی بدعاتِ تعزیت کی مذمت کرتے ہوئے تیجے کی رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان هٰذا الاجتماع فی الیوم الثالث خصوصا لیس فیه فرضیة ولا فیه وجوب ولا فیه سنة ولا فیه استحباب ولا فیه منفعة ولا فیه مصلحة فی الدین بل فیه طعن ومذمة وملامة علی السلف حیث لم یبینوا له بل علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم حیث ترك حقوق المیت۔ بل علی اللّٰہ سبحانه وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعة ... فیکون حراما لتضمنه هٰذه القبائح [1]

ترجمہ: یہ تیسرے دن کا اجتماع نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ نہ اس میں کوئی فائدہ ہے نہ کوئی دینی مصلحت بلکہ اس میں سلف پر طعن، مذمت اور ملامت مضمر ہے کہ انہوں نے اسے بیان نہ کیا تھا بلکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض آتا ہے کہ آپ نے میت کے حقوق بیان نہ کیے تھے۔ (معاذ اللہ)

ان تخصیص الذکر بوقت لم یرد به الشرع غیر مشروع۔ [2]

ترجمہ: بے شک ذکر کو کسی ایسے وقت کے ساتھ خاص کرنا جس کا ثبوت شرع سے نہ ہو ناجائز ہے۔

علامہ بیرونی جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے بیان کرتے ہیں کہ اموات کو ثواب پہنچانے کے لیے خاص دنوں کی تعیین دراصل ہندوؤں کی رسم تھی۔ وہ مختلف ذاتوں کے مُردوں کو مختلف دنوں میں کھانا بھیجنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

ہندوؤں کے ہاں مختلف میتوں کے بڑے ختم کے دن مختلف ہیں۔ برہمن کے لیے گیارہواں دن، کھتری کے لیے تیرہواں دن، ویش کے لیے جو کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں پندرہواں دن اور شودر جیسی اقوام کے لیے تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے۔ ان کے ہاں ختم کو سرادھ کہتے ہیں۔ سرادھ کا کھانا تیار ہوجائے تو اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ وید پڑھواتے ہیں۔ [3]

جو علماء دنوں کی اس گنتی کو جہالت بھی سمجھیں، پھر بھی اپنے لوگوں کو ہندوؤں کی پیروی سے نہ روکیں، ان کے اس طرز عمل کے بارے میں اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ عمداً مسلمانوں کے ہاں ہندو تہذیب کے لیے دروازے کھول رہے ہیں۔

---

[1] ماخوذ از تفہیم المسائل ص۱۶۲ [2] فتاویٰ شامی رد المحتار جلد ۱ ص ۷۷۰ [3] دیکھیے کتاب الہند ص ۲۸۲ سے ص ۲۹۰ تک

مولانا احمد رضا خاں اقرار کرتے ہیں :

شریعت میں ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں۔ جب چاہیں کریں۔ انہی دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ ؎۱

جہاں یہ تعیین عرفی نہ سمجھی جائے، لوگ اسے شرعی درجہ دینے لگیں یہاں تک کہ اس کے لیے حدیثیں وضع ہونے لگیں تو پھر یہ نری جہالت نہ رہے گی، بدعت بھی قرار پائے گی۔ تعیین عرفی نہ رہے گی۔

اولیائے کرام کے لیے خاص خاص کھانے

یہ عقیدہ کہ حضرت پیرانِ پیر گیارہویں کے ختم میں کھیر ہی پسند کرتے ہیں، حضرت بو علی قلندرؒ کے لیے ختم میں سرمنی چاہیے، شیخ سدو کے لیے گلگلے چاہئیں، حضرت امام جعفر کے لیے کونڈوں میں حلوہ اور پوریاں ہوں، شاہ مدار کو مالیدہ بھیجنا چاہیے۔ فلاں بزرگ کو سری پائے پکا کر ایصالِ ثواب کرنا چاہیے۔ یہ ختموں کا کاروبار چلانے والوں کی محض اپنی تخصیصات ہیں جو انہوں نے ذائقے بدلنے کی فطری خواہش سے خود تجویز کر رکھی ہیں۔ شرع میں ایصالِ ثواب کے لیے کہیں کھانوں کی کوئی تخصیص نہیں۔ مولانا احمد رضا خان نے بھی وفات سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے جن چٹ پٹے کھانوں کی جو فہرست تیار فرمائی ان کی تخصیص شرع میں کہیں وارد نہ تھی نہ یہ کہیں منقول ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے کبھی کھانوں کی ان انواع کو کہیں طلب کیا ہو۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :

بعضے از زناں در وقت اظہار شناعت ایں فعل گویند کہ ما ایں روزہا را برائے خدا نگاہ مے دارم و ثواب آں را بہ پیراں مے بخشیم اگر دریں امر صادق باشند تعیین از برائے صیام چہ در کار است و تخصیص طعام و تعیین شنیع مختلفہ در افطار برائے چیست۔ ؎۲

ترجمہ : بعض عورتیں اس کام کو برا کہنے پر کہتی ہیں کہ ہم یہ روزے خدا کے لئے رکھتی ہیں اور ان کا ثواب اپنے پیروں کو بخشتی ہیں۔ اگر وہ اس بات میں سچی ہوں تو روزوں کیلئے ان دنوں کا تعین آخر کس لئے؟ بعض کھانوں کی تخصیص اور افطار میں طرح طرح کے شنیع طریقوں کا تعین آخر کیوں ہے۔

؎۱ فتاویٰ رضویہ جلد ۲ ص ۴۰۰ ؎۲ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۴۱ ص ۷۱

قبور و مزارات

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ءاللہ خیر عما یشرکون اما بعد

ہر جان کے لیے موت مقدر ہے اور ہر کسی کو ایک دن موت کا پیالہ پینا ہے۔ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اور اس کے کچھ آداب و حالات ہیں۔ اسلامی آداب کے پہلو بہ پہلو بریلوی مذہب کا بھی مطالعہ کیجیے:

دفن میت کا جو طریق اہلِ اسلام میں شروع سے چلا آتا ہے نہایت سادہ اور وقت کی مناسبت سے نہایت فطری ہے۔ آنحضرت ؐ نے ارشاد فرمایا:

یا علی ثلاثۃ لا تؤخر (۱) الصلوٰۃ اذا اٰتت (۲) والجنازۃ اذا حضرت (۳) والایم اذا وجدت لھا کفوا۔ [۱]

ترجمہ: اے علی تین موقعوں پر تاخیر نہ کی جائے۔ ۱۔ نماز کا جب وقت ہو جائے۔ ۲۔ جنازہ جب حاضر ہو جائے۔ ۳۔ اور لڑکی کے لئے جب تجھے کفو (برابر کا رشتہ) مل جائے۔

مولانا احمد رضا خاں کی وصیت

مولانا احمد رضا خاں اپنی وصیت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

حامد رضا خاں سات مرتبہ اذان دیں۔ تلقین کرنے والے قبر کے مواجہہ میں تین بار تلقین کریں۔

---

[۱] رواہ الترمذی کمافی المشکوٰۃ ص ۶۱

۱/۲ گھنٹہ تک قبر پر مواجہہ میں درود شریف بآوازِ بلند پڑھا جائے اور ممکن ہو سکے تو تین شبانہ روز تک بآوازِ بلند قرآن شریف اور درود شریف پڑھوائے جائیں تاکہ اس نئے مکان میں دل لگ جائے۔ [۱]

قبر میں سوال و جواب

احادیث سے ثابت ہے کہ قبر میں ہر شخص سے یہ تین سوال کیے جاتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا ہے یا آپ کی صورت مبارک دکھائی جاتی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں لیکن بریلوی مذہب میں ہے کہ وہاں مرنے والے کے پیر کی آمد ہوتی ہے اور مرید کے بجائے وہی فرشتوں کو جواب دیتا ہے۔

قبر میں پیر کی آمد کا عقیدہ

فیوضات فریدیہ میں ہے:

جان لو کہ اپنا شیخ جس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا ہے مرنے کے وقت قبر میں آجاتا ہے اور اپنے مرید کی طرف سے فرشتوں کو حق کے مطابق جواب دیتا ہے اور اسے نجات دلاتا ہے۔ پس ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ شیخ کامل کو پکڑیں تاکہ شفیع ہوں۔ [۲]

پس جن بریلویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں، انہیں اپنے عقیدے کی اصلاح کرنی چاہیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر میں آنا کوئی قطعی بات نہیں۔ خود مولانا احمد رضا خاں قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیے گئے سوال ماذا کنت تقول فی[۳] ھذا الرجل کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

نہ معلوم سرکار خود تشریف لے جاتے ہیں یا روضۂ مقدسہ کا پردہ اٹھا دیا جاتا ہے شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی۔ [۴]

---

[۱] ماہنامہ المیزان امام رضا نمبر ص ۳۶۳ [۲] فیوضات فریدیہ اردو ترجمہ فوائد فریدیہ ص ۹۰ مطبوعہ مکتبہ معین الادب ڈیرہ غازی خان
[۳] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۶ [۴] ملفوظات حصہ چہارم ص ۶۹

پس بریلوی جس یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اس کی بنیاد خود مولانا احمد رضا خاں نے ہلا کر رکھ دی ہے اور اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے عقیدے میں حضورؐ ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے، ورنہ وہ آپ کے قبر میں تشریف لانے کا احتمال بھی ذکر نہ کرتے۔

منکر و نکیر کو جواب

بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ منکر و نکیر فرشتے جب سوال کریں گے کہ تو کس کی جماعت میں سے تھا تو وہ فرشتوں کو یہ جواب دیں گے :

نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کس کا ہے ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا [۱]

اس وقت جواب یہ چاہیے تھا کہ میں محمد رسول اللہ کی امت میں سے ہوں آپ میرے نبی تھے۔ مگر افسوس کہ بریلویوں نے وہاں مولانا احمد رضا خاں کا نام لینے کا عقیدہ بنا رکھا ہے۔

مزاروں پر چڑھاوا

بزرگوں کے مزارات سجادہ نشینوں کے لیے کمائی کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ بعض جگہوں پر پہلے سے ٹھیکہ ہو جاتا ہے۔ نقدی کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں دن رات وہاں آتی رہتی ہیں۔ روشنی کے بہانے بہت سا تیل وہاں جمع ہوتا ہے جسے سجادہ نشین آگے ہول سیل دکانداروں کو بیچ دیتے ہیں۔ بجلی کے اس دور میں تیل کے چڑھاوے برابر جاری ہیں۔ مجاور صاحبان بریلوی علماء کو عرسوں پر بلا کر اپنی اس آمدنی سے حصہ دے کر اپنے سارے اعمال کی ان سے تائید کرا لیتے ہیں حالانکہ ان چڑھاووں کا شریعت میں کوئی جواز نہ تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ فتاویٰ عالمگیری اور دیگر کتب فقہ حنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

اکثر عوام جو اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ [۲]

کاش کہ عرس میں شامل ہونے والے علماء جو کہتے رہتے ہیں کہ عوام کی اکثریت جو کرے درست ہے وہ حضرت شاہ صاحب کے اس فتوے پر غور کرتے اور ایک نفع فانی کے لیے آخرت کے نفع باقی کو قربان نہ کرتے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار میں ہے :

---

[۱] مدائح اعلیحضرت ص ۲۵ [۲] فتاویٰ عزیزی جلد ۱ ص ۹۰

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربًا الیھم فھو بالاجماع باطل [1]

ترجمہ: جان لوکہ اکثر عوام جو مرحومین کی نذر مانتے ہیں اور روپے، چراغ، تیل اور اس طرح کی چیزیں اولیائے کرام کے مزارات پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے (انہیں خوش کرنے کے لیے) لے جائی جاتی ہیں یہ عمل بالاجماع باطل ہے۔

مزاروں پر بکرے

بزرگوں کے نام پر جانوروں کو نامزد کر دینا اور پھر ان جانوروں کو مزارات پر لا کر خدا کے نام سے ذبح کرنا کتنا بڑا تضاد عملی ہے مگر بریلوی مذہب میں یہ سب کام جائز ہیں۔ اہل سنت ان تمام کاموں کو ناجائز بتلاتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

حیوانات را نذر مشائخ مے کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح مے نمائند در روایات فقہیہ ایں عمل را داخل شرک ساختہ اند و دریں باب مبالغہ نمودہ [2]

ترجمہ: حیوانات کو جو مشائخ کی نذر مانتے ہیں اور ان کے مزارات پر جا کر انہیں ذبح کرتے ہیں فقہ کی روایات میں اس عمل کو بھی شرک شمار کیا جاتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سختی کی گئی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا فتویٰ:

"ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب بغیر خدا نماید ملعون است وخواہ در وقت ذبح نام خدا بگیر دیا نے چوں شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلاں است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نہ کرد۔ چہ آں جانور منسوب باں غیر گشت و خبثے دراں پیدا گشت کہ زیادہ از خبث مردار است [3]

ترجمہ: جو شخص جانور ذبح کرنے سے غیر اللہ کا قرب چاہے وہ ملعون ہے۔ خواہ ذبح کے وقت خدا کا ہی نام کیوں نہ لے۔ جب اس نے شہرت دے دی کہ یہ جانور فلاں بزرگ کے لئے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام لینے نے فائدہ نہ دیا کیونکہ وہ جانور اس غیر اللہ کے نام منسوب ہو چکا اور اس میں ایسی ناپاکی آگئی جو مردار کی ناپاکی سے بھی زیادہ ہے۔

---

[1] در مختار بحاشیہ الشامی جلد ۲ ص ۱۷۵ [2] مکتوبات شریف دفتر سوم ص ۱۷ [3] تفسیر عزیزی ص ۶۱۱

مردار کی ناپاکی محض ناپاکی تھی اور جس پر بدوں تملیک و تصرف غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ اس میں شرک کی ناپاکی بھی ساتھ آگئی۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ نے بجا فرمایا کہ اس جانور کا خبث مردار کے خبث سے زیادہ ہے گو وقت ذبح اس پر خدا کا نام ہی کیوں نہ لیا گیا ہو۔

ہاں خدا کا نام لینے سے اگر گذشتہ کاروائی اور نامزدگی سے توبہ مراد ہوتی اور غیر اللہ کے نام نامزد ہونے سے علانیہ رجوع کیا جاتا تو پھر مسئلے کی صورت بدل سکتی تھی لیکن اس صورتِ اُولیٰ میں اس غیر کے نامزد جانور پر خدا کا نام لینا شریعت سے ایک اور کھلا مذاق ہے۔ جن علماء نے وقتِ ذبح خدا کے نام لینے کا اعتبار کیا ہے۔ انکی مراد خدا کا نام لینے سے گذشتہ نامزدگی سے رجوع اور توبہ ہی ہو سکتی ہے ورنہ کون ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے اس اہم مسئلہ میں اختلاف کرے۔

اس وقت اس مسئلہ پر بحث پیشِ نظر نہیں۔ صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ شرک و بدعت کے رد میں جو روش حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اختیار کی تھی۔ محدثین دہلی اسی روش پر چلے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا مسلک بھی وہی تھا۔ جو انہوں نے اپنے شیخ اور شیخ الشیخ عم محترم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے علمی اور روحانی وراثت میں پایا تھا اور ان سب حضرات میں نقشبندی نسبت روشن تھی۔

نیت شروع سے اہلِ قبور کے حضور زندہ جانور نذر کرنے کی ہو شریعت میں یہ چور دروازہ نہیں رکھا گیا کہ وقتِ ذبح خدا کا نام لینے سے قبروں پر بکرے نذر کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ وقتِ ذبح خدا کا نام لے یا ان بزرگوں کا ہر صورت میں مشائخ کے نام کی یہ نذر ماننا داخل شرک ہے۔

مزاروں پر لڑکیوں کا چڑھاوا

بریلوی مذہب میں تو بزرگوں کے مزارات پر خوبصورت عورتوں کا چڑھاوا بھی چڑھتا ہے۔ ایصالِ ثواب کس چیز کا ہوگا۔ مزاراتِ اولیاء کے قریب کے حجروں میں وہ لڑکیاں بھیج دی جاتی ہیں اور مریدانِ باصفا ان حجروں میں ان سے حاجت پوری کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے مذہب کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

> حضرت سیدی عبدالوہاب اکابر اولیائے کرام میں سے ہیں۔ حضرت سید احمد کبیر بدوی کے مزار پر بڑا میلہ اور ہجوم ہوتا تھا۔ اس مجمع میں چلے آتے تھے کہ ایک تاجر کی

کنیز پر نگاہ پڑی۔ فوراً نگاہ پھیرلی کہ حدیث میں ارشاد ہے النظرۃ الاولی لک والثانیۃ علیک۔ پہلی نظر تیرے لیے ہے اور دوسری تجھ پر، یعنی پہلی نظر کا کچھ گناہ نہیں اور دوسری کا مواخذہ ہوگا۔ خیر نگاہ تو پھیرلی مگر وہ آپ کو پسند آئی۔ جب مزار شریف پر حاضر ہوئے ارشاد فرمایا عبد الوہاب وہ کنیز پسند ہے۔ عرض کی ہاں۔ اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانا نہ چاہیے۔ ارشاد فرمایا اچھا ہم نے تم کو وہ کنیز ہبہ کی۔ اب آپ سکوت میں ہیں کہ کنیز تو اس تاجر کی ہے اور حضور ہبہ فرماتے ہیں۔ معاً وہ تاجر حضور ہوا اور اس نے وہ کنیز مزار اقدس کی نذر کی۔ خادم کو اشارہ ہوا۔ انہوں نے آپ کی نذر کر دی۔ ارشاد فرمایا عبد الوہاب اب دیر کاہے کی۔ فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔ [1]

مولانا احمد رضا خاں نے یہ نہیں بتایا کہ ان عورتوں کو اپنی حاجت پوری کرتا کون نظر آتا ہے۔ وہ یہ دیکھتی ہیں کہ صاحب قرآن کے ساتھ مشغول ہیں یا کوئی مرید باصفا نعرے لگا رہا ہے۔

مزاروں کے ساتھ حجرے

مذکورہ واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ بریلوی مذہب کے مطابق مزارات کے ساتھ حجرے کس لیے ہوتے ہیں۔ یہ حجرے ان خاص مراقبہ نشینوں کے لیے تھے جو اہل اللہ کے قرب میں ریاضت و عبادت کے لیے مقیم ہوتے تھے۔ یہ ان کاموں کے لیے نہ تھے جو بریلویوں نے اب تجویز کر لیے ہیں۔

مزاروں سے آوازیں

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اہل اللہ کی قبر سے کہیں خرق عادت کے طور پر کوئی آواز سنائی دے دے۔ اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔ یہ بات لائق تسلیم نہیں کہ وہاں سے اس قسم کی آوازیں آتی ہیں اور وہاں آنے والی مستورات بزرگوں کے احترام میں کنیزیں اور باندیاں ہوجاتی ہیں اور پھر ان کا حجروں میں

---

[1] ملفوظات حصہ سوم صہ ۲۸۔ مرحوم کی ملک میں کسی چیز کو دینا عجیب فقہی مسئلہ ہے۔ لین دین، بیع و شراء اور قرض و ہبہ کے احکام اسی دنیا سے متعلق ہیں۔ مرحومین جو برزخ میں پہنچ چکے ان کو تملیک کرانا ایک نیا مسئلہ ہے

جانا یا لے جایا جانا درست ہو جاتا ہے۔ یہ کس قدر عجیب اور غلیظ آواز تھی جسے مولانا احمد رضا خاں نقل کرتے ہیں: | عبدالوہاب اب دیر کاہے کی فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔ |

کاش کہ وہ عورت اس مزار پر نہ جاتی۔ نہ سیدی عبدالوہاب کی اس پر نظر پڑتی نہ اس طرح حجرے آلودہ ہوتے۔ غنیۃ المستملی میں عورتوں کا مزارات پر جانا ویسے ہی منع تبلایا ہے۔

ظلم بالائے ظلم یہ کہ مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ تھا "بریلویوں کی تمام مستورات پیروں کے لیے باندیوں اور لونڈیوں کے حکم میں ہیں۔" ایک دفعہ ایک پیر صاحب مولانا کے زنانخانے میں غلطی سے گھس گئے اور پھر معذرت کرنے لگے۔ اس پر مولانا احمد رضا خاں نے مسئلے کی وضاحت فرمائی:

> حضرت یہ سب آپ کی باندیاں (لونڈیاں) ہیں۔ آپ آقا (مالک) اور آقازادے ہیں۔ معذرت کی کیا حاجت ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔ [۱]

اس تصریح کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت بھی کسی حجرے میں جا کر اپنی حاجت پوری فرما سکتے ہیں ورنہ اندیشہ ہے کہ ہاتف آواز دے: "اب دیر کاہے کی ہے؟ فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔"

کاش مولانا احمد رضا خاں اس کنیز اور اپنے گھر کی مستورات کے بارے میں بھی شریعت کے مندرجہ ذیل احکام پیش نظر رکھتے:

عورتوں کا مزارات پر جانا

ایک طرف تو مولانا احمد رضا خاں نے بزرگوں کی قبروں پر عورتوں کا آنا اور پھر قبروں سے اس قسم کی آوازوں کا نکلنا بیان کیا ہے، اب دوسری طرف مولانا احمد رضا خان کا یہ بیان بھی سنیے اور دونوں میں تطبیق کی کوشش کیجیے۔

عرض: حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے۔ اور کس قدر صاحب قبر کی طرف سے جس وقت گھر

---

[۱] ماہنامہ المیزان احمد رضا نمبر ص ۳۷۰

سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے روضۂ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں۔ ؁۱

علامہ ابراہیم حلبیؒ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مولانا احمد رضا خان کو بالآخر ان کی اتباع کرنی پڑی۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں :

مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہرگز پسند نہیں کرتا۔ خصوصاً اس طوفانِ بے تمیزی، رقص و مزامیر و سرود میں جو آج کل جہاں نے اعراسِ طیبہ میں برپا کر رکھا ہے، اس کی شرکت میں تو عوام رجال (مردوں) کو بھی پسند نہیں رکھتا۔ ؁۲

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آج کل عرسوں وغیرہ میں کیا ہوتا ہے۔ یہی طوفانِ بے تمیزی ہے جو کارکنوں کو آخر حجروں میں لے جاتا ہے اور وہ بہانے بناتے ہیں کہ ہمیں قبر سے اس کام کے کرنے کی اجازت ملی تھی۔

مولانا احمد رضا خان کو یہاں تک تسلیم کرنا پڑا :

اب زیارتِ قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے اور ایسی کو حلال ہے۔ ویسی کو تو پہلے بھی حرام تھا، اس زمانے میں کیا تخصیص۔ ؁۳

مزاروں پر چوریاں

حضرت شاہ نظام الدین اولیا کے سجادہ نشینوں میں خواجہ حسن نظامی صاحب اردو کے بڑے نامور ادیب گزرے ہیں۔ آپ کے ادبی شاہ پارے ادبی رسائل کی جان ہوتے تھے۔ آپ ایک جگہ لکھتے ہیں اور مزاروں کے اندرونِ خانہ حالات سے پردہ اٹھ جاتا ہے :

بچپن میں جس قسم کی چوریاں میں نے کیں ان کے خیال سے . . . الخ

اب آپ ہی خیال فرمائیں اگر کچھ لوگ مزاروں پر ہونے والے اس کاروبار سے روکتے ہیں تو انہیں بزرگوں کا نہ ماننے والا کہہ کر کس طرح ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ آپ ہی بتائیں کیا یہی مذہب اہلِ سنت ہے جو ان لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اور کیا یہی اصحابِ مزارات کا طریقہ تھا جو ان رسموں کی شکل میں آج

؁۱ ملفوظات ۲ ص ۱۱۰ ؁۲ کیا یہ عرس پھر بھی طیب رہے ؟ ؁۳ ملفوظات حصہ ۲ ص ۱۱۰ جمل النور ص ۹

جاری ہے۔ یہ حضرات اولیائے کرام تو زندگی بھر سنت کی شمعیں روشن کرتے رہے تھے۔ افسوس کہ ان کے خود غرض مریدوں نے ان کے مزارات کو مراکزِ تجارت بنا لیا۔

اسلام کی شانِ اعجاز دیکھئے کہ اولیائے کرام کے مزارات پر ہر طرح کی رسوم و بدعات کے باوجود کل انبیاء و اولیاء کے سرتاج حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ انور ان تمام خرافات سے محفوظ ہے اور تو اور خود مولانا احمد خان صاحب لکھتے ہیں :

روضۂ انور پر حاضری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضری پر بہت عظیم سعادت ہے۔ حج کے بعد جو روضہ پر سلام کے لیے حاضر نہ ہو اس نے بڑی جفا کی۔ یہاں کی حاضری عورتوں کے لیے ممنوع نہیں۔ ہاں ہجوم کی صورت ہو تو فاصلے سے ہی سلام پیش کر دیں۔ غیر محرموں کے ساتھ آگے بڑھنا حرام ہے۔ مولانا احمد رضا لکھتے ہیں

> زیارتِ روضہ انور کے وقت نہ دیوارِ کریم کو ہاتھ لگائے نہ چومے نہ اس سے چمٹے نہ طواف کرے نہ زمین چومے کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں [۱]

افسوس کہ اس تصریح کے باوجود مولانا احمد رضا خان روضہ مبارکہ کے اندرونی احوال کا تقدس قائم نہ رکھ سکے۔ روضہ منورہ کے اندر کے حالات کا نقشہ رضا خانی عقیدہ میں ملاحظہ کیجیے۔

روضہ مبارکہ کے اعمال

حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور (تلذذاً) عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ سلام کرنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہزاروں سلام پڑھنے والے ہوں تو بھی ان کے سلام میں تزاحم نہیں ہوتا اور روحِ مبارک ہر ایک سلام کی طرف متوجہ رہتی ہے۔

مگر بریلویوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں (استغفر اللہ) اور پھر ازواجِ مطہرات کے بارے میں پیش کئے جانے کی یہ تعبیر کس قدر بے حیا اندازِ فکر ہے۔ افسوس کہ مولانا احمد رضا خان نے اس گستاخانہ تعبیر میں کچھ جھجک محسوس نہ کی۔

---

[۱] حرمتِ سجدۂ تعظیم صہ ۶۳

ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی

انبیاء علیہم السلام کی قبور مطہرہ میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں۔ [1]

مولانا احمد رضا خان نے ازواج مطہرات کی شان میں یہ گستاخی دریں کی ہے جہاں وہ سیدی عبدالوہاب کو حضرت سید احمد کبیر کے مزار سے یہ آواز سنا رہے تھے کہ فلاں حجرہ میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔ یہ گستاخی کی انتہا ہے۔ کس سیاق و سباق میں وہ اس بحث کو لے آئے۔ (استغفراللہ)

بریلوی علماء نے مولانا احمد رضا خاں کی صفائی پیش کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ خاوند بیوی اگر آپس میں مشغول ہوں تو اس میں کیا گستاخی ہوگئی لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ بیٹے کے لیے ماں کے ان حالات کا ذکر یقیناً گستاخی ہے تو وہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بریلویوں نے ایک ایسے شخص کو جو امہات المومنین کی شان میں اس طرح گستاخی کرے اپنا اعلحضرت کیسے مان لیا؟ کیا انہیں پتہ نہیں کہ اولیاء اللہ کی قبروں سے اس قسم کے مشورے نہیں آتے کہ فلاں حجرے میں لے جاؤ اور اپنی حاجت پوری کرو۔ پھر اس قسم کی باتیں بنانے والے کو انہوں نے اپنا بڑا حضرت کیسے تسلیم کر لیا؟ کیا یہ سب حضرت ہیں۔

اگر یہ سب حضرت نہ ہوتے تو اولیائے کرام کے مزارات پر اس طرح کے میلے کیوں لگاتے اور کسی کو اعلیٰ حضرت نہ بناتے تو ایسے میلوں کی سند کہاں سے لاتے۔ جن لوگوں کو کبھی کلیر شریف جانے کا موقع ملا ہو وہ جانتے ہیں کہ عرس کے موقع پر وہاں کس طرح دور دراز سے طوائفیں آتی ہیں اور کس طرح بریلوی مذہب کی منڈی لگتی ہے۔

ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ سب بریلوی اس طرح کے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو محض چند رسموں کے عادی ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے ہیں اور انہیں مولانا احمد رضا خاں کا کوئی خاص تعارف نہیں۔ نہ ایسی گستاخانہ عبارتوں پر وہ مولانا کا ساتھ دیتے ہیں بلکہ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب انہوں نے مولانا احمد رضا خاں کی کتابیں دیکھیں تو برملا کہہ اٹھے کہ ہمارے تو یہ عقائد نہیں۔ ہم تو یونہی اپنے آپ کو بریلوی سمجھتے رہے۔ یقین کیجیے بریلوی مسلمانوں میں پانچ فیصدی سے زیادہ نہ ملیں گے۔

---

[1] ملفوظات حصہ سوم ص ۲۸ - یہ عقیدہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی کے ذمہ لگانا خاں صاحب کا جھوٹ ہے۔

پیرانِ عظام کی ذہنی غلامی

بریلویت کا تیسرا بنیادی اصول جس پر شرک و بدعات کا دائرہ گھومتا ہے، عوام کو جاہل پیروں سے مرعوب کرنے کی کوششیں ہیں۔ مصیبت زدہ انسانوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں شرک و بدعت کے سیاہ اندھیروں میں کھینچا جاتا ہے۔ بعض پیروں کے حلقے انہیں اس طرح ذہنی طور پر مفلوج کرتے ہیں کہ سوچنے کی جملہ توانائیاں یکسر سلب کر لی جاتی ہیں اور پھر یہ حال ہوتا ہے ؎

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن　　ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

جاہل پیروں سے مرعوب کرنے کی تدبیر

یہ بات علٰحدہ رہی کہ بریلوی مولویوں نے عوام کو اس طرح مرعوب کر رکھا ہے کہ وہ غلط ترین لوگوں کو بھی خدائی طاقتوں کا مظہر سمجھتے رہیں۔

بے شرع عورت پیروں کا دبدبہ

بریلوی علماء نے اپنے عوام کو صرف جاہل ملنگوں سے ہی مرعوب کرنے کی داستانیں نہیں گھڑیں کچھ عورت پیروں کو بھی وہ اس مقام پر لے آئے۔ ایک عورت بغیر خاوند کے اور بغیر کسی محرم کے کسی کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی۔ اسے یہ تو پتہ نہ تھا کہ بغیر خاوند یا محرم کے اسے یہاں اس طرح بے حجاب نہیں ہونا چاہیے تھا مگر بریلویوں کا عقیدہ دیکھیے کہ وہ یہیں سے اسے دہلی میں تصرف کرتی بتلاتے ہیں۔

ایک بزرگ کسی کنوئیں پر پہنچے۔ سخت پیاسے تھے۔ دیکھا کہ کنوئیں پر ایک عورت کھڑی ہوئی ڈول پر ڈول نکال رہی ہے اور بہا رہی ہے۔ آپ نے کہا مائی میں سخت پیاسا ہوں۔ مجھے دو گھونٹ پانی پلا دے۔ وہ بولی ٹھہر جاؤ۔ آپ بہت دیر کھڑے رہے مگر اس نے پانی نہ پلایا۔ آپ نے فرمایا تو بڑی بے وقوف ہے کہ بے کار پانی بہا رہی ہے اور مجھ پیاسے کو نہیں پلاتی۔ وہ بولی کہ دہلی میں آگ لگی ہوئی ہے میں یہاں سے بجھا رہی ہوں۔ میں تجھ ایک کو پلاؤں یا وہاں کے ہزار جلتوں کو بجھاؤں۔ آپ کو سخت تعجب ہوا۔ [1]

---

[1] مواعظ نعیمیہ حصہ دوم صہ ۵۳

معلوم ہوا کہ وہ بزرگ بالکل بے خبر تھے۔ صاحب کشف و الہام نہ تھے مگر تھے بزرگ اور وہ بے شرع ملنگنی یہاں سے دہلی تصرف کر رہی تھی اور بزرگوں کو پھر بھی پتہ نہ چل رہا تھا۔ بریلوی علماء نے اسی قسم کی حکایات سے اپنے عوام کو ہر ملنگ اور ملنگنی سے مرعوب کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جاہل ان کے چنگل سے نکلنے نہیں پاتے اور جب تک جاہل موجود ہیں بریلوی کہتے ہیں ہماری اکثریت ہے۔

اولیاء اللہ کے سوٹے لنگوٹے

بریلویوں کے ہاں اولیاء اللہ کا عجیب تصور کار فرما ہے۔ گویا سب اکھاڑے کے پہلوان ہیں۔ ایک لنگوٹا پہنے سوٹا ہاتھ میں لیے ننگ دھڑنگ ملنگ پھر رہے ہیں۔ صرف امیر کلال کی بات نہیں' اس اکھاڑے میں سب لنگوٹے میں ہیں۔ مفتی احمد یار صاحب فرماتے ہیں :

اولیاء اللہ کو حساب کا ڈر بھی نہ ہوگا کیونکہ اول تو سوٹے لنگوٹے کے سوا پاس ہی کیا اور جو کچھ تھا بھی تو وہ محض اللہ کے لیے کھایا' اُسکے لئے سوئے تو اُسکے لئے حساب کیسا[1]

مفتی صاحب نے ان لنگوٹا پوش ملنگوں کی شان یہ بیان کی ہے :

"بروز قیامت انبیائے کرام اولیاء اللہ پر غبطہ (رشک) فرمائیں گے۔"

دیکھا گستاخوں نے کس طرح ملنگوں کو نبیوں پر بڑھا دیا اور حیرت یہ کہ بات عام انبیائے کرام تک بھی محدود نہیں رکھی خود سید کائنات ؐ کا ان اولیاء سے کس بے رحمی سے مقابلہ کیا ہے۔

وہ امت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم امت کی فکر میں ہیں۔ اولیاء اللہ ان دونوں غموں سے دور ہوں گے۔ یہ مراد ہے ولا یحزنون سے۔[2]

مفتی صاحب کو شاید یاد نہیں رہا کہ خوف آئندہ باتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ غم پچھلی باتوں سے متعلق ہوتا ہے۔ ولا یحزنون (اور نہ وہ غمگین ہوں گے) سے دلیل لے کر انہیں آنحضرتؐ پر فوقیت دینا اور حضورؐ کی فکر کو غم سمجھتے رہنا مفتی صاحب کی لائق رحم علمی بے مائیگی ہے۔ ہمارے لیے تو یہ عقیدہ کافی ہے کہ کوئی ولی بھی کسی نبی سے بڑھ نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ سید الاولین والآخرین سے اور پھر لنگوٹا پہنے ملنگوں کو اس مقام پر لانا' یہ بریلوی مفتیوں کو ہی زیبا ہو سکتا ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تو یہ ہے۔

"ولا نفضل احداً من الاولیاء علی احد من الانبیاء۔[3]

---

[1] مواعظ نعیمیہ حصہ دوم ص ۹۰ [2] ایضاً ص ۹۱ [3] شرح عقیدہ طحاویہ ص ۵۵۵۔

بریلیوں کا عقیدہ ہے کہ تمہیں کوئی پیر بے عمل اور اندر سے بالکل خالی بھی دکھائی دے تو پھر بھی تم اس کی عقیدت مندی سے نہ نکلو۔ اس سے ڈرتے رہو اور اسے نذرانے دیتے رہو۔ یہ اندر سے خالی پیر بھی تمہارے تختے الٹ سکتے ہیں۔ جب قوم کو ذہنی طور پر اس طرح مرعوب کر دیا گیا ہو تو پھر جاہل لوگ مزارات اولیاء کے حجروں میں ہونے والی ایسی حرکات اور اس قسم کی تحریرات کے باوجود بڑے حضرت کو مانتے رہیں تو تعجب کی کونسی بات ہے۔

اس من گھڑت اصول سے معلوم نہیں کتنے گھر اجڑے ہوں گے؟ کتنے جعلی پیروں اور بدکردار فقیروں کا کام چلا ہوگا؟ یہ اس وقت کا موضوع نہیں۔ ہم یہاں اعلحضرت کی وہ حکایت نقل کرتے ہیں جس پر بریلویوں کا مذکورہ بالا عقیدہ مبنی ہے۔ مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

ایک فقیر بھیک مانگنے والا ایک دکان پر کھڑا کہہ رہا تھا کہ ایک روپیہ دے۔ وہ نہ دیتا تھا۔ فقیر نے کہا روپیہ دیتا ہے تو دے ورنہ تیری ساری دکان الٹا ہوں۔ اس تھوڑی دیر میں بہت لوگ جمع ہو گئے۔ اتفاقاً ایک صاحب دل کا گزر ہوا جن کے سب لوگ معتقد تھے۔ انہوں نے دکان دار سے فرمایا جلد روپیہ دے دے ورنہ دکان الٹ جائے گی۔ لوگوں نے عرض کی حضرت یہ بے شرع جاہل کیا کر سکتا ہے۔ فرمایا میں نے اس فقیر کے باطن پر نظر ڈالی کہ کچھ ہے بھی۔ معلوم ہوا بالکل خالی ہے۔ پھر اس کے شیخ کو دیکھا اسے بھی خالی پایا۔ اس کے شیخ کے شیخ کو دیکھا۔ انہیں اہل اللہ سے پایا اور دیکھا کہ وہ منتظر کھڑے ہیں کہ کب اس کی زبان سے نکلے اور میں دکان الٹ دوں۔ تو بات کیا تھی کہ شیخ کا دامن قوت سے پکڑے ہوئے تھا۔ [1]

اس عبارت سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ بریلوی مذہب کے پیرو مولانا احمد رضا خاں کی مذکورہ گستاخ عبارتوں کے باوجود انہیں بڑا حضرت کیوں مانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ شاید ان کا پیر کچھ ہو۔ وہ ان کی طرح کا نہ ہو۔ اور اگر وہ بھی خالی ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کا پیر خالی نہ ہو۔ آخر کوئی تو ہوگا جو تختہ الٹ سکے۔ اہل اللہ کا کیا کام ہی تختے الٹنا ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ بریلیوں کے ہاں شیخ کی خلافت خالی لوگوں کو بھی مل جاتی ہے جن کا باطن کچھ نہ ہو۔ ان کے ہاں یہ ضروری نہیں کہ مرید سلوک کی منزلیں طے کرے، باطنی نور

---

[1] ملفوظات حصہ دوم ص ۶۷

سے آراستہ ہو پھر وہ روحانی خلافت کا مستحق ہوتا ہے۔ حکایت مذکورہ میں اس بے شرع جاہل کا پیر اندر سے بالکل خالی تھا مگر پھر بھی وہ اپنے کامل شیخ کا خلیفہ اور وہ کامل شیخ بھی اتنا کامل تھا کہ اپنے خالی خلیفہ کے خالی مرید کو ایک روپیہ تو نہ دے سکتا تھا مگر ایک بے قصور دکاندار کا تختہ الٹنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

کامل پیروں کے ہاتھ میں بھی خدائی طاقت نہیں

یہ بات تو جاہل پیروں کی تھی۔ اب یہ بھی یاد رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے خدائی تصرف کی طاقت اپنے کسی مقرب اور پیارے کو بھی نہیں بخشی۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنے محبوبوں کی دعائیں قبول فرماتے ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ذرہ بھر خدائی اختیار نہیں رکھتا۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی نے اس موضوع کی خوب وضاحت فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں کو اتنی طاقت بخشی ہے کہ جس امر کی طرف دل سے متوجہ ہو جائیں اللہ تعالیٰ وہ کام کر دیتا ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں کہ جس وقت چاہیں اور جو کچھ چاہیں ہو جائے کیونکہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا ابو طالب کے واسطے یہی چاہتے تھے کہ وہ اسلام لا دیں اور ظہور میں ایسا نہ آیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب نبی کو کُل اختیار نہیں تو ولی کو کس طرح ہو۔ یہ تب ہو کہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی یا ولی کو سب اختیار دے کر آپ معطل ہو بیٹھے اور یہ بالکل برخلاف عقیدہ اسلام ہے۔[1]

مگر بریلوی حضرات کا عقیدہ ہے کہ بعض اولیاء خدا سے بھی کشتی لڑ لیتے ہیں گو پچھڑ جاتے ہیں (معاذاللہ)

خدا کے ساتھ کشتی

حضرت مظفر کرمانشاہی نے فرمایا کہ فقیر وہ ہے جو اللہ کی طرف بھی محتاج نہ ہو۔ حضرت ابوالحسن خرقانی نے فرمایا کہ صبح سویرے اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کشتی کی اور ہمیں پچھاڑ دیا۔[2]

کیا کوئی ایسا فقیر ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بھی محتاج نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو اللہ صمد کیسے ہوگا۔ صمد وہ ہے کہ سب اس کے محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ ایک فرد بھی ایسا نکل آئے جو اس کا محتاج نہ ہو تو

---

[1] مکتوبات چشتیہ صہ ۱۲۷ ، [2] فوائد فریدیہ صہ ۸۷

اس کی شانِ صمدیت قائم نہ رہے گی۔ (معاذ اللہ) اور پھر اس کے ساتھ کشتی کرنے کا تصور عجیب بریلوی عقیدہ ہے

خدا سے لڑائی لڑنا

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

خدا سے لیں لڑائی وہ ہے معطی نبی قاسم ہے تو موصل ہے یا غوث [3]

معطی اور قاسم حدیث کے الفاظ کے ہیں۔ موصل کا اضافہ مولانا احمد رضا خاں کی اپنی ایجاد ہے۔ تاہم ـــــ بندوں کے لیے یہ تجویز کہ وہ خدا سے لڑائی لیں بڑی سخت گستاخی ہے۔ خدا تعالیٰ کسی سے کہے کہ اس کی طرف سے اسے لڑائی کی دھمکی ہے یہ اور بات ہے لیکن بندوں کی طرف خدا سے لڑنے کی نسبت عجیب بریلوی عقیدہ ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ کوئی بندہ خدا سے لڑنے کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ کسی بندے کے لیے اتنی تجویز کہ وہ خدا سے لڑائی لڑے، اللہ کے حضور میں سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔

مُرید کی تمام حرکات پر اطلاع

مولانا غلام محمود پپلانی لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک کوئی شخص مردِ کامل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مرید کی تمام حرکات کو نہ جانتا ہو جو یوم الست بر جم سے لے کر جنت یا دوزخ میں پہنچنے تک ہیں یعنی ہر مرید کے انقلاباتِ نسبی اور انقلاباتِ صلبی ازل سے ابد تک جانتا ہو۔ [1]

اولیاء اللہ مریدوں کی بیویوں کے پاس نہیں سوتے نہ ان کے ساتھ خلوت میں بیٹھتے ہیں نہ انہیں اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ محرم اور غیر محرم کے اسلامی احکام پر ان کا پورا عمل ہوتا ہے۔

مگر بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ پیر مریدوں کی پرائیویٹ (PRIVATE) زندگی کا بھی پورا نظارہ کرتے ہیں۔ خاوند اور بیوی خلوت میں ہوں تو فرشتے تو حیا کے باعث ایک طرف ہو جاتے ہیں لیکن بریلوی پیر اس وقت بھی پاس رہتے ہیں اور مرید کی بیوی کے پاس سوتے ہیں۔

مرید کی بیوی کے پاس سونا

---

[3] حدائقِ بخشش حصہ دوم صہ ۱۳۔ [1] نجم الرحمٰن صہ ۱۰۴، ۱۰۳ نوری کتب خانہ لاہور

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں؛

سید احمد سلجاسی کے دو بیویاں تھیں۔ سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہم بستری کی۔ یہ نہیں چاہیے۔ عرض کیا حضور وہ اس سوتی نہ تھی۔ سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا۔ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا۔ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہوتا۔ ہر آن ساتھ رہتا ہے۔ دبرابر نظارہ کرتا ہے ۱؎

فرشتے بھی اس وقت حیا سے ایک طرف ہو جاتے ہیں اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ ان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ۔ ۲؎

حضرت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: الحفظۃ لا یفارقون الانسان الا عند الجماع والخلاء کذا فی شرح البخاری وینبغی ان یراد بالحفظۃ ما ھو اعم من کرام الکاتبین والذین یحفظونہ من الجن ۳؎

غور کیجیے فرشتوں اور جنات تک کو تو ایسے موقع پر حیا آ جاتی ہے لیکن بریلوی پیران کے عقیدہ میں ایسے موقع پر بھی پاس رہتے ہیں اور نظارہ کرتے ہیں۔

ظلم اور فسق کی انتہاء

پیر کو مرید کی بیوی کے پاس سلانے کی تجویز کسی طرح پسندیدہ نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے اس کے لئے قطب الواصلین حضرت سید عبد العزیز دباغ کا نام غلط استعمال کیا ہے اور ان پر ایک بڑا جھوٹ باندھا ہے، ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ حضرت نے یہ نہیں کہا تھا کہ "اس خالی پلنگ پر میں تھا" یہ بات خانصاحب کی خانہ ساز اور ان کی اپنی ایک فاسقانہ مراد ہے۔ بقول مفتی مظہر اللہ صاحب دہلوی، مولانا احمد رضا خاں کی طبیعت چلبلی تھی۔۴؎ اس چلبلی طبیعت کا نتیجہ ہے کہ اس طرح کی بات گھڑنے میں مولانا احمد رضا خاں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے۔

۱؎ ملفوظات حصہ دوم ص ۲۹۔ ۲؎ مشکوۃ ص ۲۶۱ عن الترمذی۔ ۳؎ رد المحتار علامہ شامی جلد ۱ ص ۶۰۸۔

۴؎ فتاویٰ مظہری ص

مرید نے جب پوچھا تھا کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں دوسری بیوی کے جاگتے ہوئے ایک کے پاس گیا تھا تو یہ سوال از راہِ حیرت تھا۔ حضرت نے اس خبرِ غیبی پر ایک اور اضافہ فرمایا کہ چوتھے پلنگ پر کون تھا؟ اس میں صرف یہ اطلاع دینی مقصود تھی کہ وہاں ایک چوتھا پلنگ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب سے جب کوئی غیب کا پردہ اُٹھائیں تو ایسی صورتِ حال بیشک اس کے لئے کھل جاتی ہے اور اسے ہی کشف کہتے ہیں۔ کشف یقیناً برحق ہے۔ بشرطیکہ روایت صحیح ہو۔

اس چوتھے پلنگ کو خواہ مخواہ زیرِ بحث لانا کہ اس پر کون سویا ہوا تھا۔ اسے صرف کشف حال پر محمول نہ کرنا۔ اس پر خواہ مخواہ حضرت کو سلانا۔ مولانا احمد رضا خاں کے ذوقِ درونی کا پتہ دیتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہمارا اعتراض صرف یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت عبدالعزیز دباغ پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا" اس خالی پلنگ پر میں تھا"

اور اگر اس چوتھے پلنگ پر کسی کو لانا ہی تھا تو یوں کہہ دیتے کہ حضرت کی مراد یہ تھی کہ "احمد! اس چوتھے پلنگ پر جو اجنبی سو رہا تھا۔ اس کے وہاں ہوتے اور سوتے تم اپنی بیوی کے قریب گئے یہ درست نہ تھا" کیا اس میں اصلاح کا پہلو نہ تھا؟ اس پلنگ پر کیا حضرت سید عبدالعزیز دباغ جیسے بزرگ کو ہی سلانا تھا؟ بات بنانے میں کچھ تو حیا کی ہوتی۔ مولانا احمد رضا خاں اگر یہ سمجھ لیتے کہ حضرت عبدالعزیز دباغ اپنا کشف بتلا رہے تھے کہ میں وہاں کے اس چوتھے خالی پلنگ کو بھی جانتا ہوں۔ اس پر کون سویا تھا؟ یعنی کوئی نہیں۔ یہ بات محض استفہام انکاری کے طور پر تھی۔ تو اس میں کیا حرج تھا؟ کشف کے برحق ہونے پر متنبہ کرنا۔ حضرت کے پیش نظر تھا۔ یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی تھی کہ حضرت ایک اور خبرِ غیبی سے سائل کی حیرت میں اضافہ فرما رہے تھے۔ مگر خانصاحب نے اپنے ذوقِ خاص سے اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ پیر مرید کی بیویوں کے پاس سوتے ہیں اور یہ بات از خود بنالی کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ اس خالی پلنگ پر میں تھا۔ کیا یہ حضرت پر صریح جھوٹ نہیں۔ افسوس صد افسوس؛ ایسے عقیدے اور عمل پر۔ ہزار در ہزار افسوس۔ اس مذہب پر جو بزرگوں پر اس طرح کی تہمتیں لگائے۔

خانصاحب کا گھڑا ہوا ڈرامہ

خانصاحب نے کہانی اس طرح گھڑی گویا چار چارپائیاں علیحدہ علیحدہ دو جگہ پر تھیں۔ ایک جگہ سید احمد سلجماسی اور ان کی ہم بستر بیوی تھی اور دوسری جگہ دوسری بیوی اور پیر صاحب کا پلنگ تھا۔ یہ بات بھی صحیح نہیں، چاروں پلنگ ایک ہی جگہ پر تھے۔ سو اس سوال کی کوئی صورت نہ تھی کہ جہاں وہ سو رہی تھی۔ کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ خانصاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ کہیں اور جگہ پر سو رہی تھی۔ یہ سوال خانصاحب نے اپنی ہی ذہنی تسکین کے لئے گھڑا ہے حضرت نے تو صرف یہی پوچھا تھا کہ چوتھے پلنگ پر کون سویا تھا؟ اور اس سے یہ بات عیاں تھی کہ چاروں پلنگ اکٹھے تھے اور حضرت کو کشفاً معلوم ہو گیا تھا کہ چوتھا پلنگ خالی تھا اور اسی کو جتانے کے لئے وہ پوچھ رہے تھے کہ چوتھے پلنگ پر کون سویا تھا۔

پھر مولانا احمد رضا خاں نے یہ بات بھی نہیں کی کہ احمد اس رات دونوں بیویوں سے ہم بستر ہوئے تھے۔ خانصاحب نے اسے کیوں نہ بیان کیا؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اس دوسری بیوی کے پاس پیر صاحب کو سلانا چاہتے تھے اور ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ادھر یہ ——— ادھر وہ ——— لاحول ولا قوۃ باللہ ——— کیا عجیب ڈرامہ تصنیف کیا ہے اگر وہ دونوں بیویوں کے صحیح واقعات ذکر کر دیتے تو پھر پیر صاحب کی باری خالی رہتی اور مولانا احمد رضا خاں ہرگز یہ مسئلہ نہ بنا سکتے کہ پیر مرید کی بیویوں کے پاس سوتے ہیں۔

خانصاحب کی نرالی منطق اور نرالا علم

مولانا احمد رضا خاں نے اس صورتِ واقعہ کو ہی مسخ کرنے پر اکتفا نہیں کی۔ اس سے جو نتیجہ نکالا وہ انہی کے الفاظ میں سن لیجئے:

کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہوتا۔ ہر آن ساتھ ہے۔ (ملفوظات ۲ ص ۴۹)

جو شخص بھی اس ڈرامے کو پڑھے گا۔ وہ اس سے یہ نتیجہ تو اخذ کر سکتا ہے کہ شیخ کسی شب مرید کی

سے جُدا نہیں ہوتا۔ اس ڈرامے سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ وہ مرید سے جُدا نہیں ہوتا، اور اگر یہی نتیجہ نکالنا تھا تو پیر صاحب کو اس بیوی کے ساتھ بتلاتے جو مرید کے پاس تھی۔ خانصاحب نے یہ نتیجہ غالباً اس لئے نہیں نکالا کہ کوئی شخص یہ نہ پوچھ لے کہ ایک بیوی کے پاس ایک رات پیر اور مرید دونوں کیسے ہو سکتے تھے؟

مولانا احمد رضا خاں نے یہ جھوٹ کہ اس پلنگ پر میں تھا۔ حضرت سید عبدالعزیز بن دماغ کے نام سے گھڑا ہے۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ ہم کتاب الابریز سے یہ واقعہ بھی پیش کر دیں تاکہ قارئین کرام مولانا احمد رضا خاں کے اس ظلم و جھوٹ کا از خود اندازہ کر سکیں اور جان لیں کہ خانصاحب نے حضرت کے ذمہ ایک فاسقانہ بات لگانے کی کس طرح جرأت کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بزرگوں کے ذمہ وہ باتیں لگانا جو انھوں نے نہ کہی ہوں، خانصاحب کی ایک عادت تھی۔

آپ اس حکایت کو ذیل کے الفاظ میں پڑھ لیں۔ اس میں کہیں آپ کو یہ جملہ نہ ملے گا کہ اس چوتھے پلنگ پر میں تھا۔ چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو اس میں یہ جملہ کہیں نہ پا سکیں گے۔ حضرت احمد السلجماسی فرماتے ہیں:۔

"حسب معمول جب زیارت کے لئے حاضر ہوا تو مزاح کے طور پر فرمایا کہ کیا فرماتے ہیں علماء شریعت دو بیویوں کو ایک گھر میں جمع کرنے اور دونوں سے صحبت کرنے کے متعلق؟ میں سمجھ گیا کہ میرے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا عرض کیا کہ حضرت آپ کو کیسے خبر ہوئی فرمایا اور چوتھے پلنگ پر کون سویا تھا؟ میں نے کہا حضرت میں نے ہمبستری کی ہر ایک سے۔ اسوقت کی جبکہ دوسری سو رہی تھی۔ فرمایا نہ پہلی سوئی تھی نہ دوسری۔ علاوہ ازیں اگر سو بھی رہی ہوں تو ایسا مناسب نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ حضرت بیشک مفتی یہ قول یہی ہے اور میں اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔"

اس میں کہاں ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس چوتھے پلنگ پر میں تھا؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ‘ جھوٹ اور ظلم کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے ——— مولانا احمد رضا خاں نے یہ واقعہ غالباً اس لئے

تبریز اردو ترجمہ ابریز ص ۱۴۳۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

تحریر نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ قول مفتی بہ نہ تھا۔ وہ جائز سمجھتے تھے کہ اگر کوئی ذی روح سمجھ نہ رہا ہو کہ کیا ہو رہا ہے تو اس کے سامنے ہمبستری درست ہے۔ خانصاحب کے ہاں مفتی بہ یہی ہے۔

بریلوی عورتیں، پیروں کی باندیاں

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ ایک سید صاحب ایک مغالطے سے مولانا احمد رضا خان کے زنانخانے میں چلے گئے تھے۔ سید صاحب نے جب معذرت کی تو مولانا احمد رضا خان نے فرمایا کہ مریدوں کی سب عورتیں پیروں کی باندیاں ہیں:

> حضرت یہ سب آپ کی باندیاں (لونڈیاں) ہیں۔ آپ آقا (مالک) اور آقازادے ہیں۔ معذرت کی کیا حاجت ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں۔ حضرت اطمینان سے تشریف رکھیں۔ [۱]

مریدوں کی بیویاں شرعاً باندیاں نہیں ہوتیں۔ نہ ان سے باندی والے معاملات جائز ہیں۔ نہ ان کے پاس خلوت میں اپنی چارپائی پر سونا جائز ہو سکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان کا یہ فتویٰ بالکل غلط ہے۔ جو پیر مریدوں کی بیویوں کو اپنی باندیاں سمجھتے ہیں، ان کے پاس سوتے ہیں، وہ کبھی روحانی بزرگ نہیں ہو سکتے ——— بریلوی دوستو! کچھ تو سوچو، مولوی احمد رضا خان صاحب آپ کو کہاں لے جا رہے ہیں۔ قوم کی وہ بیٹیاں جنہیں ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے نے انہیں یکسر باندیاں بنا دیا اور انہیں بریلوی پیروں کے لیے حلال کر دیا۔ افسوس! صد افسوس!!

پیر کی بیعت کے لیے خاوند کی اجازت ضروری نہیں

شیخ اور مریدوں کی بیویوں میں روحانی رابطے کے لیے خاوند کی اجازت ضروری نہیں۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بغیر اجازت شوہر کے مرید ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر بغیر اجازت ہو گئی تو کیا حکم ہے؟

جواب: ہو سکتی ہے۔ [۱]

---

[۱] ماہنامہ المیزان احمد رضا نمبر ص ۳۷۰ [۱] احکام شریعت ۲ ص ۱۶۴

جب خاوند کی اجازت ضروری نہیں اور خاں صاحب نے پیروں کے پاس آنے جانے کے لیے کوئی پابندی ذکر نہیں فرمائی تو ظاہر ہے اس اجازت سے پھر وہی حال ہو جائے گا جس کی خبریں آئے دن ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب فلاں شہر یا گاؤں میں آئے ہوئے تھے۔ جاتی دفعہ وہ کئی لڑکیوں کو باندیاں بنا کر لے گئے کہ مرید کے گھر کی مستورات پیر صاحب کے لیے سب باندیوں کے حکم میں ہیں۔

پیروں کی مجالس سماع

پھر یہ حضرات جب مجلس سماع منعقد کرتے ہیں اور نوخاستہ نوجوان بھی ان مجالس میں شریک ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات پڑھتے ہیں تو ان حالات میں ان مرید باندیوں پر کیا گزرتی ہو گی جو مکانوں کی چھتوں سے درویشوں کو دیکھتی ہیں اور بعض درویش بھی ان کے دیکھنے کے تصور سے مزید محو مستی ہوتے ہیں۔

اکابر اولیاء ان باتوں سے ہمیشہ محترز رہے ہیں۔ قوالی کے سحر آفریں اثر سے لوگوں کو اپنی بزرگی کا یقین دلانا کوئی نیکی نہیں۔ یشیخ ابو احمد مظفر فرماتے ہیں۔ کامل درویش کے نزدیک سماع اور کوے کی آواز میں کوئی فرق نہیں رہتا ——— حضرت شیخ علی ہجویریؒ لکھتے ہیں :-

"میں عثمان جلابی بیٹا علی اس کو دوست رکھتا ہوں کہ مبتدی سماع میں نہ پڑیں اور طبیعت کو پریشان نہ کریں کیونکہ اس میں بڑے خطرے ہیں اور بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کے حال میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخاستہ ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں، جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے مجھ پر جو کچھ گزرا ہے۔ استغفار پڑھتا ہوں اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے نگاہ رکھے"[1]

یہ اہل حق کی دائے ہے اندازہ کیجئے بزرگوں کے نااہل جانشینوں اور جعلی پیروں نے اپنے گرد حفظ نفس کے کیا کیا جال بُن رکھے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے ملنگ مرید عورتوں کو باندیاں نہ سمجھتے ہوں گے

---

[1] کشف المحجوب ص — آب کوثر - شیخ محمد اکرام ص ۸۸-۸۹ کشف المحجوب اُردو ص ۴۰۴

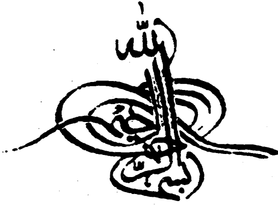
اہل السُنّۃ والجماعۃ پر تیشۂ تفریق

برطانوی دور کا ایک سانحہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی
ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

۵/۱

قافلے دیکھ اور ان کی برق رفتاری بھی دیکھ
ملت درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
ان کی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ



انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر پاک و ہند میں ایک تحریک اُٹھی، اس تحریک سے اسلام کے قلعہ میں ایسا شگاف پڑا کہ دیکھتے دیکھتے ہندوستان کے سوادِ اعظم اہلِ سُنت والجماعت[1] کے دو ٹکڑے ہوگئے، تکفیر کی ایسی آندھی چلی کہ راہ دیکھنا مشکل ہوگیا۔ اہلِ سنت کے دو طبقوں میں نہ صرف رسمی اختلافات اُٹھے، بلکہ

---

[1] تاریخ میں اہلِ سنت کا لفظ ان مسلمانوں کے لیے آتا ہے جو خلفائے راشدین کی خلافت کو برحق مانتے ہوں، شیعہ پہلے تین خلفاء کو نہیں مانتے اور خارجی حضرت علیؓ کو مسلمان نہیں سمجھتے حضرت علی نے افراط و تفریط دونوں کی مذمت کی اور فرمایا تم سوادِ اعظم کی پیروی کرو پس وہ تمام مسلمان جو خلفاءِ راشدین کو برحق اور ان کے عمل کو سنت مانتے ہیں، اہلِ سنت میں داخل ہیں۔ ۱۳۲۹ھ میں مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ بریلی کا پہلا جلسہ تھا اس میں قاضی خلیل الدین حافظ نے یہ اشعار پڑھے مولانا وہاں موجود تھے

ہیں ارکانِ اسلام اصحاب چاروں — کہ چاروں نے ترتیب سے کی خلافت

وہ صدیق و فاروق و عثمان و حیدر — جو پیرو ہو سب کا وہ ہے اہلِ سُنت

آئینہ پیغمبر ص ۱۸۹ مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۳۳۰

کفر و اسلام تک کے فاصلے قائم ہو گئے اور وہی کچھ ہوا جو برٹش انڈیا میں انگریز چاہتے تھے ؛ "پھوٹ ڈالو اور حکومت چلاؤ" اس سے کون واقف نہیں

تحریکِ تفریق کے بانی

اس تحریک کے بانی مولانا احمد رضا خاں (متوفی ۱۹۲۱ء) گزرے ہیں، آپ کی نصف صدی کی جدوجہد سے پاک و ہند کے اہل سنت مسلمان دو ٹکڑوں میں بٹ گئے اور ایسے بٹے کہ آئندہ کہیں وہ ایک ہوتے نظر نہیں آتے، ملت اسلامی برصغیر پاک و ہند میں اس تفریق کے زخموں سے چور ہے اور ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ بانیٔ تفریق سے کچھ تفصیلی تعارف کیا جائے۔ ساری دنیا آخر جاہلوں سے تو آباد نہیں جو فرقہ بندی کو ہی گوشۂ عافیت سمجھتے ہوں علم و فہم کا فیضان اب کچھ ایسے لوگوں کو بھی آگے لا رہا ہے جو تفرقے کے کانٹے چننا چاہتے ہیں اور تمنا رکھتے ہیں کہ مسلمان محاذ تکفیر سے پیچھے ہٹ کر پھر ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن و سنت کی روشنی میں پھر ایک ہو جائیں اور نیک ہو جائیں۔

تفریق اور اختلاف میں فرق

مسائل میں اختلاف ہو جانا کوئی نئی بات نہیں، دلیل کے عام یا خاص ہونے یا ناسخ و منسوخ کی بحث چلنے سے مسئلے میں اختلاف ہو ہی جاتا ہے ایسے اختلاف اُمت کے لیے رحمت اور شریعت کی وسعت کا پتہ دیتے ہیں فقہاء و محدثین ایسے مسائل پر ہمیشہ بحث کرتے آئے ہیں اور ہر ایک نے اپنے مسلک کے راجح ہونے پر خوب علمی تنقیحات کی ہیں لیکن اسلاف میں سے کسی نے ان اختلافات کو کبھی علیحدگی کا نشان نہیں بنایا، اختلاف میں نظر دلیل پر رہتی ہے لیکن تفریق میں نفرت اور علیحدگی پر۔ اختلاف میں مخاطب علماء ہوتے ہیں، بحثیں چلتی ہیں اور موارد و مصادر پر غور ہوتا ہے، تفریق میں مخاطب عوام ہوتے ہیں۔ نفرتیں بڑھتی ہیں اور الزام تراشی پر زور ہوتا ہے تفریق کے علمبردار جانب مخالف سے تصفیہ کے درپے نہیں ہوتے فاصلوں کی نوکیلی باڑ بنتے ہیں۔ عوام کو باہم ملنے سے روکتے اور نفرت دلاتے ہیں، یہی نفرت تفریق بنتی ہے اور اسی میں سے

شر و فساد کی خاک چھنتی ہے ۔ اختلاف میں کبھی مفاہمت کا مرحلہ بھی آجاتا ہے لیکن تفریق کی لکیر ہمیشہ اور طویل ہوتی چلی جاتی ہے ۔

مولانا احمد رضا خان کی پچاس سالہ خدمات

مولانا احمد رضا خاں کے معتقد سوانح نگار :

مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال اسی جدو جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے بریلوی اور دیوبندی [1]

مستقل مکتب فکر سے مراد ہمیشہ کی تفریق ہے ایسے دو مکتب فکر جو آئندہ کبھی ایک نہ ہو سکیں مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ جدو جہد پر یہ گھر کی شہادت ہے اس کارنامے پر ایک حلقے میں آپ مجدد سمجھے جاتے ہیں اس محاذ کی خاطر آپ نے ہر تحریک آزادی ہند کی مخالفت کی یا یوں کہئے کہ ہر تحریک آزادی میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے آپ نے یہ ایک نیا محاذ بنایا تحریک آزادی کا کوئی نعرہ نہ تھا جسے آپ نے ٹھنڈا نہ کیا ہو اور دینی اختلاف کی کوئی لہر نہ تھی جسے آپ نے اور اونچا نہ کیا ہو اختلاف تفریق میں بدلے اور آپ کی پچاس سالہ محنت سے اہل سنت مسلمانوں کے دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے ۔

تجدید کے جھنڈے تلے تفریق ہونے لگی فتوے کفر بیں علم و دانش کے چراغ بجھا دیئے گئے الزامات کے گرد فرقہ بندی کے قلعے قائم کئے گئے اور آپ کا دورہ تجدید اس عام دینی احساس اور غیرت ملی کو بھی لے کر رہا جو کسی درجے میں پہلے موجود تھی ،

مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں :

> موجودہ صدی سے قبل مسلمان ہر حیثیت سے اعلیٰ نظر آتے تھے ان میں دینداری بھی تھی غیرت اسلامی بھی ۔ دنیا میں ان کا وقار بھی تھا اعتبار بھی ۔ رعب وہیبت بھی ۔ قوت و شوکت بھی ۔ کفار ان کے خوف سے کانپتے تھے

---

[1] سوانح اعلیٰ حضرت صـ۸ مولانا قاری احمد پیلی بھیتی

یہ ہے اثر اس دورہ تجدید اور باہمی تفریق کا اللہ خیر حافظا وھوارحم الراحمین
مولانا بُرا نہ منائیں تو ہم عرض کریں گے۔ پچھلی صدی میں مسلمان ہزار کمزوریوں کے باوجود اس تھوک تکفیر سے نا آشنا تھے جس سے مولانا احمد رضا خاں نے انہیں آشنا کیا اس صدی میں مولانا کی پچاس سالہ جدوجہد مسلمانوں کی تعمیر کی بجائے تکفیر میں رہی نتیجہ سامنے ہے۔ دینداری۔ رعب و وقار اور غیرت و شوکت قوم کا سرمایہ حیات ہوتے ہیں، برطانوی استعمار نے مسلمانوں میں تقسیم در تقسیم کرائی اور دو مستقل مکتب فکر قائم کرائے تو یہ سب اوصاف جاتے رہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی پچاس سالہ محنت

مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ خدمات آپ نے دیکھیں لیکن یہ نہ سمجھیں کہ سب علماء اسی منزل کی طرف جا رہے تھے جو برٹش حکومت چاہتی تھی۔ برصغیر پاک و ہند میں ان علماء ربانی کی بھی کمی نہ تھی جو انگریزوں سے ترک موالات کر رہے تھے حضرت شیخ الہندؒ پورے عالم اسلام کو متحد کرنے کی محنت میں لگے تھے ترکوں سے ان کا رابطہ قائم ہو چکا تھا، یاغستان کے علاقوں میں آپ کے کارکن پھیلے ہوئے تھے آپ نے ۱۹۱۵ء میں مولانا عبیداللہ سندھی کو وہاں بھیجا کہ آپ ان کی دیرینہ محنت کو ترتیب دیں مولانا سندھی حضرت شیخ الہند کے اس انتخاب پر فخر محسوس کرتے تھے آپ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سالہ محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لیے تیار ہے اس کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہندؒ کی اشد ضرورت تھی اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہندؒ کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا[1]

حضرت شیخ الہندؒ کی پچاس سالہ محنتوں کا ثمرہ دنیا نے آنکھوں سے دیکھا آپ نے انگریزوں کے خلاف ایک عجیب روح پھونک رکھی تھی ان حالات سے ظاہر ہے کہ سب علماء ایک ہی ڈگر پر نہ چل رہے تھے۔ ایسے بھی تھے جن کے سینے میں قوم کے لیے ایک دردمند دل تھا وہ حالات پر پوری نظر رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ یورپی استعمار کی ظالمانہ یلغار میں مرد مومن کا فرض کیا ہے نصب العین کی تکمیل میں قید و بند کی صعوبتیں ان کے سامنے ہیچ تھیں شیخ الہند کے قلب مومن پر حق تجلی ریز تھا آپ ہمہ تن درس اسلام اور تعمیر ملت میں مصروف تھے مولانا احمد رضا خاں کی تحریک تکفیر سے تحریک آزادی ہند میں پیچ و خم تو بہت آئے لیکن اہل حق کے پائے استقلال میں لرزہ پیدا نہ ہو سکا۔

وہ عجب گھڑی تھی کہ جس گھڑی لیا درس مکتب عشق سے ۔۔ کہ کتاب عقل کی طاق پر جو دھری تھی سو وہ دھری رہی
چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا ۔۔ مگر اک شاخ نہال غم جسے دل کہیں وہ ہری رہی

تعمیرِ ملّت اور تفریقِ ملّت

بعض لوگ جلدی میں سب علماء کو تکفیر ملت کا ملزم گردانتے ہیں یہ صحیح نہیں تعمیر ملت اور تکفیر ملت دو علیحدہ علیحدہ محاذوں پر کام ہوا ہے تعمیر پر شیخ الہندؒ کے پچاس سال لگے تو تکفیری مہم پر مولانا احمد رضا خاں نے پچاس سال جدوجہد کی یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے دیوبندی اور بریلوی اور اب تک یہ مہم چلی آ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے دور میں علماء حق اور علماء سوء کی خبر پہلے سے دی تھی۔ ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء[1]

(ترجمہ) بیشک بدترین لوگ بُرے علماء ہونگے اور بے شک بہترین لوگ بھی علماء ہی ہونگے

حضرت علی مرتضیٰؓ سے بھی روایت ہے:

---

[1] رواہ الدارمی عن الاحوص بن حکیم عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم[2] مشکوٰۃ ص ۳۸

علماءهم شر من تحت اديم السماء من عندهم تخرج الفتنة وفيهم تعود[1]

(ترجمہ) ان کے علماء ان لوگوں میں سے جو آسمان کی چھت کے نیچے بدترین لوگ ہونگے انہی سے فتنے نکلیں گے اور انہی کی طرف لوٹیں گے۔

غم کے بادل اور گھناؤنے ہوجاتے ہیں جب یہ تیشۂ تکفیر سواد اعظم اہلسنت پر چلتا ہے مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ جدوجہد سے جس جماعت میں تفریق ہوئی وہ یہی سواد اعظم اہل سنت تھی، اسی جماعت کے دو ٹکڑے ہوتے جو اب تک حق کا نشان تھی۔

میں اگر سوختہ ساماں ہوں تو یہ روز سیاہ　　خود دکھایا ہے میرے گھر کے چراغاں نے مجھے

ملتان سے مخدوم صدرالدین شاہ گیلانی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر لفظ بشر کے اطلاق اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کے بارے میں گولڑہ کے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا مسلک دریافت کیا آپ نے اپنی رائے ظاہر فرما کر آخر میں لکھا:

میرے خیال میں فریقین از علماء کرام متنازعین اہل سنت والجماعت سے ہیں اور ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں[2]

بھیرہ ضلع سرگودھا کے سجادہ نشین جناب پیر کرم شاہ صاحب سے بھی دریافت کر لیجئے موصوف لکھتے ہیں:

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سبب المناک پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۸　[2] مہر منیر سوانح حضرت پیر مہر علی شاہ ص ۲۵۲

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت۔ قرآن کریم۔ قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے۔[1]

جناب مسعود احمد صاحب اپنے والد مفتی محمد مظہر اللہ صاحب دہلوی کے مسلک کے بارے میں لکھتے ہیں:

اہل سنت والجماعت میں مختلف جماعتیں موجود ہیں مگر حضرت نے خود کو کبھی کسی جماعت سے وابستہ نہیں فرمایا حضرت کا مسلک تائید حق تھا خواہ وہ کسی جماعت میں ہو یہی وہ معتدل رستہ تھا جس کی وجہ سے ہر مکتب فکر کے لوگ حضرت کی بے انتہا قدر و منزلت کرتے تھے۔[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانوی دورِ حکومت میں جس جماعت کے دو ٹکڑے ہوئے اور مستقل طور پر دو مکتب فکر قائم ہو گئے وہ یہی سواد اعظم تھا اسی پر برطانوی استعمار کا تیشہ تفریق چلا اور اسی تفریق کے باعث دنیا میں قادیانیت، بہائیت رفض اور انکار حدیث جیسی باطل تحریکوں کو سر اُٹھانے کا موقعہ ملا سواد اعظم پر تفریق کا تیشہ نہ چلتا تو ان میں سے کسی فتنہ میں جان نہ آتی۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے دو ٹکڑے کیسے ہوئے؟

مولانا احمد رضا خاں نے ان علماء اہل سنت کے خلاف کچھ الزامات تصنیف کئے جو تحریک آزادی ہند میں انگریزوں کے خلاف نبرد آزما تھے یہ اختلافات نہ تھے محض الزامات تھے۔ اختلافات میں سمجھنا سمجھانا ہو سکتا ہے مگر الزامات میں صرف علیحدگی مقصود ہوتی ہے مولانا احمد رضا خاں اختلافات کی راہ سے محاذ تکفیر پر نہ آسکتے تھے۔ اس منزل پر پہنچنے کے لیے آپ نے الزامات کی راہ اختیار کی عبارات کے جوڑ توڑ کی تاریک راہوں سے اپنا سفر شروع کیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتاب تحذیر الناس کے صہ۱۴ صہ۲۸ صہ۳ سے ٹکڑے لے

---

[1] ضیاء القرآن حصہ اول صہ۴ [2] مقدمہ فتاویٰ مظہری صہ

کر ایک مسلسل عبارت بناڈالی اس نئی عبارت کے بغیر کفر کا فتویٰ ملنا مشکل تھا پھر آپ نے تکفیر کی مہم سر کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کئے الزامات پر کتابیں لکھیں عبارات کی کھینچ تان میں نئے معنی پیدا کئے ان نئے معنی پر پھر حکم کفر حاصل کیا اور پھر ایسے واعظ تیار کئے جو اس تکفیری مہم کو شہر شہر اور قریہ قریہ لے جائیں۔

اسے اسلام کا اعجاز کہئے یا اہل حق کی الٰہی نصرت کہ یہ الزامات اب تک الزامات ہی رہے ان حضرات کی تمام تر محنت کے باوجود اب تک حقیقت نہ بن سکے کسی غیر جانب دار سطح پر انہیں حقیقت تسلیم نہ کیا جا سکا نہ اس بنا پر کسی عدالت میں کوئی نکاح فسخ ہوا، اور نہ ان وجوہ سے اب تک کوئی جنازہ رُکا رہا، تاہم یہ ضرور ہوا کہ مسجدوں میں جھگڑے اٹھنے لگے اور رسم و رواج مذہبی شکلیں اختیار کرنے لگے

الزامات اور اختلافات میں فرق

الزامات یہ ہیں کہ ایک فریق دوسرے فریق پر کوئی عقیدہ لازم کرے اور دوسرا اس کا اقرار نہ کرے کہ واقعی اس کا یہ عقیدہ ہے بلکہ انکار کرے اور جس بات سے اس نے الزام دیا تھا اس کے معنی کچھ اور بتلائے اور اگر وہ اقرار کر لے کہ واقعی اس کا یہ عقیدہ ہے تو پھر یہ اختلاف بن جاتا ہے محض الزام نہیں رہتا۔ مثلاً ہم قادیانیوں کو کہتے ہیں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہو وہ کہتے ہیں ہاں ہم مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پیدا ہو سکتا ہے اب ہم میں اور قادیانیوں میں حقیقی اختلاف قائم ہو گیا لیکن اگر ایک فرقہ دوسرے کو الزام دے کہ تم نبی کا درجہ بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہو اور دوسرا کہے ہرگز نہیں جو نبی کا درجہ بڑے بھائی کے برابر بتلائے وہ مسلمان نہیں ہم اسے دائرہ اسلام سے باہر سمجھتے ہیں نبی کا درجہ سب مخلوقات سے زیادہ ہے تو یہ اختلاف نہ ہو گا محض الزام ہو گا۔

مولانا احمد رضا خاں کے الزامات اختلافات نہ بن سکے جب آپ نے علماء دیو بند پر الزامات لگائے تو علماء دیوبند نے ان کا انکار کیا اور کہا کہ جو عقیدے تم ہمارے ذمے لگاتے ہو وہ ہمارے عقیدے نہیں ہیں اور اپنی عبارات کے مطالب کچھ اور بیان کئے سو یہ الزامات اختلاف نہ بن سکے۔ اور اب تک محض الزامات کے سہارے ہی اختلافات کی خلاف واقع رٹ لگائی جا رہی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں نے جب یہ الزامات تصنیف کئے تھے تو اس وقت یہ الزامات اور علماء دیوبند کی اصل عبارات صرف علماء مدارس کے سامنے ہی نہ تھیں ان لوگوں کے سامنے بھی تھیں جو اپنی جگہ مستقل دائرہ عمل رکھتے تھے اور ان کا دارالعلوم دیوبند یا مدرسہ بریلی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مسلمانوں کی دینی اور قومی خیر خواہی میں بھی وہ پیچھے نہ تھے کہ ان کی خاموشی کسی لاپروائی پر محمول کی جا سکے۔ مولانا احمد رضا خاں کے الزامات اور علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات سب اردو زبان میں تھیں اور یہ حضرات اردو جانتے تھے ان حضرات نے مولانا احمد رضا خاں کے الزامات کو کچھ اہمیت نہ دی اور سب مسلمانوں کو بلا تفریق مسلمان ہی سمجھتے رہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے اعتراضات پر غیر جانب دار طبقے کی نگاہ میں الزامات ہی رہے کبھی اختلافات نہ بن سکے۔ اور غیر جانب دار حضرات نے انہیں کوئی اہمیت نہ دی تھی

الزام سے کچھ نہیں ہوتا اختلاف سے راہیں دو ہو جاتی ہیں، بنیادی اختلافات ہوں تو راہیں بنیادی طور پر ایک دوسرے سے جدا ہوں گی جیسے سنی اور شیعہ اور فروعی اختلافات ہوں تو راہیں صرف فروعی طور پر مختلف ہوں گی جیسے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اصولی درجے میں سب ایک رہیں گے جہاں تک محض الزامات کا تعلق ہے اس سے کوئی حقیقت قائم نہیں ہوتی۔

مولانا محمد علی جوہر۔ مولانا میر حسن سیالکوٹی۔ مولانا غلام رسول عرف رسل بابا امرتسری۔ ڈاکٹر علامہ اقبال۔ حکیم اجمل خاں۔ مولانا شوکت علی۔ ڈاکٹر انصاری۔ خواجہ حسن نظامی۔ مولانا ظفر علی خاں۔ چودھری افضل حق۔ مولانا حسرت موہانی۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری۔ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی۔ حضرت خواجہ سراج الدین موسیٰ زئی شریف۔ حضرت پیر مانکی شریف۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی۔ حضرت عبد القادر قصوری۔ مولانا غلام محمد گھوٹوی۔ مولانا ظہور احمد بگوی جیسے کئی حضرات تھے جنہوں نے اس ماحول میں آنکھیں کھولیں جب مولانا احمد رضا خاں تکفیر کی مہم شروع کر چکے تھے مولانا احمد رضا کے الزامات اردو زبان میں ان کے سامنے بھی آئے مگر ان حضرات نے خاں صاحب کے ان الزامات کی کبھی تصدیق نہ کی چند تفرقہ باز لوگوں کے سوا کسی نے انہیں حقیقت نہ جانا الزامات، الزامات ہی رہے، اختلافات نہ بن سکے اور اب جب کہ اس مہم کو شروع ہوئے ستر سال سے زیادہ عرصہ ہونے کو ہے یہ الزامات ہنوز الزامات ہی ہیں واقعات نہیں، اور علماء حق صرف موردِ الزام ہے۔ ان کا کوئی قصور ثابت نہیں ہو سکا۔ تقریباً دس سال پہلے بہار کے صحافی ارشد القادری نے تحریری اقرار کیا تھا کہ یہ مہم نصف صدی سے الزام کے درجے میں ہی ہے، موصوف لکھتے ہیں:

علماء دیوبند ... نصف صدی سے سارے جہاں میں موردِ الزام ہیں[1]

الزام ثابت ہونے کے لیے آخر کوئی مدت ہوتی ہے جس میں وہ ثابت ہو جاتا ہے، یا داخل فائل ہو جاتا ہے۔ ثابت ہو جائے تو مرتکب ملزم نہیں رہتا مجرم قرار پاتا ہے۔ یہ کس قسم کے الزامات ہیں کہ ستر سال سے شائع ہو رہے ہیں بیان ہو رہے ہیں مگر اب تک تسلیم نہیں ہو سکے نہ اب تک ان کی وجہ سے کسی کورٹ میں کوئی نکاح فسخ ہوا نہ کوئی وراثت تقسیم ہونے سے رکی نہ ان کی بنا پر کسی کا داخلہ ارضِ حرم میں ممنوع ٹھہرا۔ اگر یہ واقعی کفر و اسلام کے فاصلے ہوتے تو اس طویل عرصے میں تاویل کے بادل ضرور چھٹ چکے

---

[1] جماعت اسلامی ص۱۱ ایڈیشن ثانی۔

ہوتے اور فیصلہ ضرور ہو جاتا علماء دیوبند اب تک صرف موردِ الزام نہ رہتے غیر جانبدار مراکز علمی، روحانی مراکز اور دیگر قومی زعماء کا ردِ عمل ملکی سطح پر مولانا احمد رضا خان کے الزامات کو رد کرچکا ہے اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔[1]

مکفر المسلمین کا خطاب

دنیا میں اس تکفیری مہم کا کیا اثر رہا، اور لوگوں میں احمد رضا خاں کے متعلق کیا عمومی اثرات قائم ہوئے اسے انہی کے ایک معتقد کی زبان سے سنئے :

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تری :

آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رُخ کرنے سے جھجکتا ہے عام طور پر امام احمد رضا خاں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین (مسلمانوں کو کافر گردانتے والے) تھے بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی۔ آج ایشیا میں جتنے بھی سائنسی ادارے ہیں وہاں امام احمد رضا پر کام تو در کنار نام بھی نہ ملے گا[2]

المیزان بمبئی کا یہ تبصرہ بالکل درست ہے سنجیدہ انسان واقعی بریلوی کہلانے میں عار محسوس کرتے ہیں مضمون نگار اس صورت حال پر بہت پریشان دکھائی دیتے ہیں مگر اس میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں جیسا مولانا احمد رضا کا کام تھا اس کے مطابق اُنکی شہرت ہوئی یہ نہ پہلے پردہ خفا میں تھی نہ اب ہے پہلے بھی یہی مشہور تھا کہ وہ مکفر المسلمین ہیں اور آج بھی دنیا انہیں اسی جہت سے یاد کرتی ہے علمی حلقوں میں نہ ان کا کوئی کام ہے نہ نام۔ دوسروں کو کافر قرار دینے کے لیے صفحوں کے صفحے لکھتے چلے جانا اور عبارتوں سے کھیل کر ان میں نئے معنی پیدا کرنا آپ کا مخصوص فن تحریر تھا۔

یہ ڈھکی چھپی بات نہیں مولانا احمد رضا خاں نے دوسروں پر جس قسم کے الزامات

---

[1] دیکھئے صـ سے صـ تک [2] ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر صـ ۲۹

لگائے اور ان کے لیے جو زبان استعمال کی جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس سے بہت متنفر ہے مولانا احمد رضا کی اس قسم کی تحریریں غیر سنجیدہ زبان اور دوسروں پر کفر کے فتوے ان کے لیے کوئی کشش پیدا نہ کر سکے یہ حقیقت گو تلخ ہے لیکن ہے حقیقت اور اسے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ان کے اسی معتقد سے سنئے :

یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجئے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو احمد رضا کو جانتا بھی نہیں[1]

تعلیم یافتہ طبقے میں شہرت اور قبولیت کے آخر کچھ اسباب ہوتے ہیں جہاں یہ سب اسباب منتفی ہوں وہاں نتیجہ یہی ہوگا جو مولانا احمد رضا کے بارے میں ہمارے سامنے ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ انہیں جانتا ہی نہیں۔

جاہلوں کے پیشوا کا خطاب

بریلوی طبقے کی علم و عرفان سے دوری اس درجے میں مسلم ہو رہی ہے کہ اُنکے اپنے حلقے اس پر چونک اُٹھے ہیں مولانا مظہر اللہ دہلوی کے صاحبزادے مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں :

علمی حلقوں میں اَب تک (مولانا احمد رضا خاں کا) صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو بڑی حد تک بالکل نابلد ہے چنانچہ ایک مجلس میں جہاں یہ راقم بھی موجود تھا ایک فاضل (پڑھے لکھے صاحب) نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیرو تو زیادہ تر جاہل ہیں۔ گویا آپ جاہلوں کے پیشوا تھے[2]

یہ جنوری ۱۹۷۱ء کی تحریر ہے ماہنامہ المیزان نے مارچ ۱۹۷۶ء میں پھر اسی افسوس کا اظہار کیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا اُب تک علمی حلقوں میں کوئی

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر صہ ۲۸ [2] فاضل بریلوی اور ترک موالات صہ ۵ شائع کردہ مرکزی مجلس رضا

تعارف نہیں ہوسکا۔ سالوں پر سال گزرتے چلے جارہے ہیں اور مولانا احمد رضا کے بارے میں یہی تصور قائم ہے کہ آپ جاہلوں کے پیشوا تھے بلکہ جوں جوں وقت گذرتا جارہا ہے اس یقین میں اور اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا کی علمی حلقوں سے بیدخلی

المیزان کی مذکورہ بالا تحریر جناب مسعود احمد صاحب سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے مگر اس میں اس پرگراں قدر اضافے بھی ہیں موصوف لکھتے ہیں:

ہم اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجک رہے ہیں کہ مدبرین و دانشوروں کی لائبریریوں سے لے کر طلباء و ریسرچ اسکالرس کی میزوں تک اگر نظر آئیں گی تو بیگانوں (دیوبندیوں) کی کتب ہی نظر آئیں گی۔ نصف صدی کے طویل عرصے میں امام احمد رضا کی یہی تصویر پیش کی جاتی رہی کہ تکفیر کی تلوار لے کر ہر کسی کو قابل گردن زدنی قرار دینے والے فرد کا نام ہے امام احمد رضا ۔ گویا امام احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو نام ہیں۔ حرکت و عمل کی اس توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے جو اب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا چاہتا ہے[1]

مولانا احمد رضا خاں کی کس مپرسی کا یہ نقشہ بریلویوں نے ۱۹۷۶ء میں پیش کیا ہے۔ اس وقت مولانا احمد رضا کے دور کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوچکا تھا مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور نے آستانہ بریلی کی یہی تصویر ۱۹۳۰ء میں کھینچی تھی۔ جب مولانا کے صاحبزادے حامد رضا خاں صاحب پنجاب آئے تھے تو روزنامہ زمیندار نے اپنے کالموں میں موصوف کا اسی صورت حال میں استقبال کیا تھا گویا نصف صدی سے پھر حالات جوں کے توں ہیں اور مولانا احمد رضا خاں

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ص ۲۴

کی اس کس مپرسی میں اور اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ اور انہیں علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ حسب تصریح المیزان احمد رضا نمبر اب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا چاہتا ہے۔

مولانا حامد رضا کا لاہور میں استقبال۔

مولانا حامد رضا بریلوی کے لاہور آنے پر روزنامہ زمیندار نے ان الفاظ میں آپ کا استقبال کیا تھا روزناموں میں ان باتوں کا اس طرح آنا پتہ دیتا ہے کہ اس وقت آستانہ بریلی کے بارے میں رائے عامہ کیا تھی اور پھر یہ کہ کسی دوسرے روزنامے نے اس وقت اس سے کوئی اختلاف نہ کیا آج بھی یہ نظم بہارستان کی بہار ہے۔

اوڑھ کر حامد رضا خاں آئے بدعت کا لحاف ذات اُنکی ہے مجدّد بات ان کی لاف کاف[1]
مانچسٹر کے کفن سازوں[2] سے لایا ہے اُدھار شرک اُنٹی[3] بریلی کا یہ بڈھا نُور باف
پیکرِ طاغوت ہے یا ہے رضائے مصطفےٰ باپ تھا اس لاش کا سر اور بیٹا اسکی ناف
مشغلہ ان کا ہے تکفیرِ مسلمانانِ ہند ہے وہ کافر جسکو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف
جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی دید کے قابل ہے انکا انعکاس و انعطاف
زندگی اس کی ہے ملت کے لیے پیغامِ موت کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف[4]

---

[1] لام کاف لَکَ کُفْرٌ (تیرے لیے کفر کا فتویٰ ہے) کا مخفف ہے لَکَ کُفر کے ابتدائی حروف لام کاف ہیں لاف وگزاف کو بھی ابتدائی حروف کے اعتبار سے لام گاف کہہ سکتے ہیں لاف گزاف فضول باتوں کو کہتے ہیں لام کاف بکنا کے معنی محاورہ میں گالی گلوچ کرنا بدزبانی کرنا اور فحش بکنا ہیں (علمی اُردو لغت ص ۱۲۸۱)

[2] مانچسٹر کے کفن سازوں سے مُراد انگریز ہیں۔ جو ہندوستان سے روئی لاکر مانچسٹر کے کارخانوں میں کپڑا تیار کرتے تھے اور یہی بدیشی کپڑا پھر ہندوستان جاکر بکتا تھا۔

[3] اَنٹی گرہ اور گانٹھ کو کہتے ہیں شرک کی اُنٹی سے مراد شرک کی تعلیمات ہیں۔ جو مولانا احمد رضا عیسائیوں سے لے کر مسلمانوں میں پھیلا رہے تھے۔

مولانا ظفر علی خاں اہل دل لوگوں میں سے تھے اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی سے عقیدت رکھتے تھے گولڑہ کے مولانا فیض احمد لکھتے ہیں :

مولانا ظفر علی خاں اہل دل ہونے کی کئی خصوصیات رکھتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم کی صحبت کا اثر لے کر جاتے تھے[1]

مولانا ظفر علی خاں کی صحبت کا اثر تھا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کو کبھی منہ نہ لگایا مولانا فیض احمد نے حضرت پیر صاحب کے معاصرین کی فہرست میں مولانا احمد رضا خاں کا نام تک نہیں لیا اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت پیر صاحب مولانا احمد رضا خاں کی تھوک تکفیر سے متفق نہ تھے۔

مولانا ظفر علی خاں نے آستانہ بریلی کی صحیح تصویر کھینچی ہے اور اب اسی کی نقاب کشائی اس سے تقریباً نصف صدی بعد ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر نے کی ہے۔

> آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رخ کرنے سے جھجکتا ہے عام طور پر امام احمد رضا خاں کے متعلق مشہور ہے کہ مکفر المسلمین تھے۔ بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی۔[2]

مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف

صورتحال کی تحقیق

ماہنامہ المیزان کا احمد رضا نمبر اور مولانا ظفر علی دونوں اس پر متفق ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں عام تاثر یہی ہے کہ آپ مکفر المسلمین تھے۔ دوسروں کو کافر بنانا ان کا خاص موضوع تھا فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ المیزان احمد رضا نمبر اسے رائے عامہ کے نام سے نقل کرتا ہے اور مولانا ظفر علی خود بھی اس رائے سے متفق ہیں اب اس سے چارہ نہیں کہ تحقیق حال کیلئے

---

[1] مہر منیر ص ۲۷۷ [2] المیزان احمد رضا نمبر ص ۲۹

آستانہ بریلی کی طرف رجوع کریں۔

آستانہ بریلی میں باریابی

تحقیق حال کے لیے مولانا احمد رضا خاں اور ان کے احباب اور متوسلین کی تحریروں کی تلاش ہوئی کیا واقعی احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک ہی عنصر کے دو نام ہیں ؟ اس سلسلے میں آستانہ بریلی اور ان کی تنظیمات ذیلی کی طرف رجوع کیا بات سچ نکلی مناسب سمجھا کہ ہمارے قارئین بھی ان تحریرات کے توسط سے آستانہ بریلی میں باریاب ہوں اور بقول ماہنامہ المیزان اگر واقعی یہ تاثر ہے کہ بریلی میں کفر سازی کی مشین نصب تھی تو دیکھا جائے کہ اس کے گولے کتنی دور تک برسے ہیں۔ جوں جوں اس لٹریچر کو دیکھتے گئے یہ حقیقت اور کھلتی گئی اور معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں اور سارے مسلمانوں کی تکفیر واقعی ایک ہی عنصر کے دو نام ہیں۔

زنگی چہرے کو بہت دھویا مگر سیاہی اترنے نہ پائی۔

مولانا احمد رضا خاں کا فیصلہ تفریق

مولانا احمد رضا خاں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں تفریق تکفیر سے زیادہ عزیز تھی۔ کفر کا تعلق بندے اور خدا کے مابین ہے لیکن تفریق کے فاصلے خود بندوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ انگریز حکومت مسلمانوں میں تفریق چاہتی تھی۔ کفر سے انہیں براہ راست تعلق نہ تھا۔ مولانا کو بھی تفریق تکفیر سے زیادہ عزیز تھی۔ بلکہ یوں کہئے کہ تکفیر کا کڑوا گھونٹ انہوں نے تفریق کی خاطر ہی پیا تھا۔

مشائخ حرم کعبہ زیادہ تر حضرت امام احمد بن حنبل کے مقلد اور شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (۱۲۰۶ھ) کے مشرب پر ہیں۔ سعودی عرب عالم اسلام کا دینی مرکز ہے ان وہابی اماموں کے پیچھے لاکھوں مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور انہیں مسلمان سمجھتے ہیں موسم حج میں کوئی بدنصیب ہوگا جو مسجد حرام میں اور مسجد نبوی میں باجماعت نمازوں سے محروم لوٹتا ہوگا۔ جو شخص ان تمام مشائخ حرم پر کفر کا فتویٰ دیتا ہو اور انہیں مسلمان سمجھنے والوں کو بھی کافر کہتا ہو اس کے بارے میں کیا یہ تاثر غلط ہوگا کہ " وہ ذات شریف اور تمام مسلمانوں کی تکفیر ایک

ہی عنصر کے دو نام ہیں" اسی طرح علماء دیوبند کو ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش کے تعلیم یافتہ حضرات سب مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہیں سعودی عرب مصر و شام اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسلام کے جلیل القدر اسکالر سمجھا جاتا ہے اب جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ جو شخص وہابیوں اور دیوبندیوں کو مسلمان سمجھے وہ بھی مسلمان نہیں تو کیا ایسا شخص واقعی مکفر المسلمین (سب مسلمانوں کو کافر کہنے والا) نہ ہوگا؟

ان تمام وہابی اور دیوبندی طبقوں کو بیک نوک زبان کافر قرار دینے سے کیا اس تاثر کی تائید نہ ہوگی کہ مولانا احمد رضا خاں مسلمانوں کی تکفیر میں واقعی بہت جری تھے وہابی اور دیوبندی تو ایک طرف رہے جو شخص ان میں سے نہ ہو لیکن انہیں کافر بھی نہ سمجھتا ہو مولانا احمد رضا خاں اسے بھی معاف نہیں کرتے جو شخص ان حضرات کے کفر میں شک بھی رکھتا ہو اس کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ درج ذیل ہے۔ اس فتوے میں بھی تکفیر کی بجائے تفریق کا پہلو زیادہ غالب نظر آرہا ہے۔ یہ انداز مولانا احمد رضا خاں کے مقصد درون خانہ کا پتہ دیتا ہے۔ ہندوستان میں انگریز حکومت یہی چاہتی تھی کہ مسلمان کہیں اکھٹے نہ بیٹھ سکیں۔ تکفیر اسی منزل تفریق کا ایک زینہ تھی۔

جو شخص وہابیوں اور دیوبندیوں کے کفر میں شک کرے اس کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں کا فیصلہ تفریق ملاحظہ کیجئے اور انگریزی سیاست کی داد دیجئے۔

بلاشبہ اس سے بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا۔ اس سے بغض اس کی اہانت اس کا رد فرض ہے اور توقیر حرام و ہدم اسلام۔ اسے سلام کرنا حرام۔ اس کے پاس بیٹھنا حرام اس کے ساتھ کھانا پینا حرام۔ اس کے ساتھ شادی بیاہ حرام اور قربت زنا خالص اور بیمار پڑ جائے تو اسے پوچھنے جانا حرام۔ مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام۔ اسے مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام ہے۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر ہے۔ اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا اور اس کے جنازے کی مشایعت حرام۔ اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام اسکی قبر پر کھڑا ہونا حرام۔ اس لیے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔[1]

---

[1] عرفان شریعت فتاویٰ مولانا احمد رضا خاں ص ۳۹

یہ فتوٰے اس شخص کے بارے میں ہے جو وہابیوں دیوبندیوں کے کفر میں شک کرے یا انہیں مسلمان سمجھے، آج کتنے مسلمان ہیں جو حرم کعبہ میں جاکر بلاکسی فرقہ وارانہ امتیاز کے وہاں کے وہابی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور انہیں مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہیں کافر نہیں کہتے مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوٰے کی رو سے وہ سب کے سب کافر ہو گئے اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے۔ اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ جو لاکھوں مسلمان طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر کے مکہ معظمہ حج کے لئے آتے ہیں اور بقول بریلوی حضرات کے امام حرم کے پیچھے نمازیں پڑھ کر اپنے نکاح تڑوا کر، کافر ہو کر واپس لوٹتے ہیں انہیں کیا ملا؟ اور پھر یہ بھی فیصلہ کریں کہ کیا مولانا احمد رضا خاں اس طرح پورے عالم اسلام کو کافر ٹھہرا کر واقعی مکفر المسلمین نہ تھے؟ المیزان احمد رضا نمبر کا یہ تاثر بالکل درست ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے، بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی۔

مولانا احمد رضا کا فتوٰے کفر

مسلمانوں میں آپس میں فروعی اختلاف کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ جنازہ وغیرہ کے موقع پر ایک دوسرے کے ساتھ ضرور شامل ہو جاتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے ذوق تفریق نے نماز جنازہ کو ہی موضوع بنایا۔ فرماتے ہیں:

وہابی۔ رافضی۔ قادیانی وغیرہم کفار مرتدین کے جنازہ کی نماز انہیں ایسا جانتے ہوئے پڑھنا کفر ہے [۱]

یہ نہ سمجھیں کہ مولانا احمد رضا یہاں دیوبندیوں کو چھوڑ گئے شاید طبیعت میں کوئی نرمی آگئی ہو نہیں دوسرے مقام پر یہ کسر بھی نکال دی ہے۔ نکاح شادی کے موقع پر بھی برادری والے مل بیٹھتے ہیں مولانا احمد رضا کو یہاں بھی جوش آگیا فرماتے ہیں۔

وہابی، قادیانی، دیوبندی، نیچری، چکڑالوی۔ جملہ مرتدین ہیں کہ ان کے مرد یا عورت کا تمام جہان میں جس سے نکاح ہوگا مسلم ہو یا کافر اصلی۔ یا مرتد۔ انسان ہو یا حیوان محض باطل اور زنا

---

[۱] ملفوظات مولانا احمد رضا حصہ اول ص۹۴

خابص ہوگا اور اولاد ولد الزنا۔ [۱]

اسلام میں حیوان سے نکاح ہونے کی کوئی صورت بھی ہوسکتی ہے؟ اگر نہیں تو مولانا نے یہاں حیوان کو کیوں محلِ نکاح فرمایا اور مخالفین کے لئے اسے باطل ٹھہرایا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اپنے لئے وہ اسے ضرور جائز سمجھتے ہوں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کا یہ خیال بالکل غلط ہے اسلام میں حیوان سے نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں، سیدنا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ وَجَدْتُمُوْهُ وَقَعَ عَلٰى بَهِيْمَةٍ فَاقْتُلُوْهُ [۲] تم جسے چوپائے سے نکاح کرتے پاؤ اُسے قتل کرو۔

مولانا احمد رضا کے پیرو تفریق بین المسلمین کی اس مہم میں اتنے دور جا نکلے ہیں کہ ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے اس حصہ میں جو سعودی حکومت نے بڑھایا ہے اپنی نماز بھی نہیں پڑھتے جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہابیوں کی بنوائی ہوئی مسجد۔ مسجد کے حکم میں نہیں وہ گھر کے حکم میں ہے۔

ہمیں اتنا تو معلوم تھا کہ یہ لوگ وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، مسجد حرام اور مسجد نبوی کی باجماعت نمازوں میں شریک نہیں ہوتے۔ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مکہ و مدینہ پر کفار کا قبضہ ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ اس حصۂ مسجد کو جو سعودی حکومت نے بڑھایا ہے۔ مکہ کے گھروں کے حکم میں سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد رضا کے اس فتویٰ سے یہ تعجب بھی زائل ہو جاتا ہے۔

عرض:۔ وہابیوں کی بنوائی ہوئی مسجد — مسجد ہے یا نہیں؟

ارشاد:۔ کفار کی مسجد مثل گھر کے ہے۔ [۳]

مکہ میں جمعہ و عیدین ترک کرنا فرض ہے

مولانا احمد رضا خاں کے معتقد مکہ و مدینہ میں جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے نمازیں اگر معاف نہیں سمجھتے تو اکیلے پڑھتے ہوں گے یا وہاں گھروں میں پڑھ لیتے ہوں گے

---

[۱] ملفوظات حصہ دوم ص۱ [۲] جامع ترمذی جلد ا ص۱۷۶ [۳] ملفوظات ص

لیکن جمعہ کی نماز تو اکیلے نہیں پڑھی جا سکتی اس کے لئے خطبہ ضروری ہے اس صورت حال میں کیا کیا جائے۔؟ مکفر المسلمین کا ایک اور فتویٰ ملاحظہ ہو۔

نہ ان کی (وہابیوں کی) نماز نماز ہے نہ ان کے پیچھے نماز نماز۔ بالفرض وہی جمعہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت کے لئے نہ مل سکے تو جمعہ و عیدین کا ترک فرض ہے [۱]

معلوم نہیں اس فتوے سے موسم حج میں کتنے لاکھوں مسلمانوں کی نمازِ جمعہ ضائع ہوتی ہوگی اور کتنے عمر بھر کے نمازی اس حج کی حاضری سے بے نماز ہو کر واپس لوٹتے ہیں بریلویوں کی حالتِ زار قابل رحم ہے۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملّاں کارِ طفلاں تمام خواہد شُد

افسوس کہ مسلمانوں کی نماز تو نماز نہیں اس صورت حال میں جمعہ و عیدین تک کا ترک فرض ہے لیکن ابلیس کی نماز نماز سمجھ رکھی ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو کہیں حرام نہیں بتلایا۔

شیطان بھی نماز پڑھتا ہے، مولانا احمد رضا خاں نقل کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا ہے میں نے اس کی یہ نئی بات دیکھ کر کہا کہ تیرا کام تو نماز سے غافل کر دینا ہے تو خود کیسے نماز پڑھتا ہے اس نے کہا شاید اللہ تعالیٰ میری نماز قبول فرمائے اور مجھے بخش دے [۲]

شیطان کو نمازی کیوں مانا جا رہا ہے؟ خان صاحب کی یہ تدبیر محض اس لئے تھی کہ ان کے پیرو لوگوں کو نمازیوں سے متنفر کرنے کے لئے اس اصول کو کہ شیطان بھی نماز پڑھتا ہے دلیل بنا سکیں اور کہہ سکیں کہ شیطان بھی نماز کسی دھوکے کیلئے نہیں بخشش کی امید پر پڑھتا ہے۔ شیطان کے اعمال میں نیکیوں کا وجود جمہور اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے اور لوگوں کے دلوں میں شیطان کی نفرت کم کرنے کی ایک غلط راہ ہے افسوس کہ شیطان کی نماز تو نماز مان لی لیکن

---

[۱] احکام شریعت حصہ اول ص ۱۲۹ [۲] ملفوظات حصہ اول ص ۵۱

مکہ و مدینہ کے اماموں کی نماز نماز نہیں نہ ان کے پیچھے نماز نماز ہے۔ خان صاحب کے یہ شیطانی عقیدے کی انتہا ہے۔

سب کے ذبیحے حرام ہونے کا فتویٰ

مولانا احمد رضا کے ذوق تفریق نے جنازہ وغیرہ کے موقع پر مختلف مسلک کے لوگوں کے مل بیٹھنے کے احتمالات بھی کمزور کر دیئے نکاح و شادی کی تقریبات پر ان کے ملنے کے مواقع بھی کمزور فرمائے اب کوشش فرمائی کہ عام سماجی زندگی میں وہ ایک دوسرے کے گھر کھانا بھی نہ کھا سکیں، اعلان فرمایا کہ ان کے مخالف سب فرقوں کے ذبیحے ان کے پیروؤں کے لئے حرام ہیں گو لاکھ بار ذبح کرتے وقت نام الٰہی لیں۔ فرماتے ہیں۔

رافضی تبرائی وہابی دیوبندی وہابی غیر مقلد قادیانی چکڑالوی نیچری ان سب کے ذبیحے حرام محض نجس و مردار قطعی ہیں اگرچہ لاکھ بار نام الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی پرہیزگار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں [۱]

مولانا احمد رضا خاں نے ہندوستان کے مسلمانوں پر باہمی خوشی غمی شادی و ماتم اور سماجی میل جول کے دروازے جس تفریق سے بند کئے ہیں اور اس منزل تک پہنچنے کے لئے جو زینہ تکفیر استعمال کیا ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ آپ کے ان فتوؤں نے ہندوستان میں اٹھنے والی جملہ اصلاحی تحریکوں کو سطعون ٹھہرایا کیوں کہ عام ملکی اصلاحی تحریکیں، عام سماجی اتحاد کے بغیر پروان نہیں چڑھتیں۔ اسی طرح آپ کے ذوق تفریق نے آزادی وطن کے لئے مختلف حلقوں کے مسلمانوں کا باہمی مل بیٹھنا بھی حرام کر دیا اور یہی فضا اس وقت انگریزی حکومت ہندوستان میں دیکھنا چاہتی تھی۔

ہمہ گیر فتوائے کفر

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا دیدار علی الوری نے لاہور میں دار العلوم حزب الاحناف کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا اس کے ایک فاضل

---

[۱] احکام شریعت ص۱۲۲

مولانا ابوالطاہر محمد طیب داناپوری مولانا احمد رضا خاں کے نقیب اور ان کے ذوق تفریق کے جانشین و وارث تھے آپ نے اپنے سوا ہر طبقے کو کافر قرار دیا ہے اور خاص طور پر ان لوگوں کو جو ہندوستان کی تعلیمی اصلاحی یا سیاسی تحریکوں میں پیش پیش تھے نام لے لے کر کافر ٹھہرایا ہے۔

آپ نے ایک رسالہ قہر القادر کے نام سے مولانا احمد رضا خاں کے آستانہ بیعت مارہرہ شریف سے شائع فرمایا، داناپوری صاحب کی دیکھئے۔ ایک ہی جگہ سب پر کفر کا گولہ پوری توانائی سے پھینکا ہے۔ زبان بھی ملاحظہ کیجئے اور فتوئے کفر کی وسعت کی داد بھی دیجئے۔

کچھ ایسے دنیا کے بندے۔ پیٹ کے کتے۔ مولوی نما لیڈر تلاش کئے جو اپنے پیٹ اور لعنت کی روٹی کی خاطر اسلام اور مسلمانوں کو الٹی چھری سے ذبح کرنے لگے۔ دین فروش و دنیا خر مولوی نما لیڈروں میں۔

۱۔ اسمعیل دہلوی ۲۔ نذیر حسین دہلوی۔ ۳۔ سرسید احمد خاں ۴۔ قاسم نانوتوی ۵ رشید احمد گنگوہی آنجہانیاں اور ایں جہانیاں میں ۶۔ اشرف علی تھانوی ۷ حسین احمد اجودھیا باشی ۸۔ عطاء اللہ بخاری ۹۔ ابوالکلام آزاد ۱۰۔ محمد علی جناح ۱۱۔ عنایت اللہ مشرقی ۱۲۔ عبدالشکور کاکوروی وغیرہم مشہور و معروف ہیں نیز ۱۳۔ حسن نظامی ۱۴ شبیر احمد دیوبندی ۱۵ کفایت اللہ شاہجہانپوری ۱۶۔ احمد سعید دہلوی ۱۷ ڈاکٹر اقبال ۱۸ عبدالماجد دریابادی ۱۹ محمد علی جوہر ۲۰۔ عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی۔

(پھر لکھا ہے)

پیر نیچر سرسید نے اپنے نورتن بنا رکھے تھے جو پیر نیچر کے وزیران نیچریت اور مشیران دہریت اور مبلغین زندیقیت تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۲۱۔ نواب محسن الملک مہدی علی خاں ۲۲ نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی خاں، ۲۳۔ نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین ۲۴ مولوی الطاف حسین حالی۔ ۲۵۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ ۲۶ مولوی مہدی حسن ۲۷ سید محمود خاں ۲۸ شبلی نعمانی

اعظم گڑھی ۲۹۔ ڈپٹی نذیر احمد[۱]

بریلوی علما ہر روز صرف ایک شخص کو بھی بُرا بھلا کہیں تو ان کیلئے پورے مہینے کا نصاب تیار ہو گیا۔

مولانا ابوالطاہر داناپوری کے اس تھوک فتویٰ تکفیر سے نہ مولانا محمد علی جوہر بچے نہ مولانا حالی۔ نہ ڈاکٹر اقبال نہ قائد اعظم محمد علی جناح نہ احرار نہ خاکسار نہ کانگریسی نہ مسلم لیگی۔ نہ آنجہانیاں نہ ایں جہانیاں۔ یہ نظر عتاب صرف علمائے دیوبند پر ہی تو نہ تھی۔

گھائل تری نظر کا بنوعِ دگر ہر ایک　　　زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

آزادیٔ ہند سے کچھ سال پہلے مسلمان زیادہ تر مسلم لیگ کے گرد جمع تھے یہ قومی اتحاد بلا لحاظِ مسلک مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر رہا تھا یہ جمع بندی مولانا احمد رضا خاں کے ذوقِ تفریق کے خلاف تھی ۔خاں صاحب ان دنوں آنجہانی ہو چکے تھے تاہم ان کے ایں جہانی حضرات جن میں مولانا احمد رضا کے آستانہ بیعت مارہرہ کے گدی نشین مولانا احمد رضا کے صاحبزادے مولانا حامد رضا خاں، مظہر اعلیحضرت مولانا حشمت علی۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد ناظم اعلیٰ حزب الاحناف ہند لاہور پیش پیش تھے۔ مسلم لیگ کے خلاف پوری قوت سے بنرد آزما تھے، مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب نے ڈاکٹر اقبال پر کفر کا فتویٰ لگایا تو ان کے ابوالطاہر داناپوری صاحب نے قائد اعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھا۔

بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ، قطعیہ، یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔[۲]

قائد اعظم کے خلاف یہ زور آزمائی محض اس لئے تھی کہ مرحوم مسلمانانِ ہند کی دینی راہنمائی کے لئے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، قائد اعظم کی تمنا تھی کہ پاکستان کا پرچم پہلی بار حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے دست مبارک سے لہرائیں۔ چنانچہ ایسا ہی عمل میں آیا۔

---

[۱] قہر القادر علی الکفار اللبادر ص۲ مطبع سلیمانی وزیر بلڈنگ بمبئی ایڈیشن ثانی [۲] تجانب اہل السنۃ ص۱۲۲

ان حالات میں بریلویوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ دیگر جماعتوں کی طرح مسلم لیگ پر بھی ہنر آزمائی کریں۔

مسلم لیگ کے خلاف فتوے

داناپوری فاضل حزب الاحناف لاہور لکھتے ہیں:۔ انہی دین فروشوں میں سے چند دنیا پرستوں نے ایک جماعت بنائی جس کا نام مُظلم لیگ بغلط مسمی بہ مسلم لیگ ہے۔ اس کا قائد و لیڈر محمد علی جینا ہے۔ جس کا قائد اعظم درحقیقت ایک بندہ زر لیڈر اپنی شکم پُری اور تن لباسی کے لئے نیچریت و لامذہبیت کا دام تزویر بچھائے ہوئے تھا اس کا نام سر سید احمد خاں علی گڑھی تھا جینا اس وقت اُسی کا قائم مُقام ہے۔ [1]

مسٹر محمد علی جناح کے نام کے ساتھ قائدِ اعظم نہ لکھنے کی وجہ مولانا احمد رضا خاں کے آستانہ بیعت (پیر خانہ) مارہرہ شریف سے پوچھی گئی، آپ نے ہدایت فرمائی:۔ "کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائد اعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔؟" [2]

ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی سنجیدہ انسان بریلویوں کی اس زبان کی تائید کر سکے گا یہ لوگ اگر نظریہ پاکستان کے خلاف تھے تو اس اختلاف کو اچھے الفاظ میں بھی بیان کیا جاسکتا تھا گالیوں پر اُتر آنا کسی اچھے آدمی کا کام نہیں۔ نام بگاڑنا کبھی نیک لوگوں کی عادت نہیں رہی۔ مسلم لیگ کو مظلم لیگ کہنا مولانا احمد رضا خاں کی علمی تربیت کا اثر ہے۔

مولانا احمد رضا خاں مولانا خرم علی بلہوری کی کتاب نصیحۃ المسلمین اور مولانا اسمٰعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان کے سخت خلاف تھے، مسائل میں اختلاف ہوتا ہی آیا ہے لیکن آپ اپنے ذوق خاص کی تسکین کے لئے ناموں کو خوب بگاڑتے تھے۔ نصیحۃ المسلمین کو فضیحۃ المسلمین، تقویۃ الایمان کو

---

[1] قہر القادر صلا مطبع سُلطانی وزیر بلڈنگ بمبئی ایڈیشن ثانی۔

[2] مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری صلا شائع کردہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف۔

تفویتہ الایمان لکھتے تھے، مولانا خرم علی کا نام بگاڑ کر اسے خرِ معلی کر دیا (یعنی وہ گدھا جس پر سواری کی جائے) آپ کے معتقد سوانح نگار لکھتے ہیں۔

(آپ نے) مصنف کا نام اس طرح بنا دیا کہ پڑھنے والے ہنسی سے لوٹ گئے مولوی خرمعلیٰ بلہوڑی (ا؎)

خیر یہ تو مولانا احمد رضا خاں کی دل لگی تھی لیکن مسلم لیگ کو مظلم لیگ قرار دینے میں ان حضرات کے ذوق تفریق کا بھی بہت دخل تھا، مظہر اعلیحضرت مولانا حشمت علی کی نوک زبان دیکھئے۔ حامیان کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان مسلمان کہلانے والے ممبران اور حامیانِ کانگریس میں حسین احمد اجودھیا باشی و شبیر احمد دیوبندی اور نائی عن الاسلام کفایت اللہ شاہجہانپوری کے متبعین وہابیہ دیوبندیہ مرتدین، کی اور مسٹر ابو الکلام آزاد و عبد الغفار خاں سرحدی گاندھی کے مقلدین نیاچرہ ملحدین کی اکثریت ہے ؎۲

مسلم لیگ ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم کر لینے کے بعد ان تمام کفار و مشرکین کے ان کفریاتِ ملعونہ کی تبلیغ و اشاعت کی حمایت و حفاظت کرنا اپنا فرض اولین بتا رہی ہے ؎۳

پھر اس جماعت کے پنجاب کے مفتی اعظم مولانا ابو البرکات سید احمد ناظم دار العلوم حزب الاحناف لاہور کا مسلم لیگ کے بارے میں فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔ اس پر ابو الطاہر محمد طیب داناپوری کی بھی تصدیق درج ہے۔ جنہوں نے مولانا الطاف حسین، ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح کو ان انتیس میں شمار کیا ہے جن پر ان لوگوں نے کفر کا گولہ نہایت بے دردی سے پھینکا ہے۔ مولانا ابو البرکات لکھتے ہیں

۱۔ لیگ میں مرتدین، منکرین ضروریات دین شامل ہیں اس لئے اہل سنت و جماعت (بریلویوں) کا ان سے اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کریں (لیگ کے لیڈروں (قائد اعظم وغیرہ) کو رہنما سمجھنا یا ان پر اعتبار کرنا منافقین و مرتدین کو رہنما بنانا اور ان پر اعتبار کرنا

ا؎ سوانح اعلیٰ حضرت ص۸۶ مؤلفہ مانا میاں قادری پیلی بھیتی

۲؎ احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ مصنفہ مولانا حشمت علی ص۱۰ شائع کردہ مارہرہ شریف

۳؎ " " " " " " ص۱۳

ہے جو شرعاً ناجائز ہے کسی طرح بھی جائز نہیں [۱]

۲۔ لیگ کی حمایت کرنا اس میں چندہ دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا۔ منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے [۲]

۳۔ لیگی لیڈروں کے افعال و اقوال سے ان کی گمراہی مہر نیمروز سے زیادہ روشن ہے' مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ [۳]

قائد اعظم کو منافق اور مرتد قرار دے کر بھی جب تسلی نہ ہوئی تو پھر لکھتے ہیں۔

اگر رافضی کی تعریف حلالی اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہو گیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی مسلمانوں (بریلویوں) پر فرض ہے کہ اس کا کلی مقاطعہ کریں [۴]

اس تھوک درجے کی تکفیر کے اصول کلیہ مولانا احمد رضا خاں کی زبان سے سنیئے۔ ان کی جماعت کے جو لوگ ان کی وفات کے بعد ڈاکٹر اقبال' مسلم لیگ اور قائد اعظم پر برسے وہ اس کا ایصال ثواب مولانا احمد رضا خاں کی نذر کرتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں۔

"رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہیں خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں نہ شک کی مجال بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں شبہ نہیں"۔ [۵]

مسلم لیگ کے جلسوں میں مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگنے اور شیخ الاسلام کہنے سے یہ بات واضح تھی کہ قائد اعظم اور دوسرے مسلم لیگی زعماء اور دیگر ممبران مسلم لیگ علماء دیوبند کو اعلیٰ درجے کا مسلمان سمجھتے تھے۔ تحریک پاکستان میں بھی مسلم لیگ کے دینی راہنما شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبند کے مشہور محدث تھے قائد اعظم کی نماز جنازہ انہیں نے پڑھائی تھی

---

[۱] احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ ص۳۳ [۲] ص ۳۲ [۳] ص ۳۳ [۴] فتویٰ مبارکہ مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور ضمیمہ الجوابات السنیہ ص۳۲ [۵] مطبع سلطانی بمبئی۔ [۵] فتاویٰ افریقہ ص۱۱۹

اب جن لوگوں کے دماغ میں مولانا احمد رضا خاں کی یہ بات بسی تھی کہ جو مولانا اشرف علی کو کافر کہنے میں بھی توقف کرے وہ بھی کافر ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے نزدیک تمام مسلم لیگ اور اس کے تمام قائدین کافر اور مرتد ٹھہریں مولانا ابوالبرکات اور ابوالطاہر داناپوری نے جو تمام مسلمانوں کی تکفیر کر ڈالی وہ مولانا احمد رضا خاں کی پیروی ہی کا نتیجہ تھی۔

تھوک پیمانے پر تکفیر

یہ تھوک درجے کی تکفیر مولانا احمد رضا کے حلقوں میں اب بھی جاری و ساری ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ المیزان احمد رضا نمبر کا یہ عمومی تاثر ہرگز غلط نہیں ہے۔

آج کا سنجیدہ انسان اس طرف رُخ کرتے ہوئے جھجکتا ہے، عام طور پر احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے، بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی آج ایشیا میں جتنے بھی تحقیقاتی ادارے ہیں وہاں امام احمد رضا کا کام تو در کنار نام بھی نہ ملے گا۔[۱]

المیزان نے بجا لکھا ہے کہ یہ بات عام طور پر مشہور ہے جو بات یہ عام شہرت پالے وہ آوازہ خلق خدا سمجھی جاتی ہے مشہور مثل ہے "آوازہ خلق کو نقارہ خدا سمجھو" ہم نے دیکھا ہے کہ عامۃ الناس ہر جگہ اس شہرت سے اثر لیتے ہیں۔ "نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا"۔ وہ راز جن سے محفلیں گونجیں وہ عام شہرت پا لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی جو کتاب اٹھائیں تفریق و تکفیر کے کانٹے ہر جگہ بچھے نظر آئیں گے۔ خود تو دوسروں کو کافر کہتے ہی تھے اب ان پر بھی لازم کر دیا کہ وہ اپنے ایک ایک فرد کو بلکہ اپنے بچے بچے تک کو کافر مانیں، جس کا مطلب یہ ہوا اگر وہ اپنے آپ کو اور اپنے تمام افراد کو کافر نہ مانیں تو گناہگار ہوں گے ان پر اپنے آپ کو کافر ماننا فرض ہے۔

مولانا احمد رضا کے صاحبزادے لکھتے ہیں۔

وہابیہ پر قطعاً لازم ہے کہ اپنے ہر ہر فرد کو کافر مانیں اس کا خلاصہ یہ کہ شلاً دہلوی و گنگوہی و نانوتوی و تھانوی یقیناً کافر مرتد ہیں۔[۲]

---

[۱] المیزان احمد رضا نمبر [۲] الاستمداد علیٰ اجیال الارتداد ص۵۱

گویا جس طرح ان چاروں کا نام لیا اس طرح ایک ایک فرد کو اس کا نام لے لے کر ماننا فرض ہے فتوئے تکفیر کے زور کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے اب اگر آج کا سنجیدہ انسان اس رنجیدہ انسان کو نہ سنے تو ایڈیٹر المیزان کو اس سے شکوہ نہ ہونا چاہئے بلکہ سوچنا چاہئے کہ اس حالت زار میں وہ سنجیدہ انسان کے ساتھ ہے یا رنجیدہ انسان کے ساتھ ہے؟ ان حضرات کو فتوئے کفر میں اتنا انہماک تھا کہ آخری وقت میں بھی یہ کفر کے گولے ان کے منہ سے برستے تھے؛ مولانا احمد رضا خاں کے آستانہ بیعت مارہرہ شریف کے اسمٰعیل حسین صاحب کی آخری وصیت سنیئے اور ان کی کفر بازی کی مہم پر سر دُھنیئے۔ سنجیدہ انسان یہاں بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔

گمراہی والے بد مذہبوں اور بے دینوں کے رد کو اپنا مقصود نظر ٹھرائیں، خصوصاً وہابیہ دیوبندیہ اور نجدیہ کا رد۔ کہ یہ سب شریروں سے زائد گندے اور اسلام کو نقصان پہنچانے والے اور بڑ کھودنے میں بدترین کفار ہیں [1]

بریلوی زبان بھی ساتھ ساتھ ملاحظہ کیجئے۔ آپ اسی پر بس نہیں کرتے آگے چل کر لکھتے ہیں۔

مخالف مثلاً وہابی ندوی۔ نیچری وغیرہ میں ان سب کو اپنا دشمن مخالف جانیں ان کی بات نہ سنیں ان کے پاس نہ بیٹھیں ان کی کوئی تحریر نہ دیکھیں [2]

آخری بات ان کے حلقوں میں حکیمانہ تدبیر کہلاتی ہے۔ یہ نصیحت کہ دوسروں کی کوئی تحریر نہ دیکھیں اس لئے کی جاتی تھی کہ ان حضرات کی اصل تحریریں دیکھ کر کہیں ان لوگوں کی آنکھیں نہ کھل جائیں کہ جو عقائد و نظریات ان کے ذمہ لگائے جاتے تھے وہ تو ایسے عقیدے نہیں رکھتے اور جو الزامات ان لوگوں نے آج تک سن رکھے تھے یا دیکھے تھے وہ چند عبارات کے پیچ و تاب کے سوا کچھ درجہ نہیں رکھتے۔ کوئی ایسی محکم عبارات نہیں جنہیں کسی طبقے کے عقائد ٹھہرایا جا سکے اور محض ان پیچیدہ عبارات کے سہارے ان پر کفر کا ہلہ بول دیا جائے یہ آخری نصیحت اس صورتحال سے بچنے کی ایک تدبیر تھی۔

---

[1] بہترین کملار کی وصیتیں صفحہ ترتیب محمد میاں مارہروی [2] ایضاً صفحہ

مولانا احمد رضا خاں نے بھی اپنی وفات سے ۲ گھنٹے ۷ امنٹ پہلے یہ وصیت فرمائی جو ان کے وصایا شریف میں درج ہے۔

بھیڑیئے تمہارے چاروں طرف ہیں، چاہتے ہیں تمہیں بہکادیں، تمہیں فتنے میں ڈال دیں۔ تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں۔ ان سے بچو۔ دور دور بھاگو۔ دیوبندی ہوئے رافضی ہوئے۔ نیچری ہوئے۔ وہابی ہوئے۔ چکڑالوی ہوئے۔ غرض کتنے ہی فرقے ہوئے اور اب سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنہوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا یہ سب بھیڑیئے ہیں تمہارے ایمان کی تاک میں ہیں ان کے حملوں سے اپنا ایمان بچایئے[1]

اس وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں ان کے معتقد نہایت اقلیت میں تھے اور چاروں طرف دوسرے لوگ تھے اور انہی کا غلبہ تھا۔ مولانا کو اپنی بھیڑوں کو بھیڑیوں سے محفوظ رکھنے کی فکر تھی۔ اس وصیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنوں دیوبندی وہابی نہ تھے وہابی ان کے علاوہ کسی اور فرقے کا نام تھا مگر مولانا کی تکفیر کی تلوار سب پر برابر چلتی تھی۔

مولانا کی یہ تکفیری مہم انہی تک محدود رہتی تو اسے نظر انداز بھی کیا جا سکتا تھا لیکن افسوس کہ ان کا حلقۂ عقیدت اسی تفریق بین المسلمین کی محنت میں چُور اور اسی نشہ تکفیر میں برابر مخمور رہا۔ ان کے مولوی محبوب علی خاں لکھنوی کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔

مرتدین کے ساتھ میل جول۔ دوستی و اتحاد۔ بیاہ شادی کرنا۔ کھانا پینا۔ ان کے ساتھ نماز پڑھنا ان کے جنازے کی نماز پڑھنا حرام ہے۔ جو کوئی تم میں سے ان کافروں مرتدوں کے ساتھ دوستی و اتحاد رکھے گا وہ انہی میں شمار ہوگا

مولانا احمد رضا کا یہ تاریخی کردار ہے اور یہی اس کا باعث رہا کہ آپ اب تک علمی

---

[1] وصایا شریف صد

حلقوں سے بے دخل ہیں عام مسلمان اس باہمی تکفیر کو جو مولانا کی پچاس سالہ جدوجہد کا حاصل تھا پسند نہیں کرتے تھوک تکفیر کے داعی کسی پڑھے لکھے طبقے میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے، المیزان احمد رضا نمبر نے درست لکھا ہے کہ نصف صدی سے مولانا احمد رضا خاں کا تعارف یہی رہا ہے:-

"گویا امام احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو نام ہیں۔ حرکت و عمل کی اسی توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، جواب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا چاہتا ہے" لے

المیزان بہت پریشان ہے کہ اعلیحضرت کے بے دخل ہونے سے ان کا کیا بنے گا ان کے کارکن بھی تو آخر اسی نام سے سانس لے رہے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ یہ پریشانی اس مسئلے کا حل نہیں، اس کے لئے مولانا احمد رضا خاں کو تاریخ کے آئینے میں اتارنا ہوگا تاکہ صحیح صورتحال کا جائزہ لیا جاسکے،

تکفیر کی سیاہ رات اور آہِ مظلوم

مولانا احمد رضا کے حلقۂ اثر میں سب سے زیادہ ہدفِ طعن مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ہیں، ان کے زیادہ تر الزامات انہی کے گرد گھومتے ہیں، نماز میں حضورؐ کا خیال آنے سے نماز ٹوٹ جانے کی تہمت اور حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر سمجھنے کے الزامات انہی کے ذمہ لگائے جاتے ہیں، مولانا احمد رضا نے سب سے زیادہ مواخذے انہی پر کئے ہیں، سبحٰن السبوح ۱۳۰۹ھ میں شائع کی اس میں آپ نے پچھتر وجوہ سے مولانا شہید کی عبارات سے کفر لازم آنا تحریر کیا ہے، پھر الکوکبۃ الشہابیہ ۱۳۱۶ھ میں شائع کی اس میں بھی ستر وجوہ سے لزوم کفر تحریر کیا مگر مظلوم کی آہ کا اثر دیکھئے کہ ان تمام تاریک راہوں سے گزرنے کے بعد پٹڑی سے اتر گئے اور فرمایا کہ مولانا اسمٰعیل کو کافر نہیں

لے المیزان احمد رضا نمبر صہ

کہنا، لزوم اور التزام میں فرق ہے کسی عبارت سے کوئی بات لازم آئے یہ اور بات ہے اور یہ کہ لکھنے والے نے بھی وہی بات مراد رکھی تھی ؟ یہ امر دیگر ہے، جو بات لازم سمجھی گئی اس کا کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کا کافر ہونا اور بات ہے، اس توجیہہ سے کہ اس نے یہ کفر یہ معنیٰ مراد نہیں لئے اسے کافر نہ کہا جائے گا۔

حاصل یہ نکلا کہ نماز میں حضورؐ کا خیال آنے سے نماز ٹوٹ جانے کے الزام کی حقیقت کچھ اور ہو گی اور حضورؐ کا درجہ بڑے بھائی کے برابر قرار دینے کی بات بھی کچھ اور ہو گی، اس لئے علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، ہو سکتا ہے لکھنے والے کی مراد کچھ اور ہو، محض لزوم کی وجہ سے کسی پر حکم کفر نہیں دیا جا سکتا، لزوم اور التزام میں بڑا فرق ہے،

باقی سب پر کفر کی گولہ باری اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا استثناء، فتوے تکفیر کی زد میں ساری اُمت اور مولانا اسمٰعیل شہید کو کافر کہنے کی جرأت نہ کرنا حق کا اعجاز اور مظلوم کی آہ کا اثر ہے، اس عدم تکفیر اور استثناء نے سارے کفر پھر مولانا احمد رضا پر ہی لوٹا دیئے ہیں اور اب مولانا احمد رضا سے اس ملبے کے نیچے سے نکلنا بہت مشکل ہو گیا ہے،

الٹے بانس بریلی کو

اس صورت میں بریلی سے جو مہم چلی تھی، الٹی بریلی کو لوٹ آئی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اگر واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کی ہیں تو وہ کافر کیوں نہیں ؟ کیا حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنا کفر نہیں ؟ علماء دیوبند تو تسلیم نہیں کرتے کہ مولانا اسمٰعیلؒ نے حضورؐ کی کوئی گستاخی کی ہو، اس لئے وہ انہیں کافر نہ کہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے لیکن مولانا احمد رضا خاں تو برملا کہتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کی شان میں ستر سے زیادہ گستاخیاں کی ہیں، اب انہیں ان کا کافر نہ کہنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنے کو کفر نہیں سمجھتے، اسے جائز سمجھتے ہیں، اب ان کے وہ سارے کفر جو انہوں

نے مولانا اسمٰعیل شہید کے لئے دریافت فرمائے تھے کیا خود ان پر نہیں لوٹے ؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

مولانا احمد رضا کے اس فیصلے سے کہ "مولانا اسمٰعیل شہید پر حکم کفر نہیں، ممکن ہے اِن عبارات کی مراد اُن کے ہاں کچھ اور ہو، مولانا احمد رضا کے پورے حلقہ اعتقاد میں تہلکہ مچ جاتا ہے، اُن کے پاؤں تلے سے زمین نکل جاتی ہے اور ان کی پچاس سالہ عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے، علماء دیوبند کی تو صرف ایک ایک یا دو دو عبارتیں ہدف طعن تھیں لیکن مولانا اسمٰعیل شہید کے خلاف تو پچھتر سے زیادہ الزامات تھے اور انہیں ہی امام الطائفہ اور اس گروہ کا بڑا کہا جاتا تھا جب انہی کے بارے میں لزوم اور التزام کا فرق قائم ہو گیا کہ "ہو سکتا ہے ان کا مطلب مصنف کے نزدیک کچھ اور ہو، تو کیا یہ حق کا اعجاز نہیں کہ قدرت کے بے شریک ہاتھ احمد رضا خاں کے قلم سے ہی یہ فیصلہ لکھا گئے :

" امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اہل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے " ؎

پہلے جلا کے بعد میں میرا دل رکھ لیا کیا یوں بھی پھونکتا ہے کوئی اپنا گھر کہیں

پھر لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار رکا فر کہنے ; سے کف لسان (زبان روکنا) ماخوذ و مختار و مناسب ہے ؎

اور یہ بھی لکھتے ہیں،

لزوم اور التزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہے ہم احتیاط برتیں گے ؎

۱؎ سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح صفحہ ۸۰ مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۲؎ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ صفحہ ۶۲ مطبوعہ عظیم آباد ۳؎ سل السیوف الہندیہ صفحہ ۲۲ مطبوعہ عظیم آباد

اور پھر فتوے کے الفاظ میں لکھتے ہیں،

علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، یہی صواب ہے، وھو الجواب و بہ یفتی وعلیہ الفتویٰ وھو المذھب وعلیہ الاعتماد [۱]

مولانا احمد رضا کا یہ فتوے ان کے تکفیرِ امت کے گھناؤنے کردار میں حق کا اعجاز ہے، جو زبانیں ہر وقت اور ہر وعظ و بیان میں علماء حق کے خلاف کفریہ عقائد کے الزامات سے تر رہتی ہیں، ان کے لئے ایک لگام ہے اور خود مولانا احمد رضا کے عقاید کے خلاف تیغ بے نیام ہے جس کی ایک انّی سے یہ سارے الزامات خود ان پر لوٹ آتے ہیں —— شہید مظلوم کی آہ دنیا میں بھی یہ اثر چھوڑ گئی، معلوم نہیں آخرت میں اس کی زد میں کتنے لوگ ہوں گے جن کی زبانیں اب بھی شہید مظلوم پر غلط الزامات سے آلودہ ہیں ؎

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائیگا رنگ

یہ نہ کہئے سرخی خونِ شہیداں کچھ نہیں

کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ مولانا احمد رضا خاں کا یہ فتوے پہلے دور کا ہوگا، ممکن ہے بعد میں انہوں نے اس سے توبہ کر لی ہو۔ یہ صحیح نہیں، مولانا احمد رضا کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں نے ان کے ملفوظات جمع کئے اور انہیں شائع کیا ان میں بھی یہی عدم تکفیر مختار [۲] ہے کہ انہیں کافر نہیں کہا گیا بلکہ ملفوظات کے بدایوں کے ایڈیشن میں مولوی مصطفےٰ رضا خاں کا یہ حاشیہ بھی ہے:۔

اسمٰعیل اور وہابیہ کے اقوال میں فرق ہے، ہم متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی قول میں تاویل کی گنجائش ہوگی تکفیر سے زبان روکی جائے گی کہ ممکن ہے کہ اس نے اس قول سے یہی معنی رجو اسلامی ہوں) مراد لئے ہوں [۳]

---

[۱] سبحٰن السبوح صفحہ ۹۰ تمہید ایمان صفحہ ۴۲ [۲] ملفوظات حصہ اول صفحہ ۵۳ ، ۱۲۴ [۳] ملخص از حاشیۃ الملفوظ،

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا استثناء شاہ اسمٰعیل شہید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے بھتیجے اور شاگرد تھے، ان کے شیخ طریقت اور قائد تحریک جہاد حضرت سید احمدؒ حضرت شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز تھے، اس علمی و روحانی وابستگی سے مولانا اسمعیل شہید کو کافر قرار دینا کوئی آسان بات نہ تھی، بعض علماء جو حضرت مولانا اسمٰعیل دہلویؒ سے بعض مسائل میں اختلاف بھی رکھتے تھے، وہ بھی مولانا اسمٰعیل کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتے تھے، اس صورت حال میں ان کی تکفیر ان سب علماء کی بھی مخالفت تھی جس کی مولانا احمد رضا خاں میں جرأت نہ تھی،

ہم اس وقت صرف چار حضرات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں،

۱۔ __حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی__، آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد تھے اور اپنے اُستاد بھائی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے بعض علمی مسائل میں اختلاف رکھتے تھے بایں ہمہ مولانا اسماعیل شہید کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتے تھے، جب آپ نے مولانا کے بالاکوٹ میں شہید ہونے کی خبر سنی تو سبق پڑھانا بند کر دیا، گھنٹوں بیٹھے روتے رہے اور فرمایا۔

اسمٰعیل کو ہم مولوی ہی نہ جانتے تھے وہ امتِ محمدیہ کا حکیم تھا کوئی شئی نہ تھی جس کی انیت اور لمیت اس کے ذہن میں نہ ہو[1]

۲۔ __پیر سید مہر علی شاہ صاحب کا لزوم والتزام میں فرق__

جن مسائل میں مولانا فضل حق خیرآبادی حضرت مولانا اسماعیل شہید سے اختلاف رکھتے تھے پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ان میں سے کئی مسئلوں میں خیرآبادی حضرات کے ساتھ تھے حضرت پیر صاحب مولانا احمد رضا خاں کے ہم عصر تھے، خاں صاحب سے سولہ سال بعد وفات پائی مگر آپ نے خاں صاحب بریلوی کو کبھی اپنے احباب میں شمار نہ کیا، نہ مولانا اسمٰعیل شہید کی تفسیق و تضلیل کی اور نہ ہی حسام الحرمین جیسی رسوائے زمانہ کتاب پر دستخط کئے

---

[1] ارواحِ ثلاثہ۔

آپ خیر آبادی اور اسمٰعیلی دونوں حلقوں کو مثاب (ثواب پانے والا) اور ماجور (اجر پانیوالا) سمجھتے تھے آپ ان اختلافات کو اجتہادی قرار دیتے اور فرماتے کہ کوئی فریق دوسرے فریق کی تکفیر و تفسیق نہ کرے،

آپ کا علمی مقام مولانا احمد رضا خاں سے کہیں بلند تھا، لزوم والتزام کا فرق جس کی وجہ سے مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی عدم تکفیر پر مجبور ہوئے دراصل حضرت پیر صاحب کا ہی پیش کردہ تھا، جس کے خلاف جانے کی مولانا احمد رضا میں ہمت نہ تھی حضرت پیر صاحب کے سوانح نگار مولانا فیض احمد حضرت پیر صاحبؒ کی ایک کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں ذبح فوق العقدہ اور لزوم اور التزام کفر کے درمیان فرق پر محققانہ تبصرہ ہے ۱؎

سجدہ تعظیمی کی ممانعت کی بحث میں لکھتے ہیں۔

حضرت (پیر مہر علی شاہ صاحب) کا سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ آپ نے اس بات پر زور دیا کہ کسی فریق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے دوسرے فریق کی تکفیر اور تفسیق کرے حضرت نے اس طرح علماء ظاہر اور باطن کے درمیان ایک ایسا اشتراک قائم فرمایا ہے جس کے بعد اس اختلاف کی نوعیت صرف فروعی اور اجتہادی رہ جاتی ہے جس کی بنا پر کسی فرقہ کو دوسرے کے خلاف کچھ کہنا شرعًا درست نہیں ۲؎

اس عبارت سے حضرت پیر صاحب کا مسلک واضح ہے مولانا احمد رضا خاں میں حضرت پیر صاحب کی کلی مخالفت کی ہمت نہ تھی، اس لئے انہیں لزوم والتزام کا فرق تسلیم کرنا پڑا۔

۴۔ مولانا عبد السمیع کا مسلک عدم تکفیر۔

۱؎ مہر منیر ص ۲۴۸ ۲؎ مہر منیر ص ۵۲۱۔

مولانا عبدالسمیع رام پوری مولانا احمد رضا خاں کے پیشرو تھے اور رسوم و بدعات میں ان کے ہم مسلک تھے مولانا احمد رضا خاں نے انہیں ایک جگہ اَخانا فی اللہ ذالفضلِ وَالجاہ (ہمارے بھائی اللہ کی راہ میں فضیلت اور مرتبے والے) لکھا ہے[۱]، آپ انوار ساطعہ کے مصنف ہیں، آپ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تسلیم کرتے تھے نہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تکفیر کرتے تھے۔ انوار ساطعہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک و ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعوے کرتے[۲]

اور ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مرید ہیں سید صاحب کے، وہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ مولانا شاہ ولی اللہؒ کے اور وہ شاہ عبدالرحیم کے اور سید عبداللہ کے اور وہ سید آدم بنوری کے اور وہ عارف ربانی مجدد الف ثانی کے رحمہم اللہ واللہ ان سب پر رحمت فرمائے[۳] اسلام میں یہ دعا صرف مسلمانوں کیلئے ہی ہوسکتی ہے۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو بھی مرحوم لکھتے تھے مرحوم مسلمان ہی ہوسکتا ہے کافر کو مرحوم نہیں کہہ سکتے

ان حالات میں مولانا احمد رضا خاں میں ہمت نہ تھی کہ تمام اہل حق علماء کو بیک نوک زبان کافر قرار دیں، مولانا اسمٰعیل شہید کی خاندانی وجاہت اور ان کے بارے میں وقت کے دوسرے اہل علم کی رائے انہیں مجبور کرتی تھی کہ لزوم والتزام کے فرق سے وہ ان کے بارے میں اپنے الزامات میں گنجائش پیدا کریں،

علماء دیوبند چونکہ ان سے متاخر تھے اور انہوں نے اکابر محدثین دہلی کو بھی نہ دیکھا تھا اور وہ مولانا احمد رضا خان کے ہم عصر بھی تھے اسی لئے آپ نے ان پر اپنے الزامات

---

[۱] انوار ساطعہ، ص ۵۔ [۲]،[۳] دافع الاوہام فی اثبات محفل خیر الانام ص ۲۴)

کے تیر پوری پختگی سے پیوست کئے، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو حملۂ تکفیر سے مستثنیٰ کرنے کی کچھ یہ وجوہ بھی تھیں۔

۴۔ قاضی فضل احمد مصنف انوار آفتاب صداقت

آپ رسوم و بدعات میں مولانا عبد السمیع اور مولانا احمد رضا خاں کے پورے موافق تھے لدھیانہ کے رہنے والے تھے اور گورنمنٹ پنشنر تھے، آپ بھی مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تکفیر نہ کرتے تھے، آپ کی شدید مخالفت کے باوجود آپ کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں[1] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ان کو مسلمان سمجھتے تھے اور ان کے لئے رحمت کی دعا کرتے تھے، پیر سید جماعت علی شاہ صاحب نے بھی انوار آفتاب صداقت پر اپنی تقریظ لکھی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بھی حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کو مرحوم سمجھتے تھے،

قاضی صاحب اقرار کرتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل کے بیان میں جادو کا سا اثر محسوس ہوتا تھا آپ کے حق میں یہ الٰہی نصرت تھی، قاضی صاحب لکھتے ہیں مولوی اسمٰعیل صاحب کی تازہ تحصیل اور طلاقت زبانی اور وعظ گوئی اور خوش بیانی میں واقعی ایک تسخیر کا عالم تھا[2]

پہلے دو بزرگ جلیل القدر عالم تھے، دوسرے دو بزرگ مولانا عبد السمیع اور قاضی فضل احمد مذکور گو عالم نہ تھے مگر مولانا احمد رضا خاں کے ان سے عقیدتمندانہ تعلقات تھے اور ان چاروں حضرات کا مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تکفیر نہ کرنا ایسی بات نہ تھی جسے مولانا احمد رضا خاں نظر انداز کر سکیں، پھر مولانا اسمٰعیل کی خاندانی وجاہت پورے ہندوستان میں مسلّم تھی،

مولانا فضل حق خیرآبادی سے جن مسائل میں اختلاف تھا ان میں حضرت شاہ محمد اسحٰق جانشین حضرت عبد العزیز محدث دہلویؒ حضرت مولانا اسمٰعیل کے ساتھ تھے ان حالات میں مولانا احمد رضا خاں کا آپ کی تکفیر کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

اس پس منظر سے پتہ چلتا ہے کہ خان صاحب کا حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تکفیر نہ کرنا

---

[1] دیکھئے انوار آفتاب صداقت ص۵، ۷۷، ۸۰، ۲۱۱، ۲۱۹، ۵۱۵، [2] ایضاً ص۵۱۸،

اس لئے نہ تھا کہ آپ مسئلہ تکفیر میں محتاط تھے جیسا کہ المیزان احمد رضا نمبر کے ایک مضمون نگار نے دعویٰ کیا ہے بلکہ اس لئے تھا کہ آپ میں مولانا فضل حق خیر آبادی اور پیر سید مہر علی شاہ صاحب کی پوری مخالفت کی ہمت نہ تھی، مولانا احمد رضا کا شیخ شہید کی تکفیر نہ کرنا، اگر واقعی بنابر احتیاط ہوتا تو ان کے حلقے کے لوگ ہر وقت حضرت شاہ اسماعیل اور حضرت سید احمد پر کفریہ الزامات لگانے میں مشغول نہ رہتے اور وہ تاویل جس کی بنا پر مولانا احمد رضا نے کہا تھا کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں، ان لوگوں کو بھی یاد ہوتی اور ان کی درسگاہوں میں اس کا سبق دیا جاتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بے لحاظ آنکھیں اور لمبی زبانیں جہاں علماء دیوبند پر بغض کا لاوا اگلتی ہیں، ان کی پہلی یورش مولانا اسمٰعیل شہید پر ہی ہوتی ہے، مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بجا کہا تھا،

سیدا حمدؒ پر ہے سب و شتم کی بارش کہیں ۔۔۔ اور کہیں علامہ شبلی کو گالی واشگاف
کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیر حجاز ۔۔۔ یہ گناہ وہ ہے کبھی جو ہو نہیں سکتا معاف

دہلی کی علمی سطوت دیوبند میں

علاوہ ازیں اس میں یہ وجہ بھی تھی کہ مولانا اسمٰعیل شہید اور شاہ محمد اسحاق پر دہلی کی علمی سلطنت تقریباً ختم ہو رہی تھی، انگریزوں کو دارالسلطنت دہلی کے خلاف اب زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہ تھی، محدثین دہلی کی علمی سطوت کے چراغ اب دیوبند میں روشن ہو رہے تھے برطانوی استعمار دہلی کی بجائے اب دیوبند کے خلاف صف بندی چاہتا تھا، یہ وجہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ پر ستر سے زیادہ مواخذے کرنے کے باوجود انہیں کافر نہیں کہتے بلکہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء محتاطین انہیں کافر نہ کہیں لیکن علماء دیوبند جو تعبیر میں مولانا شہید کی نسبت کہیں زیادہ نرم ہیں، ان کی صرف ایک ایک

عبارت کو بہانہ بنا کر ان علماء کو اس درجہ قطعی کافر کہا جاتا ہے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ٹھہرے۔

دہلی کی علمی سلطنت دیوبند منتقل ہوئی تو جس طرح دہلی کی مسند حدیث پر حضرت شاہ عبدالعزیز نے انگریزی قلمرو کے ہندوستان کو دارالحرب کہا تھا، اب دیوبند کی مسند حدیث پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ہندوستان کو دارالحرب کہہ رہے تھے، مولانا احمد رضا خاں کے ذمہ برطانوی ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کرنا تھا، آپ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" رکھا، ان حالات میں انگریزی سیاست حملے کا رُخ دہلی کی بجائے دیوبند کی طرف رکھنا چاہتی تھی

دیوبند برٹش انڈیا میں علم و فکر کی جو روح پھونک رہا تھا انگریز اس سے بہت خائف تھے، شیخ الہند تعلیم کے قدیم و جدید حلقوں کو بھی ایک دوسرے کے قریب کر رہے تھے، علی گڑھ بھی دیوبند کے قریب آ رہا تھا اور اس بات سے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن پر دیوبند کی چھاپ ہو، حکومت بہت پریشان تھی، یہ وہ وقت تھا جب انگریزوں نے محسوس کیا کہ دیوبند کے اعتماد کو سختی سے پامال کیا جائے اور علماء دیوبند کو خود مسلمانوں میں ہی متنازعہ فیہ کر دیا جائے۔

اوپر سے تار ہلا اور مولانا احمد رضا خاں ان حضرات کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کر کے حجاز پہنچ گئے، وہاں پہنچنے میں حکمت یہ تھی کہ علماء عرب اردو نہ جانتے تھے ان سے علماء دیوبند کی اردو عبارت پر اپنے بیان کردہ مطالب کے ساتھ فتوے لینا آسان ہوگا۔ اور پھر اسے "فتوے علماء حرمین" کے پُرشکوہ نام سے شائع کیا جا سکے گا، یہ حالات بتلاتے ہیں کہ انگریزوں کی مخالفت کا رخ اچانک دیوبند کی طرف کیسے منتقل ہوا، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو تو فتوے کفر سے مستثنٰی کر دیا گیا اور دیوبند پر پوری شدت سے یلغار کر دی گئی

ہندوستان کے قدیم عربی مدارس ان دنوں دیوبند اپنی علمی عظمت اور فکری بیداری

کے باعث عربی مدارس کا مرکز تھا، مدرسہ بریلی کا کہیں نام نہ تھا نہ بریلی کی دیوبند کے مقابلہ میں کوئی حیثیت تھی، اہل السنت والجماعت کی تراث علمی کے طلبگار انہی مدارس کی طرف رُخ کرتے تھے جن کی کوئی علمی ساکھ تھی، گولڑہ کے مولانا فیض احمد صاحب پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذکر میں لکھتے ہیں؛

حضرت قبلہ عالم جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے ان دنوں وہاں لکھنؤ، دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارنپور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے، لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں، دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا، اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی زیر سرپرستی یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرس اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف بھی مدرس رہ چکے تھے، مولوی مملوک علی موصوف مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی ذوالفقار علی صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی وغیرہ علماء دیوبند کے استاد تھے، رام پور میں مولانا فضل حق خیرآبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے [1]

معلوم رہے کہ ان دنوں مدرسہ بریلی کی علمی دنیا میں کوئی اہمیت نہ تھی، نہ اس مدرسے کا کہیں نام تھا، یہ علماء دیوبند کے خلاف ایک تکفیری کارنامہ تھا، جس نے بریلی کو دیوبند کے مقابل لا کھڑا کیا تھا۔

مدرسہ بریلی کی حیثیت مولانا احمد رضا خاں سے پہلے ان کے مسلک کا بریلی میں کوئی مدرسہ نہ تھا، مولانا احمد رضا خود کسی مشہور درس گاہ سے فارغ نہ تھے، آپ نے کل تعلیم مرزا غلام قادر اور اپنے والد علی نقی خاں سے حاصل کی، مولانا

---

[1] مہر منیر ص۳۰

احمد رضا خاں سے بہت پہلے بریلی میں علماء دیوبند اپنا مدرسہ قائم کر چکے تھے، بریلی کے ایک رئیس جعفر خاں نے اس کے لئے زمین وقف کی تھی اور حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صدر مدرس دیوبند نے ۱۲۸۹ھ میں بریلی آکر اس مدرسہ کا افتتاح کیا تھا، اس مدرسہ کا نام مصباح العلوم ہے اور خوب کام کر رہا ہے،

مولانا احمد رضا خاں نے اس کے بہت بعد بریلی میں اپنا مدرسہ بنایا جس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ھ میں ہوا، آپ اسے کوئی وسیع دار العلوم نہ بنا سکے، مولانا ظفر الدین اور لعل خاں اس مدرسے کا کل سرمایہ تھے، مولانا احمد رضا خاں ایک خط میں اپنی اس حالت زار کا ذکر کرتے ہیں:۔

افسوس کہ ادھر نہ مدرس ہے نہ واعظ ـــــ نہ ہمت والے مالدار ایک ظفر الدین کدھر جائیں اور ایک لعل خاں کیا کیا بنائیں، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل [1]

لعل خاں کون تھا اور اس کا کام کیا تھا۔ یہ بات مدتوں صیغہ راز میں رہی تاہم یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کوئی وسیع دار العلوم نہ بنا سکے، نہ آپ کا تعلیمی ذوق تھا نہ آپ نے اس کے لئے کوئی خاص محنت کی، ہاں جس نے بھی دین وملت کے لئے کوئی محنت کی آپ نے اس سے پنجہ آزمائی ضرور کی،

محسنین ملت بریلویت کی زد میں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی علمی درسگاہ دہلی کے محدثین عالمی شہرت رکھتے تھے، سلطنت ہندوستان، مصر وشام اور بلخ وبخارا تک پھیلی ہوئی تھی، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اسی درسگاہ کی تاریخی یادگار تھے، مولانا الطاف حسین حالی نے دہلی مرحوم کے روشن ستاروں کو خراج تحسین ادا کیا تو بریلویوں نے ان پر کفر کا گولہ پھینکا، مولانا ظفر علی مرحوم نے دیوبند کی خدمات کو سراہا تو ان لوگوں نے ان پر کفر کے گولے برسائے ڈاکٹر اقبالؒ نے

[1] الیزان احمد رضا نمبر صنہ ۵

ترکی خلافت کی حمایت اور شریف مکہ کی مخالفت کی توان لوگوں نے ان پر بھی کفر کا فتوےٰ لگایا، قائداعظم نے تحریک پاکستان کے لئے حضرت مولانا شبیر احمدؒ عثمانی کی علمی عبقریت اور شخصی عظمت پر دستک دی تو انہوں نے کفر کا دہانہ ادھر کھول دیا، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے امام پاکستان آئے تو انہوں نے انہیں کافر بتلایا اور شرمناک فتوے جاری کئے، صاحبزادہ ابن سعود ہندوستان گئے توان کا استقبال کرنے والوں کو بھی کافر ٹھہرایا گیا، امام حرم انگلستان آئے توان لوگوں نے یہاں بھی ان کیخلاف فتوے جاری کئے،

درسگاہِ دہلی پر مولانا حالی کے تاثرات مولانا حالی دہلی مرحوم کو یاد کرتے ہوئے محدثینِ دہلی کو خراجِ تحسین ادا کرتے ہیں :۔

اے جہاں آباد اے اسلام کے دارالعلوم — اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہنر ور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پر نجوم — تھا فسانہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دیں — جیسے اُمّی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں جو تھا محدث، تھا وہ تیرا خوشہ چیں — تھی محدث خیز اے پایۂ تخت تیری سرزمیں

تھا تفقہ بھی مسلم تیری خاکِ پاک کا!
بیہقیٔ وقت تھا اک فقیہہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر — آب و گل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوئے ہیں وہ مہرِ منیر — تھا کبھی انوار کے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

مولانا حالی پر فتوے کفر مولانا احمد رضا خاں کے حلقہ عقیدت نے مولانا حالی کو معاف

نہیں کیا، حزب الاحناف لاہور کے مولانا ابو الطاہر محمد طیب داناپوری نے جہاں ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظم کو کافر لکھا ہے وہاں سرسید احمد خاں کے نورتنوں میں مولانا حالی کو بھی نشانہ بنایا ہے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے:۔

اس بے دین قائل (حالی) کو مرتد ماننا پڑے گا۔[1]

مولانا ظفر علی کے تاثرات دیوبند کے بارے میں

مولانا ظفر علی خاں جو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے خاص ارادتمند تھے اور اہل دل بزرگوں میں سے تھے[2]، دیوبند کی اسلامی خدمات کو ان لفظوں میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

شاد باش و شاد زی اے سرزمین دیوبند	ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
ملت بیضا کی عزت کو لگائے چار چاند	حکمت بطحی کی قیمت کو کیا تو نے دوچند
ناز کر اپنے مقدر پر کہ تیری خاک کو	کر لیا ان عالمانِ دین قیم نے پسند
جان کردیں گے جو ناموسِ پیمبر پر فدا	حق کے رستے میں کٹا دیں گے جو اپنا بند بند
کفر ناچا جن کے آگے بارہا تگنی کا ناچ	جس طرح جلتے توے پر رقص کرتا ہے سپند
اس میں قاسمؒ ہوں کہ انورؒ شاہ کہ محمودؒ الحسنؒ	سب کے دل تھے ارجمند سب کی فطرت ارجمند

گرمئی ہنگامہ تیری ہے حسینؒ احمد سے آج
جس سے پرچم ہے روایاتِ سلف کا سربلند

مولانا ظفر علی خاں پر فتوے کفر

مولانا ابو الطاہر داناپوری نے کفریہ مقاصد کی اشاعت کرنے والی جماعتوں میں مولانا ظفر علی کی جماعت اتحاد ملت کو بھی نقیب کفر کے طور پر ذکر کیا ہے، تجانب میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] تجانب اہل السنہ صفحہ ۳۰۲ پھر یہ بھی لکھا ہے مسٹر حالی کے اس مسدس میں بیسیوں کفر کے انبار ہیں، تجانب صفحہ ۳۳۴

[2] مہر منیر صفحہ ۲۷۷

چند نام کے مولویوں کو اپنے کفری مقاصد کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنا آلۂ کار بنا لیتے ہیں، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، ندوۃ العلماء، خدام کعبہ، خلافت کمیٹی، جمعیت علماء ہند، خدام الحرمین، اتحاد ملت، مجلس احرار، مسلم لیگ، اتحاد کانفرنس، مسلم آزاد کانفرنس۔ نوجوان کانفرنس، نمازی فوج جمعیت تبلیغ الاسلام انبالہ سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور، امارت شرعیہ بہار شریف، آل پارٹیز کانفرنس وغیرہ[۱]

مولانا احمد رضا خاں کے فرزند مولانا مصطفٰے رضا خاں نے مولانا ظفر علی خاں پر کفر کا فتوے لگایا تو اس پر جملہ بریلوی زعماء نے دستخط کئے جن میں مولانا نعیم الدین مراد آبادی، مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت، مولانا مختار احمد میرٹھی کے نام سر فہرست ہیں، مولانا ابوالبرکات سید احمد ناظم اعلیٰ حزب الاحناف لاہور نے اس فتوے کفر کو القسورہ علیٰ ادوار الحمر الکفرہ کے نام سے بڑی آب و تاب سے شائع کیا، مولانا ابوالبرکات نے مولانا ظفر علی کے پیروؤں کا نام "فرقہ کمہاریہ زمینداریہ" رکھ کر اپنی علمی اور اخلاقی بزرگی خوب ظاہر فرمائی ہے۔ مصروف لکھتے ہیں:

ایک تازہ فتنہ اور نکلا جو اپنے پہلوں سے زیادہ صم بکم عمی ہے۔ یعنی فرقہ کمہاریہ زمینداریہ[۲]

مولانا ابوالبرکات کی چنگڑ محلہ کے کمہاروں سے ضد ہو گئی تھی، انہوں نے روزنامہ زمیندار کی طرف رجوع کیا تو مولانا نے ایک اور فرقے کا اضافہ فرما دیا یعنی فرقہ کمہاریہ زمینداریہ اس نام پر بہت سے کمہاروں نے غیرت کھائی اور مولانا کو ختم پر بلانا چھوڑ دیا۔

شریف مکہ کیخلاف ڈاکٹر اقبال کے تاثرات

شریف مکہ نے جنگ یورپ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور ان کے کہنے پر ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی، شریف نسباً ہاشمی تھا اور ترک نوجوان عجمی تھے، خدا کی شان دیکھئے عجمی مسلمان ترک نوجوان قربانی دیتے خاک و خون میں لوٹ رہے تھے اور ہاشمی نسبت

---

[۱] تجانب اہل السنہ صفحہ ۹۰ [۲] القسورہ صفحہ ۳

رکھنے والا شریف غیروں سے عزت اسلام کا سوداکر رہا تھا، بریلوی شریف مکہ کے حق میں دعاگو تھے اور نہ چاہتے تھے کہ انگریز ہندوستان سے نکل جائیں، ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ	خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے اپنے رسالہ الحجۃ الواہرہ کے ٹائیٹل کی پیشانی پر شریف کیلئے بورک فی شرفہٖ (اس کے شرف میں برکتیں ہوں) لکھ کر انگریزوں کا شرمناک ساتھ دیا، اب بریلوی شریف مکہ کے حق میں تھے اور ڈاکٹر اقبال اس کے خلاف ''انقلاب جحاز پر ڈاکٹر اقبال نے آل سعود کے حق میں بیان دیا تو بریلویوں کی نار انتقام اور بھی تیز ہو گئی،

ڈاکٹر اقبال پر فتوے کفر

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا دیدار علی شاہ خطیب مسجد وزیر خاں نے ڈاکٹر اقبال پر فتوے دیا :

جب تک ان کفریات سے قائل اشعارِ مذکورہ توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کر دیں ورنہ سخت گناہگار ہوں گے

ابو محمد دیدار علی الخطیب فی مسجد وزیر خاں [۱]

ابوالطاہر داناپوری فاضل حزب الاحناف لاہور لکھتے ہیں

ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے [۲]

ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی اور اردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپیگنڈا کیا ہے ۔[۳]

مولانا عبدالمجید سالک نے اس پر بجا لکھا تھا ۔

اگر ہمارے علمائے کے نزدیک اقبال جیسا مسلمان بھی کافر ہے تو پھر مسلمان کون ہے ؟[۴]

اس موضوع کی کچھ تفصیل آگے آئے گی [۵]

---

[۱] دیکھئے روزنامہ زمیندار ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء [۲] تجانب اہل السنہ ص ۳۲ [۳] ایضاً ص ۴۵ ، [۴] ذکر اقبال ص ۱۲۹ از عبدالمجید سالک ، [۵] دیکھئے کتاب ہذا ص ۱۶۸

علمائے دیوبند کے بارے میں قائد اعظم کے تاثرات

قائد اعظم کے تاثرات حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بارے میں بہت عمدہ تھے، حضرت مولانا تھانویؒ کے بارے میں قائد اعظم کہا کرتے تھے کہ ہندوستان کے سارے علماء کا علم ایک طرف رکھیں اور تنہا مولانا تھانویؒ کا علم دوسری طرف تو مولانا تھانویؒ کا پلڑا جھک جائیگا مسلم لیگ کے جلسوں میں اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگتے تھے اور تحریک پاکستان میں عظمت اسلام کا نشان مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو سمجھا جاتا تھا یہ صورت حال بریلویوں کے لئے ناقابل برداشت تھی،

مولانا احمد رضا خاں کے نقیب خصوصی ابوالطاہر دانا پوری مسلم لیگ کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں؛

"لیگی لیڈروں کے افعال واقوال سے ان کی گمراہی مہر نیمروز سے زیادہ روشن ہے مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے، اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں" [۱]

قائد اعظمؒ پر فتوے کفر

"بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے اور جو شخص اس کے ان کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اسے کافر نہ مانے یا اس کے مرتد ہونے میں شک کرے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر مرتد شر اللئام سب سے بڑا کمینہ ہے تو بہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام" [۲]

مولانا احمد رضا خاں کے آستانہ بیعت پیر خانہ مارہرہ شریف سے پوچھا گیا کہ مسٹر محمد علی جناح کو قائد اعظم کہنا کیسا ہے؟ وہاں سے یہ جواب صادر ہوا:

---

[۱] تجانب اہل السنہ ص ۹ [۲] ایضاً ص ۱۲۲

کیا کوئی سچا ایمان دار مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائد اعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا حاشا وکلا ہرگز نہیں ؎

قائد اعظم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا، پاکستان بنا تو آپ نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے گذارش کی کہ پاکستان کا پرچم پہلی بار اپنے دست مبارک سے لہرائیں چنانچہ کراچی میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کے پرچم لہرائے اور دستور پاکستان کی اسلامی دفعات کے لئے آپ نے حضرت علامہ سید سلیمان ندوی اور مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو منتخب فرمایا۔ رحمہم اللہ اجمعین ،

تھوک تکفیر کی انتہا

بریلوی تکفیر کی گولہ باری ہند و پاک تک محدود نہیں، پورا عالم اسلام اس کی لپیٹ میں ہے، اسلامی ممالک کے اونچے علمی حلقوں میں ابھی تک علماء دیوبند بڑی عزت سے دیکھے جاتے ہیں، سعودی عرب اور مصر و شام کی درسگاہوں میں برصغیر پاک و ہند کی علمی سطوت دیوبند سے متعارف ہوتی ہے، مولانا احمد رضا خاں ان علمی حلقوں میں بالکل بے دخل سمجھے جاتے ہیں، بریلویوں نے مولانا حالی، مولانا ظفر علی خاں، ڈاکٹر اقبال اور قائد اعظم کو کفر و الحاد سے بری طرح چھلنی کیا ہے اب مرکز اسلام پر ان کی ستم کشی دیکھئے؛

مکہ نجدی قبضے میں حج کسی مسلمان پر فرض نہیں

نصف صدی سے زیادہ عرصے سے مکہ مکرمہ نجدی قبضے میں ہے ایک فرض کی ادائیگی اتنے طویل عرصے تک ساقط رہے، یہ بات کسی طرح قابل فہم نہیں مکہ و مدینہ پھر کفر کے قبضے میں چلے جائیں، اس کی کسی مومن کے ایمان میں گنجائش نہیں، مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں کا یہ فتوے کہ جب تک وہاں سے نجدی

؎ مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص ۲

حکومت کا استیصال نہ ہو، حج کسی مسلمان پر فرض نہیں ہوتا، صحیح نہیں، تاہم ان کا یہ اعلان عام لوگوں کے لئے مژدہ جانفزا ہے جو باوجود صحت و ثروت حج نہیں کرتے ہیں اور اس کے اخراجات سے بچتے ہیں، بریلوی اگر وہاں چلے بھی جائیں تو مکہ و مدینہ کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے، عالم اسلام کی مرکزی مسجدوں کا جمعہ انہیں کبھی نصیب نہیں ہوا ان کا عقیدہ ہے کہ جب تک مکہ معظمہ میں سعودی حکومت قائم ہے کسی مسلمان پر حج فرض نہیں ہوتا، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی نے تنویر الحجہ کے نام سے اس پر ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس میں آپ لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں اور بعزم و یقین کہتے ہیں کہ

آج جب کہ حجاز مقدس میں ابن سعود منحوس و نامسعود مخذول و مطرود و مردود اور اس کے ہمراہیان نامحمود کا نحس ورود ہے اور حسب بیان سائل، فاضل و دیگر کثیر حجاج و افاضل امان مفقود ہے، فرضیت ساقط ہے یا ادا غیر لازم ہے [1]

پھر لکھتے ہیں۔

جب ظن غالب ہی سقوط فرضیت یا عدم لزوم ادا کے لئے کافی ہے کہ ظن غالب فقہیات میں ملحق بالیقین ہے تو یقین کامل تو اس سے بھی اعلیٰ ہے، اب فرضیت حج یا لزوم ادا کا حکم کیونکر ہو سکتا ہے [2]

پھر آپ نے اپنی جماعت کو عرصہ دراز کے لئے چھٹی یوں دے دی

جو اس مدت تک حج نہ کریں گے کہ بعونہ و کرمہ تعالیٰ فتنہ ملعونہ نجدیہ کا استیصال ہو اور استیصال فتنہ سے پہلے ان کا وقت آجائے وہ آثم نہیں مریں گے [3]

ان لوگوں کی زبانیں ہر جگہ تکفیر مسلمین کا لاوا اگلتی ہیں، مکہ و مدینہ کے موجودہ اماموں کو یہ برملا کافر کہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز ناجائز بتلاتے ہیں، پاک و ہند کے ہر قریہ و شہر میں ان

---

[1] تنویر الحجہ لمن یجوز التوار الحجہ صفحہ ۹ [2] ایضاً صفحہ ۱۰ [3] ایضاً صفحہ ۲۱

کی یہ مشق تکفیر جاری ہے اور جہاں بھی پاک و ہند کے لوگ آباد ہیں، جیسے انگلستان اور بعض ممالک افریقہ وغیرہ وہاں بھی مولانا احمد رضا خاں کے پیرو اس کفر کی گولہ باری کو اسلام کی بڑی خدمت سمجھتے ہیں، مولانا ظفر علی مرحوم نے بجا کہا تھا،

مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانانِ ہند　　　ہے وہ کافر جس کو ہو ان سے ذرا بھی اختلاف

امام حرم اور امام حرم نبوی کی پاکستان میں آمد

۱۹۷۶ء میں حکومت پاکستان نے آئمہ حرمین شریفین کو پاکستان آنے کی دعوت دی، لاکھوں فرزندانِ توحید نے پاکستان میں ان ائمہ حرمین زادھما اللہ تشریفاً وتکریماً کے پیچھے نمازیں پڑھیں لیکن اس موقع پر بھی بریلویوں نے مخالفت کی اور فتوے دیئے کہ ائمہ حرمین وہابی ہیں اور وہابیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں،

سید شجاعت علی قادری کراچی میں اور مولانا ابو الخلیل لائلپور میں بریلویوں کے مفتی تھے، ایک شخص غلام رسول نے ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۶ کو سید شجاعت علی صاحب سے دریافت کیا کہ مسجد نبوی کے امام عبد العزیز بن صالح اور حرم کعبہ کے امام عبد اللہ کی اقتدار میں نماز جائز ہے یا نہ؟ شجاعت علی صاحب نے فرمایا ہرگز نہیں بلکہ جو پڑھی گئی ہے ان کا اعادہ فروری ہے، ہم یہاں سوال وجواب دونوں ہدیہ قارئین کرتے ہیں؛

استفتار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد نبوی کے امام عبد العزیز بن صالح اور مسجد حرام کے امام عبد اللہ بن سبیل کی اقتدار میں اہل السنہ والجماعت کے عقائد رکھنے والوں کی نماز ہوتی ہے کہ نہیں اگر نہیں ہوتی تو اس کی کیا وجوہ ہیں. اگر ان کی اقتدا میں نماز نہیں ہوتی تو جن لوگوں نے ان کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی ہیں ان کو عادہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ نیز حج کے موقع پر ان کی اقتدار میں اگر نماز نہیں ہوتی تو کیا صورت اختیار کی جائے، بیّنوا توجروا　　　المستفتی غلام رسول ۵ اربیع الاول ۱۳۹۶ھ

الجواب وہوالموفق للصواب ۷۶/۱/۲۰

صورت مسئول عنہا میں معلوم ہوا کہ امام صاحبان مذکور وہابی عقائد رکھتے ہیں اور وہابی حضرات اہل سنت والجماعت کو مشرک قرار دیتے ہیں، ایسی صورت میں ان کی اقتداء میں اہلسنت والجماعت کس طرح نماز ادا کر سکتے ہیں، اگر تفصیل دیکھنا ہو تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، نیز اس کے بعد جو علماء اس کے مسلک کے متبع رہے ہیں ان کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے، اس صورت میں جو نمازیں پڑھی گیئں ظاہر ہے کہ ان کا اعادہ ضروری ہے، یہ میں نے اپنی معلومات کی بنا پر کہا ہے اور اگر یہ لوگ وہابی عقائد کے نہ ہوں شافعی یا حنبلی ہوں تو بھی ان کے پیچھے حنفی ائمہ کی موجودگی میں ان کی اقتداء افضل نہیں ـــــ فقط والسلام

مہر

العبد المجیب سید شجاعت علی قادری

اسی قسم کے سوالات ایک شخص عبدالرسول ہاشمی نے مکان نمبر ۲۶ بلاک اے وہاڑی بازار بورے والہ ضلع ملتان سے جامعہ رضویہ لائلپور بھیجے تھے، ان کا جواب بھی ہدیہ قارئین ہے

الجواب وھو الموفق للصواب

حرمین شریفین خلدھما اللہ تعالیٰ کے امام غیر مقلد نجدی ہیں، لہٰذا ان کے علاوہ سنی علماء جو دوسرے ملکوں سے حج کے لئے جاتے ہیں اکثر اپنی جماعت علیحدہ کراتے ہیں لہٰذا وہاں کوشش کرنا کہ اہل سنت کا کوئی گروہ مل جائے تو ان کے ساتھ جماعت سے پڑھتے رہیں اور اگر کوئی سنی امام نہ ملے تو پھر اکیلا فریضہ بغیر جماعت ادا کرتے رہنا۔

مہر

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم ؎ ابوالخلیل غفرلہ خادم الافتاء جامعہ رضویہ لائلپور ۷۵/۱۱/۲۵

ان شرمناک فتووں کے فوٹو رحمان میڈیکل ہال کچا کھوہ تحصیل خانیوال ضلع ملتان نے نشر عام کئے ہیں

؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اعلیٰ کو ایک سمجھنے کا عقیدہ اس لفظ مفرد میں مستور ہے،

بریلوی مفتیوں کی ہوسِ کافر گری

کا نیا شکار

اماماِن حرمین شریفین کے خلاف

شرمناک فتوے



یہ دعویٰ کہ سُنّی علماء اپنی جماعت علیحدہ کراتے ہیں، درست نہیں۔ وہاں عمداً علیحدہ جماعت کرانا جرم ہے پھر یہ دعویٰ صرف بریلوی علماء کی جماعت کا ہے انکے عوام اسمیں ان کے ساتھ نہیں ہیں۔

ابن سعود کے صاجزادے کی ہندوستان میں آمد

شاہ ابن سعود کے صاجزادے ۱۳۵۹ھ میں سیر و تفریح کے لئے ہندوستان گئے تھے، ان دنوں بمبئی زکریا مسجد میں مولانا احمد یوسف امام تھے، آپ نے موصوف کا استقبال کیا تو مولانا حشمت علی خاں نے ان کے خلاف "سل الصوارم الصمدیہ علیٰ شیاطین النجدیہ" لکھ ڈالی، نجدیوں کو شیطان قرار دیا اور دیوبندی امام پر خُدائی تلوار سونت لی، حشمت علی صاحب اس کتاب میں لکھتے ہیں،

احمد یُوسف مردود ابن سعود کے بیٹوں کا استقبال اور آداب بجالایا، حکومتِ نجدیہ و ابن سعود نجدی اور اس کے بیٹوں کی تعریف کی، نجدی مرتدوں کی مدح و ثنا میں قصیدے پڑھے گئے [۱]

امام حرم کعبہ کی انگلستان میں آمد

امام حرم کعبہ ۱۹۷۸ء میں انگلستان تشریف لائے تھے ۱۵ مارچ بدھ کی شام مغرب کی نماز آپ نے جامع مسجد مانچسٹر وکٹوریہ پارک میں پڑھی، آپ کے نماز پڑھانے پر بریلویوں نے ایک اشتہار نکالا جس کا فوٹو شائع ہو چکا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کسی طرح بھی اب مکہ و مدینہ پر اسلامی قبضہ تسلیم نہیں کرتے، یہ رضوی میراث ہے جو اس جماعت میں مسلسل چلی آتی ہے، خود وہاں جائیں تو یہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھینگے وہ یہاں آجائیں تو یہ لوگ ان کے خلاف فتویٰ جاری کریں گے۔

---

[۱] منقول از تجانب اہل السنہ صفحہ ۲۶۸، اس میں صفحہ ۲۵۲ پر والی حجاز کو ابن سعود خذلہ الملک المعبود کے الفاظ سے ذکر کیا ہے،

ایک صحابی رسولؐ پر فتوے کفر مولانا احمد رضا خاں مشق تکفیر میں اتنے جری تھے گویا یہ ان کی طبیعتِ ثانیہ ہوگئی تھی، ان کی اس عادت سے بعض جلیل القدر اسلاف بھی بری طرح گھائل ہوئے حضرت عبدالرحمٰن قاریؓ قبیلہ بنی قارہ میں سے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے[1] علامہ عجلی نے آپ کو ثقات تابعین میں شمار کیا ہے[2] آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بیت المال پر مامور رہے، حیرت کہ مولانا احمد رضا خاں نے انہیں بھی معاف نہیں کیا، موصوف لکھتے ہیں،

ایک بار عبدالرحمٰن قاری کہ کافر تھا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر آپڑا، چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ اسے قرأت سے قاری نہ سمجھ لیں بلکہ قبیلہ بنی قارہ سے ——— سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی پہاڑ پر جاکر آواز دی[3]

جب کسی کو بری عادت لگ جائے تو اپنے بھی اس سے محفوظ نہیں رہتے، مولانا احمد رضا کا یہی ذوق تکفیر تھا جس نے صحابی رسولؐ کو بھی معاف نہ کیا، پھر یہ مشق تکفیر ایسی چلی کہ آپ نے ایک چھوٹے سے مسئلے[4] میں اختلاف کے باعث علماء بدایوں کو بھی بری طرح گھائل کیا، مولانا عبدالماجد بدایونی تحریک خلافت کی حمایت کر بیٹھے تو آستانہ بریلی نے ان پر بھی فتوے لگائے مولانا حشمت علی انہیں متلذر کہہ کر[5] ان پر آوازہ کستے تھے، متلذر لیڈر سے بگڑا ہوا لقب ہے،

سید محمد کچھوچھوی پر فتوے کفر بمبئی کے مدنی اور ہاشمی میاں کے باپ سید محمد کچھوچھوی نے رمضان ۱۳۵۸ ہجری میں ایک جمعہ کی نماز دھوراجی کاٹھیاواڑ کی فاروقی مسجد میں وہاں کے دیوبندی مسلک امام کے پیچھے ادا کی، مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی رو سے کچھوچھوی صاحب مرتد بھی ہوگئے اور ان کا نکاح بھی ٹوٹ گیا، مولانا احمد رضا ان دنوں زندہ نہ تھے اس لئے ان کے مظہر اور جانشین مولانا حشمت علی نے اپنے اس بزرگ پر تکفیر کے ہاتھ صاف کئے، موصوف لکھتے ہیں:

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ ۲۲۳ [2] تقریب التہذیب صـ ۳۱۵ [3] ملفوظات مولانا احمد رضا حصہ دوم صـ ۴۴

[4] مسئلہ یہ تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کہی جائے یا مسجد سے باہر، علما بدایوں جمہور مسلمانوں کی طرح اس کے مسجد کے اندر کہے جانے کے قائل تھے [5] حاشیہ دوام العیش صـ ۶۱ متلذر۔

"مرتد دیوبندی امام نے خطبہ پڑھا، جمعہ پڑھایا، جس وقت وہ منبر پر چڑھا اسی وقت ایک سنی مسلمان نے پکار کے اعلان کر دیا کہ بھائیو! یہ امام دیوبندی وہابی ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی، یہ سن کر مسلمانان اہل سنت اس مسجد سے باہر چلے گئے، مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے صدر المدرسین مفتی عبدالعزیز خاں صاحب نعیمی فتح پوری نے بھی جو صف اول میں کچھوچھوی صاحب کے متصل ہی بیٹھے ہوئے تھے، کچھوچھوی صاحب سے کہا کہ حضرت یہ امام دیوبندی وہابی ہے یہاں سے تشریف لے چلئے کسی اور مسجد میں سنی امام کی اقتداء کر کے نماز جمعہ ادا کیجئے، جب کچھوچھوی صاحب بالکل ہی خاموش بیٹھے رہے تو خود مفتی صاحب مذکور بھی سنی مسلمانوں کے ساتھ فوراً چلے آئے اور ناگافی شاہ کے تکئے کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے جمعہ ادا کیا مگر کچھوچھوی صاحب نے اس اعلان کے بعد بھی اسی مرتد دیوبندی امام کی اقتدا میں جمعہ پڑھا۔ اس وقت کوئی اکراہ شرعی۔ خوف صحیح بھی تو ایسا ہرگز نہ تھا جو کچھوچھوی صاحب کیلئے نماز کی نقل بے معنی کو جائز کر دیتا، مرتد کی اقتداء شرعاً کفر وارتداد اور ایسا کرنے والا بحکم شریعت مطہرہ کافر و مرتد ہے" [1]

مولانا احمد رضا اور ان کی جماعت تکفیر میں بہت جری ہے، امت اس تھوک تکفیر پر بہت نالاں اور حیران ہے اور یہ بات اب اتنی کھل چکی ہے کہ مولانا احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر اب ایک ہی عنصر کے دو نام ہو کر رہ گئے ہیں، اس تکفیر نے امت کی مجموعی قوت کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس سے آج ہر چلنے والا دل زخمی اور دیکھنے والی آنکھ اشکبار ہے، عام مسلمان اس شغل تکفیر سے بہت تنگ آ چکے ہیں، اختلافات تو برداشت ہو سکتے ہیں لیکن تکفیر مسلمین کی یہ مہم کسی کو پسند نہیں، انگریز جنہیں یہ پسند تھی اب پاک و ہند سے جا چکے ہیں، اس تھوک تکفیر کے بانی مولانا احمد رضا خاں تھے اور مولانا کا یہی تعارف نصف صدی سے زیادہ عرصے سے چلا آرہا ہے۔ المیزان کے مدیر لکھتے ہیں:—

---

[1] ستر باادب سوالات مولانا حشمت علی ص ۳۲

" گویا امام احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو نام ہیں، حرکت و عمل کی اسی توانائی کے ساتھ امام احمد رضا کو علمی حلقوں سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے [1]

مولانا احمد رضا کے بارے میں یہ گھر کی شہادت پہلے بھی ہدیہ قارئین ہو چکی ہے، حرکت سے مراد تھوک تکفیر کی تحریک اور عمل سے مراد اس کے تقاضوں کی تشکیل ہے، حرکت و عمل کی پوری توانائی مولانا احمد رضا خاں کا یہی تعارف پیش کرتی ہے،

یہ خیال نہ کیا جائے کہ تکفیر کا اتنا وسیع پروگرام بغیر کسی وجہ و بنیاد کے کیسے چل سکتا تھا آخر کچھ بات تو ہو گی جسے بڑھانے اور بگاڑنے والے اس دور تک لے گئے، یہ بات اپنی جگہ اہم ہے اور اس پر کسی دوسری جگہ گفتگو ہو گی لیکن اس سوال کے متوازی پھر ایک اور سوال بھی ابھرتا ہے کہ اگر اس کی تہہ میں واقعی کوئی بات تھی تو اس پر صرف ایک گوشے میں ہی حرکت کیوں ہوئی آخر اور بھی علمی اور روحانی حلقے تھے اور دین و ملت کا درد رکھنے والے کئی زعما بھی موجود تھے ان پر اس بات کا اثر کیوں نہ ہوا، اور وہ اس باب میں خاموش کیوں رہے؟ پہلے سوال کا جواب اس دوسرے سوال میں بہت واضح ہے، ان امور کے پیش نظر مناسب ہو گا کہ ہم اس تکفیری مہم کا ذرا فکری جائزہ بھی لیں۔

تکفیری مہم کا فکری جائزہ

مولانا احمد رضا خاں نے جب علماء دیوبند کے خلاف تکفیری مہم شروع کی اور ان کی اردو عبارات کو موضوع کفر بنایا تو اسوقت ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ بریلی ہی دو مدرسے نہ تھے کئی عظیم علمی مراکز اور بھی موجود تھے: بہت سے اور علماء کرام بھی اپنی اپنی جگہ درس و افتاء کا مرجع تھے، مدرسہ دیوبند زیادہ پرانا نہ تھا اور مدرسہ بریلی تو کسی شمار میں نہ تھا۔

پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی ۱۲۹۰ھ میں تحصیل علم کے لئے ہندوستان تشریف لے گئے تو اس وقت کے جن دینی مدارس کی شہرت تھی، ان کا کچھ ذکر ہم پہلے کہیں کر آئے ہیں

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر صـ ۴۴

ان میں بریلی کا نام کہیں ملتا، مولانا فیض احمد لکھتے ہیں،

حضرت قبلہ عالم جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے ان دنوں وہاں لکھنؤ، دیوبند، رام پور، کانپور، علی گڑھ، دہلی اور سہارنپور میں بڑے بڑے علمی مراکز تھے، لکھنؤ میں مولانا عبدالحئی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں، دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی سرپرستی میں یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا، ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ خلف مولوی مملوک علی صاحبؒ مدرس اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے [1]

اس وقت کا علمی ماحول پتہ دیتا ہے کہ علماء کرام ایک دوسرے سے اختلاف رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے بہت قریب تھے، ایک مدرسے کے مُدرسین اور طلبہ دوسرے مدرسے میں جاتے اور آپس میں قطعاً کسی قسم کا بُعد محسوس نہ کرتے تھے، مولانا احمد رضا خاں کی پچاس سالہ جدوجہد سے پہلے ہندوستان میں علماء کے مابین کفر و اسلام کے فاصلے نہ تھے، آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دیوبند اور بریلی میں کفر و اسلام کے فاصلے قائم کئے، اور ان کے پیروان کے تاریخی کارنامے کی وجہ سے انہیں اعلیٰحضرت کہتے ہیں،

یہاں وہ سوال پھر سامنے آتا ہے اور اسی کے سمجھنے سے ساری دیوبندی اور بریلوی آویزش سمجھ میں آجاتی ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ علمائے دیوبند کی بعض اردو عبارات اگر واقعی کفر کی حد تک غلط تھیں تو ان اہم دینی مراکز نے ان پر کفر کا فتوے کیوں نہ دیا جو اس وقت امت اسلامی کا مرجع تھے، عبارات زیر بحث اردو میں تھیں اور ان مدارس عربی اور مراکز علمی کی اپنی زبان بھی اردو تھی، ان کے اکابر اپنی جگہ مرجع خلائق تھے، آخر انہوں نے ان عبارات پر حکم کفر کیوں نہ دیا۔؟ علمائے دیوبند کی عبارات ان پر عائد کردہ الزامات کے بارے میں اگر اتنی صریح

---

[1] مہر منیر ص۳۰

تھیں کہ کسی اور معنی اور مفہوم کا قطعاً احتمال نہ تھا تو اس وقت کے مفتیان کرام ان "کفریات" پر کیوں نہ برسے، ان کی ایمانی غیرت کہاں چلی گئی تھی؟ آواز اٹھی تو بریلی سے جس کا کسی علمی حلقے کی حیثیت سے کہیں تعارف نہ تھا، وقت کے اکابر اہل علم کا علماء دیوبند کی عبارات پر حکم کفر نہ کرنا کھلی شہادت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم میں ان کی شدت پسند طبیعت اور انگریزی حکومت کی اس پالیسی کو بھی بہت دخل تھا کہ "تفریق ڈالو اور حکومت کرو"

مولانا فضل حق خیر آبادی اگر مولانا اسمٰعیل شہیدؒ سے امکان نظیر جیسے مسائل میں اختلاف کرنے کے باوجود انہیں مسلمان سمجھ سکتے تھے، بلکہ حکیم الامت کہتے تھے اور مولانا عبدالعزیز رام پوری حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے مسئلہ شش نظیر میں اختلاف کرنے کے باوجود انہیں مسلمان سمجھتے تھے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مولانا احمد رضا خاں کسی علمی اختلاف کو کفر و اسلام کا موضوع بنا لیتے، اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو اس کے پیچھے علم نہیں سیاست کارفرما تھی،

مولانا احمد رضا نے اپنی تکفیری مہم کے لئے نئی راہ نکالی، اختلافات کی بجائے الزامات سامنے لائے اور ان کی اساس پر حکم کفر جاری کیا، علماء دیوبند لاکھ کہتے رہے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی، نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے، تم ہماری باتوں میں اپنی معنی کیوں داخل کر رہے ہو مگر ان حضرات نے کوئی نہ سنی، برابر لکیر پیٹتے رہے کہ نہیں یہی تمہارا عقیدہ ہے اور یہی بات تم نے کہی ہے۔

جن علماء کی یہ عبارات تھیں ان کے مفہوم کا تعین بھی انہی کا حق تھا، یہ کہاں کا انصاف اور علم کا تقاضا ہے کہ عبارات تو کسی اور کی ہوں اور ان کی مرادات کا تعین کوئی اور کرے تصنیف را مصنف نیکو کند بیان کو یکسر غلط ٹھہرانا کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ سوال بہرحال اپنی جگہ قائم ہے کہ علماء دیوبند کی بعض اردو عبارات اگر واقعی حدِ کفر تک غلط تھیں تو وقت کے دیگر مراکز علمی نے ان پر کیوں حکم کفر جاری نہ کیا اور جب مولانا احمد رضا خاں نے ان پر مواخذے کئے اور علماء حرمین سے جو اردو نہ جانتے تھے ان اردو عبارات پر حکم کفر حاصل کیا تو اس وقت بھی ہندوستان کے ان اہم علمی مراکز نے مولانا احمد رضا خاں کی تائید کیوں نہ کی۔؟ اب تو یہ عبارات ڈھکی چھپی نہ تھیں، ہندوستان کے ان علمی مراکز اور

دیگر قومی زعماء نے علماء دیوبند کو ان عقائد کا نہ سمجھا جو مولانا احمد رضا خاں کے پیروان کے ذمے لگا رہے تھے، یہ صورتِ حال پتہ دیتی ہے کہ تفریق بین المسلمین کی اس سازش کے پیچھے یقیناً بدیشی حکومت کا ہاتھ تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس کارروائی کے بارے میں اس ملک کے اہم مراکزِ علمی اور قوم کی غیر جانبدار مقتدر شخصیات کے ردِ عمل کا کچھ جائزہ لیا جائے۔ جو حضرات مدرسہ دیوبند کے پڑھے ہوئے نہ تھے، ان کا غیر جانبدارانہ مؤقف حقیقتِ حال کی بہت وضاحت کر سکتا ہے۔

طوالت سے بچنے کے لئے ہم پانچ مراکزِ علمی، بیس مراکزِ طریقت، پانچ اہم علمی شخصیات، پندرہ اہم علمی اور روحانی شخصیات اور دس اہم ملی شخصیتوں کا ذکر کریں گے، مولانا احمد رضا کی انتہا پسندی پر ان حضرات کا ردِ عمل حقیقت کی منہ بولتی تصویر ہے۔

پانچ مراکزِ علمی میں علماء فرنگی محل، علماء گنج مراد آباد، علماء دہلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھئے، روحانی مراکز میں خانقاہ شاہ کرامت اللہ جونپوری، خانقاہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، خانقاہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، خانقاہ سرہند شریف، خانقاہ بھرچونڈی شریف (سندھ)، خانقاہ ہالیجی شریف (سندھ)، خانقاہ مانکی (سرحد)، خانقاہ ترنگزئی (سرحد)، خانقاہ موسیٰ زئی (ڈیرہ اسمٰعیل خاں)، خانقاہ رائے پور اور پنجاب میں خانقاہ مکان شریف (رتر چھتر)، خانقاہ اعوان شریف (گجرات)، خانقاہ چورہ شریف، خانقاہ تونسہ شریف (ڈیرہ غازی خاں)، خانقاہ سیال شریف (سرگودہا)، خانقاہ جلال پور (گجرات) خانقاہ شرقپور اور خانقاہ گولڑہ (راولپنڈی)، خانقاہ سراجیہ کندیاں کا ردِ عمل مولانا احمد رضا خاں کی تحریک کی کھلی تردید تھا، ان روحانی مراکز میں خان صاحب کی کوئی پذیرائی نہ ہوئی، یہ حضرات اردو دان تھے، اور علماء دیوبند کی اصل عبارات بآسانی دیکھ سکتے تھے، بعض خانقاہی آداب میں ان کا اختلاف علماء سے ہو تو ہو لیکن جہاں تک عباراتِ زیرِ بحث کا تعلق ہے، ان حضرات کے ہاں انہیں کوئی اہمیت نہ تھی، نہ یہ حضرات ان کی وجہ سے کفر و اسلام کے فاصلے کے قائل ہو سکے، سائیں

توکل شاہ صاحب ربانی پت (خواجہ عبدالرحمن چھوروی (ہزارہ) اکابر علماء دیوبند کی نہ صرف مسند علمی کے قائل تھے بلکہ اُن کی رُوحانی عظمت اور طریقت و معرفت کا دم بھرتے تھے۔ غیر جانبدار علمی شخصیات میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن محدث کانپوری، مولانا عبداللہ ٹونکی، مولانا اصغر علی روحی، مولانا غلام محمد گھوٹوی کا ان عبارات پر کوئی گرفت نہ کرنا ان عبارات کی مرادات کا کھلا نشان ہے، اہم ملی شخصیات میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا حبیب الرحمن شروانی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، مولانا شوکت علی، چودھری افضل حق، مولانا حسرت موہانی اور قاضی عبدالمجید (صدر سیرت کمیٹی) کا رد عمل بھی پیش نظر رکھنے کے لائق ہے۔ ان حضرات نے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کفر کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہ دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس مہم تکفیر کی فصل انگریزی حکومت ہی کاٹے گی۔

ان غیر جانبدار اردو دان حضرات نے علماء دیوبند کی ان عبارات سے قطعاً وہ مرادات نہ سمجھی تھیں جو مولانا احمد رضا خاں کی الزام تراش ذہنیت نے اختراع کی تھیں بالخصوص جب کہ علماء دیوبند ان مرادات کفریہ سے ہزار بار اظہار بیزاری کر چکے تھے، ان غیر جانبدار حضرات نے مولانا احمد رضا کی اس تکفیری مہم کو بالکل درخور اعتنا نہ سمجھا اور علماء دیوبند وقت کے ہر موڑ پر علم و فضل کی پوری تابانی سے امت کی رہنمائی کرتے رہے، ہندوستان میں کوئی علمی مشورہ یا مؤقف ایسا نہ ہو سکتا تھا جس میں علماء دیوبند کی رائے نہ لی جاتی ہو۔

علماء فرنگی محل لکھنؤ کا ردِعمل

ہندوستان میں علماء فرنگی محل کی شہرت و عظمت مسلّم تھی، ان حضرات کی علمی خدمات محتاج تعارف نہیں، ان علماء کو علماء دیوبند سے بعض فروعی مسائل میں چند اختلاف بھی تھے، مولانا احمد رضا خاں نے ان اختلافات سے فائدہ اٹھانے کے لئے ان حضرات کو علماء دیوبند کی تکفیر پر آمادہ کرنے اور اپنا ہمنوا بنانے کی بہت کوشش کی، علماء دیوبند کی اردو عبارات بھی دکھائیں اور ہر طرح سے قائل کرنے کی سعی کی حضرت مولانا عبدالباری حضرت مولانا عین القضاۃ کے شاگرد تھے، علماء فرنگی محل میں اپنے بزرگوں کی یاد تھے، آپ نے مولانا احمد رضا خاں کو صاف لکھ دیا۔

ہمارے اکابر علمائے فرنگی محل نے اعیان علمار دیوبند کی تکفیر نہیں کی اس واسطے جو حقوق اہل اسلام کے ہیں ان سے ان کو کبھی محروم نہیں رکھا [۱]

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے سوانح حیات میں مولانا عبدالباری کے بارے میں لکھا ہے

"جامع شریعت وطریقت حضرت مولانا محمد قیام الدین عبدالباری فرنگی محل لکھنؤ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، اپنے دور کے علمار و مشائخ میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے [۲]

مولانا احمد رضا خاں نے دوام العیش میں ایک جگہ یہ سُرخی قائم کی ہے" خطبہ صدارت مولوی فرنگی محلی میں ۱۵ سطری کارگزاری کی ناز برداری" اور الطاری الداری میں مولانا عبدالباری پر ایک سوایک وجوہ سے حکم کفر لگایا ہے، اس ساری مخالفت کا اصل باعث یہ تھا کہ فرنگی محل جیسے مرکز علم نے مولانا احمد رضا خاں کے ذوق تکفیر کی کیوں داد نہیں دی، خاں صاحب نے ان حضرات کو ہر چند تنگ کیا لیکن ان حضرات نے مولانا احمد رضا کی کچھ پروانہ کی، حق پر ثابت قدم رہے، مولانا عبدالباری ایک مقام پر لکھتے ہیں:

جو متکبرانہ انداز مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ہم لوگوں کے ساتھ اختیار کیا ہے اس سے مرعوب ہو کر میں کچھ کرنے کو اپنے اوپر ناجائز سمجھتا ہوں بلکہ التکبر علی المتکبر صدقۃ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اعتنا کرنا نہیں چاہتا [۳]

یہ غیر جانبدارانہ شہادت مولانا احمد رضا خاں کی ظالمانہ روش اور علمار دیوبند کے مظلومانہ مؤقف کی کھلی دلیل ہے اور یہ بھی بتا رہی ہے کہ حق کن کے ساتھ تھا۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی ان حضرات کے اکابر میں سے تھے، علم وافتار کا مرجع تھے ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی، فتاوے مولانا عبدالحئی آپ کے فتوؤں کا مجموعہ ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے آپ کا زمانہ پایا ہے، آپ کے شاگرد

۱۔ منقول از الطاری الداری بہفوات عبدالباری حصہ اول ص۱۶ حسنی پریس بریلی ۲۔ مہر منیر ص۱۵

۳۔ الطاری الداری حصہ ۲ ص۲

مولانا عین القضاۃ اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر عالم تھے، آپ نے کئی بار حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے علمی استفادہ کیا، مولانا عین القضاۃ مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم کے سخت خلاف تھے، حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تحریرات میں کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف ہوتی تو مولانا عبدالحئیؒ اس پر ضرور مواخذہ فرماتے، مولانا عین القضاۃ نے تو وہ زمانہ بھی پایا جب مولانا احمد رضا اپنی تکفیری مہم شروع کر چکے تھے، مولانا عین القضاۃ کے شاگرد مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے مولانا احمد رضا کی اس تکفیری مہم کا بڑی سختی سے نوٹس لیا اور ان لوگوں سے کھلے مناظرے کئے اور انہیں شکست فاش دی، مولانا احمد رضا کے خلاف یہ ان علماء کا ردعمل تھا جو دیوبند سے تعلق نہ رکھتے تھے اور ایک غیر جانبدار حیثیت کے مالک تھے۔

علماء گنج مرادآباد قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی علماء ہند میں نہایت ممتاز شخصیت تھے، استاذ العلماء اور شیخ وقت تسلیم کئے جاتے تھے، ہندوستان کے صوبہ بہار میں آپ کے علمی اور روحانی کمالات کے گہرے اثرات ہیں، ۱۳۱۲ھ تک آپ عقیدتمندوں اور طلبہ کا مرجع بنے رہے، مولانا احمد رضا خاں بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے، موصوف کے سوانح نگار شاہ مانا میاں لکھتے ہیں،

> اعلیٰ حضرت کو معاصرین علماء و مشائخ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ سے گہرا تعلق تھا، حکیم مولوی سعید الرحمٰن خاں مرحوم بیان کرتے ہیں کہ اعلیحضرت پہلی مرتبہ ۱۳۰۱ھ گنج مرادآباد تشریف لے گئے تھے، اس سفر میں آپ کے ہمراہ جو حضرات گئے، ان میں مولوی حکیم خلیل الرحمٰن خاں، مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی، قاضی خلیل الدین حسن اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی شامل تھے [۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے تمام معروف علماء حضرت شاہ فضل الرحمٰن سے

---

[۱] سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی صفحہ ۱۵۸

گہری عقیدت رکھتے تھے، حضرت کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے احمد میاں شاہ ان کے حلقے کے مرجع عقیدت تھے، مولانا احمد رضا خاں نے ۱۳۲۲ھ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کی عبارات میں اگر کچھ باتیں واقعی ایسی تھیں جو کفر کی حد تک غلط تھیں تو حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے ان پر کیوں گرفت نہ کی؟ انہیں اُن حضرات کی عبارات میں وہ (کفریہ) معنی کیوں نظر نہ آئے جو مولانا احمد رضا خاں دیکھ پائے؛

حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ کے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا شاہ تجمل حسین صاحب بہاریؒ آپ سے اپنے ارادہ بیعت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند سے بھی اپنی عقیدت کا ذکر کرتے ہیں؛

اب بیعت کا جو عزم ہوا کہ مجھ کو عقیدت اور غلامی حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے تھی، آپ کو کشف سے معلوم ہوا۔ آپ نے حضرت مولانا کی تعریف کی کہ اس کمسنی میں ان کو ولایت حاصل ہو گئی اور مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کی بھی تعریف کی کہ ان کے قلب میں ایک نور الٰہی ہے جس کو ولایت کہتے ہیں [1]

حضرت شاہ تجمل حسین صاحبؒ نے حضرتؒ کے روحانی کمالات پر یہ کتاب حضرت کی زندگی میں لکھی تھی اور حضرت کے سامنے پیش کی تھی، آپ نے اس کے سرورق پر اپنے ہاتھ سے یہ دعائیہ جملہ لکھا تھا۔

اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ وَرَحْمَتِکَ فَاِنَّہٗ لَا یَمْلِکُھَا اِلَّا اَنْتَ

ہر کہ ایں دعوات ورد نماید انجام او بخیر شود (ترجمہ) جو ان دعاؤں کا ورد کرے خاتمہ بالخیر ہوگا۔

اس کتاب میں مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ کے مقاماتِ ولایت کا بھی ذکر ہے۔

---

[1] کمالات رحمانی صـ۱۳۳ ۔

ان حضرات کی عبارات میں اگر کوئی بات واقعی حد کفر تک غلط ہوتی تو وقت کے اکابر و علماء و اولیاء ان کی شان میں ہرگز رطب اللسان نہ رہتے، مولانا عبدالمجید ہزاروی لکھتے ہیں کہ میں حدیث پڑھنے کے لئے گنج مراد آباد حاضر ہوا تو حضرت شاہ فضل الرحمٰن نے ان سے پوچھا:

پڑھتے کہاں ہو؟ میں نے عرض کیا دہلی میں۔ آپ نے فرمایا کہ گنگوہ مولانا رشید احمدؒ کی خدمت میں جاکر پڑھو [1]

حضرت شاہ فضل الرحمٰنؒ کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری، پیر مہر علی شاہ صاحب کے استاد بھائی تھے، گولڑہ کے مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیری بہار کے ایک مشہور شیخ طریقت اور حضرت قبلہ عالم کے استاد بھائی تھے سہارنپور میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے شاگردانِ عظام میں سے تھے، رحمۃ اللہ علیہما [2]

حضرت شاہ فضل الرحمٰن صاحب نے آپ کے بارے میں پیشگوئی فرمائی تھی:

ایک زمانہ ہوگا کہ کثیر خلقت تمہارے پاس آکر مرید ہوگی اور تم سے فیض ہوگا اور تعلیم پاویں گے۔ [3]

حضرت کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، آپ اپنے وقت میں صوبہ بہار کے مرجع خلائق، شیخ طریقت اور جلیل القدر عالم دین تھے، شیخ طریقت حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بہت عقیدتمند تھے اور انہیں حکیم الامت کہہ کر یاد کرتے تھے، مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

یہ وہی نانوتوی ہے جسے محمد علی کانپوری ناظم ندوہ نے حکیم الامت کا لقب دیا [4]

اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کی جن اردو عبارات

---

[1] تذکرۃ الرشید یہ ص۳۲ حصہ دوم، [2] مہر منیر ص۲۷۳ حاشیہ، [3] کمالات رحمانی ص۴۲
[4] حسام الحرمین ص۱۰۱

پر حکم کفر لگایا تھا، ہندوستان کے مشاہیر اہل علم، اردو دان حضرات نے ان عبارات میں کفر کی وہ تصویر نہ دیکھی تھی جو مولانا احمد رضا خاں کو نظر آئی تھی، بلکہ وہ اہل علم حضرات ان عبارات کی وہی مرادات لائق اعتبار سمجھتے رہے جو ان عبارات کے لکھنے والوں نے خود متعین کردی تھیں، مولانا احمد رضا خاں نے پھر مولانا محمد علی مونگیری کو بھی معاف نہ کیا اور پیر مہر علی شاہ صاحب کے استاد بھائی پر کفر کا گولہ بہت بیدردی سے پھینکا۔

جو ان کے (علماء دیوبند کے) کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔ [1]

مولانا احمد رضا خاں نے تو مولانا محمد علی کو کافر ٹھہرایا مگر پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری نے مولانا محمد علی کی شاگردی اختیار کی اور طلب علم میں ان کے پاس لکھنؤ پہنچے، پیر جماعت علی شاہ صاحب کے نبیرہ جناب اختر حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں؛

سہارنپور سے آپ نے لکھنؤ کا سفر کیا اور حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ناظم ندوۃ العلماء کا تلمذ اختیار کیا، حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب خدا رسیدہ عالم تھے، ظاہری اور باطنی علوم کے محرم تھے اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ [2]

اس تفصیل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ علماء دیوبند کی عبارات میں کفر کی کوئی بات ہرگز نہ تھی ورنہ وقت کے یہ دیگر علماء اعیان اور مشائخ طریقت ہرگز خاموشی اختیار نہ کرتے، بجائے اس کے یہ حضرات ہمیشہ علماء دیوبند کے علمی اور روحانی مقامات کے قائل رہے، پس مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم سوائے اس کے کہ انگریزی حکومت کے اشارے پر ہو اور کسی محل پر محمول نہیں کی جاسکتی۔

علماء دہلی کا ردعمل

دہلی کی سند علمی گو اب پہلے کی سی نہ تھی لیکن اس سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحٰق کی نسبت اب بھی حاصل تھی، دہلی میں عظیم علمی شخصیتیں موجود تھیں، اردو ان کی مادری زبان تھی، محدثین دہلی کے انتساب سے یہ

---

[1] حسام الحرمین صہ ۱۱۳ ، [2] سیرت امیر ملت صہ ۶۰ شائع کردہ دربار شریف علی پور سیداں

یہ حضرات مولانا اسمٰعیل شہید اور اکابر علماء دیوبند سے بیگانہ بھی نہ تھے، مسائل میں بعض اختلافات کے باوجود ان حضرات نے کبھی ان سے کفر و اسلام کے فاصلے قائم نہ کیے، مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی رشید الدین، نواب قطب الدین، مولانا امان علی، مولانا نوازش علی، مولانا محمد جان، مولانا عبد العلی، ملا سرفراز، مولوی رستم علی خاں اور ان کے اور حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہ کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد کثیر تعداد میں دہلی میں موجود تھے، دہلی کے مدارس جیسے مدرسہ عبد الرب، مدرسہ حسین بخش، مدرسہ جامع مسجد فتح پوری، مدرسہ امینیہ وغیرہا درس و افتاء کا مرجع تھے، مدارس دہلی کے ان علماء نے علماء دیوبند کی اردو عبارات میں کبھی کفر کے وہ معنی نہ دیکھے، جن کی نشاندہی مولانا احمد رضا خاں نے کی اور ان میں اپنے معنی داخل کر کے علماء عرب سے جو اردو نہ جانتے تھے، ان اردو عبارات پر کفر کا فتویٰ لیا۔ علماء دہلی کا مجموعی ردعمل مولانا احمد رضا خاں کی پرتکلف مشق تکفیر کی پرزور تردید کرتا ہے

جامع مسجد فتح پوری کے ایک صاحب مولانا مظہر اللہ صاحب تھے جن کا تعلق مدرسہ فتح پوری دہلی سے نہ تھا آپ وہاں امام اور خطیب تھے، ان کے صاحبزادے پروفیسر مسعود احمد نے مولانا احمد رضا خاں کے حق میں مدحیہ رسائل لکھے ہیں، مولانا مظہر اللہ بھی اس مشق تکفیر میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دے سکے تھے، آپ کے علماء دیوبند خصوصاً مفتی کفایت اللہ صاحب سے گہرے تعلقات تھے، مولانا احمد رضا خاں جن لوگوں سے سلام و کلام حرام قرار دے چکے تھے مولانا مظہر اللہ صاحب ان کی خدمت میں حاضری بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ دار العلوم ندوۃ العلماء ایک مستقل دینی ادارہ اور ہندوستان کی ایک مشہور اسلامی درسگاہ ہے، یہ دیوبند کی شاخ نہیں، اس کی میٹنگ میں مولانا احمد رضا خاں بھی شامل ہوئے تھے۔

تاریخ اور ادب میں علماء ندوہ نے عظیم اسلامی خدمات سرانجام دی ہیں، اس کے بانی مولانا شبلی نعمانی مؤلف سیرت النبیؐ ایک صاحب طرز ادیب تھے، مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند

کی جن اردو عبارات پر حکم کفر لگایا، وہ عبارات مولانا شبلی نعمانی کے سامنے بھی آئی تھیں، انہیں ان میں وہ کفریہ معنی کہیں نظر نہ آئے جو مولانا احمد رضا خاں انگریز کی عینک سے ان عبارات میں دیکھ رہے تھے اور ان اردو عبارات پر علماء عرب سے جو اردو نہ جانتے تھے کفر کا فتوے لے رہے تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے معجزات کی بحث میں مولانا شبلی نعمانی سے شدید اختلاف کیا تھا، مولانا تھانویؒ کی کتاب حفظ الایمان میں واقعی کوئی کفریہ مضمون ہوتا تو مولانا شبلی کے لئے جوابی کارروائی کا عظیم موقع تھا۔ مگر مولانا شبلی اردو دان تھے کسی عبارت کے ایسے معنی بیان کرنا جو مصنف کی مراد نہ ہوں ان کے علم و شرافت سے بعید تھا۔

علماء ندوہ نے علماء دیوبند کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھا ہے، مولانا شبلی کے نامور شاگرد مؤرخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی پرنسپل دارالعلوم ندوہ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے سامنے حدیث میں زانوئے تلمذ تہ کیا اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حلقہ عقیدت میں شامل ہوئے، علماء ندوہ کی غیر جانبدارانہ شہادت اس یقین کے لئے کافی ہے کہ علما دیوبند کی اردو عبارات میں ہرگز کفریہ معنی نہ تھے، ورنہ علم و فضل کے یہ مستقل ادارے اس باب میں کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے، یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ یہ کفریہ معنی صرف مولانا احمد رضا کو ہی نظر آسکتے تھے،

مولانا احمد رضا خاں ندوۃ العلماء پر بھی برسے اور ان کے حلقے کے لوگ اب تک ندوۃ العلماء لکھنؤ پر موسلا دھار برس رہے ہیں، مولانا ابوالطاہر محمد طیب داناپوری لکھتے ہیں۔

۱۳۱۲ھ میں طائفہ ندوہ نے اپنا سر نکالا اور ان آیات و احادیث کریمہ کو تحریف معنوی کرکے بدمذہبوں، لامذہبوں، بددینوں، بے دینوں کے ساتھ دوستی و مواخات و اتحاد و موالات پر ڈھالا [1]

---

[1] تجانب اہل السنۃ صفحہ ۳۶۵،

اگروہ .... ان حرکات وکلمات کفر وضلال کو معاذاللہ حق وصحیح مانتے ہیں تو جو کفر کو حق مانے وہ خود کافر ہے ۱؎

اپنے عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بناء پر بحکم شریعت قطعاً یقیناً اسلام سے خارج اور کفار مرتدین ہیں ۲؎

مولانا احمد رضا خاں ندوۃ العلماء سے اس قدر ناراض تھے کہ آپ نے اپنے ایک بزرگ شاہ جی میاں قادری سے ندوہ کے خلاف بددعا کی درخواست بھی کی، مولانا حشمت علی خاں اپنے ان دونوں بزرگوں کی بات چیت ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

(حضرت شاہ جی میاں نے) فرمایا کہئے مولانا؟ ندوے کا اب کیا حال ہے؟ حضور اعلیٰحضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ الحمدللہ ندوہ دم توڑ رہا ہے، آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے حضرت شاہ جی میاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دعا تو ہم کرتے ہیں لیکن ندوہ پچھڑے گا تمہیں سے ۳؎

مولوی حشمت علی کے یہ دونوں "رضی اللہ عنہ" دم توڑ گئے لیکن ندوۃ العلماء نے عظیم ترقی کی بین الاقوامی شہرت پائی اور آج مولانا علی میاں کیا بطور ایک مفکر کے اور کیا بطور ایک مصنف کے عالم اسلام کی نہایت بلند پایہ محترم شخصیت ہیں، اس ادارے نے علم وادب کی عظیم خدمات سرانجام دی ہیں اور اس کا شمار دنیا کے عظیم ترین علمی اور تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے، شاہ جی میاں نے جس کے سامنے پیش گوئی کی تھی کہ "پچھڑے گا تمہیں سے" وہ خود دنیا کے سامنے

۱؎ تجانب اہل السنۃ ص۱۲ ۲؎ ایضاً ص۴۵۳ ، ۳؎ اجمل انوار الرضا ص۱۲ مولانا احمد رضا خاں کی پیش گوئیاں بھی اسی طرح بار بار ثابت ہوئی تھیں، ایک معتقد کو خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے فرمایا "انشاءاللہ وہابیہ کی دعوت بند ہوگی اور اہل سنت کی ترقی ہوگی (ملفوظات حصہ اول ص۱۲۶) اس کے چند سال بعد وہابیہ پورے عرب پر چھا گئے اور بریلویوں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہاں کھلے بندوں علیحدہ نماز بھی نہیں پڑھ سکتے، چھپ چھپا کر علیحدہ نمازیں پڑھتے ہیں، مولانا احمد رضا نے اہل سنت کی اسی ترقی کی پیش گوئی کی تھی۔

عبرت بن کر بچھڑ گئے اور ندوۃ العلماء کے علم و فیض کی نہریں اب بھی پوری روانی سے جاری ہیں

ندوۃ العلماء جیسے مستقل اور غیر جانبدار علمی ادارے کا علماء دیو بند کی زیر بحث اردو عبارات پر کفر کی گرفت نہ کرنا کھلی شہادت ہے کہ اردو دان اہل علم نے ان کے وہی معنی سمجھے تھے جو ان کے مصنفین کی اپنی مراد تھے، انہوں نے ان میں وہ معنی نہ ڈالے تھے جو مولانا احمد رضا خاں نے وقت کے مخصوص سیاسی تقاضوں کے تحت ان کے بیان کئے تھے اور انہیں اختلاف قرار دیکر امت کو مستقل دو حصوں میں تقسیم کر ڈالا۔

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سر سید احمد خاں نے دنیوی علوم میں مسلمانان ہند کے لئے ایک نیا باب کھولا۔ آپ کا فلسفہ تعلیم یہ تھا کہ انگریزی تعلیم اور عمرانی علوم کے ساتھ مسلمانوں کو اس لائق کیا جاسکے کہ وہ ملکی نظام اور تمدنی ضرورات میں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر آسکیں اور جب بھی ملک آزاد ہو، مسلمان حکومت سنبھالنے کی ذمہ داریوں کے اہل ثابت ہوں،

لیکن سر سید کے مذہبی خیالات علماء حق کی تحقیق پر مستقیم نہ تھے، خود ان کے دوست مولانا الطاف حسین حالی نے بھی ان کی تفسیر پر سخت تنقید کی ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور سر سید کے مابین بعض اسلامی عقائد پر خط و کتابت بھی رہی، رسالہ تصفیۃ العقائد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی سر سید کے بنیادی عقائد پر کڑی تنقید کی[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی عقائد کی تشریح میں سر سید اور علماء دیو بند کے درمیان گہرے اختلافات تھے، پھر سر سید بھی اکیلے نہ تھے، ان کے ساتھ جدید فکری نظریات رکھنے والے دوستوں کی خاصی تعداد تھی "سر سید سکول" ایک مستقل فکری دائرے کا نام تھا۔ علماء دیو بند کی اردو عبارات جن پر مولانا احمد رضا خاں نے گرفت کی اگر واقعی حد کفر تک غلط ہوتیں تو سر سید اور ان کے احباب کے لئے دیو بند پر برسنے کا عجیب موقع تھا۔ دیو بند اور علی گڑھ کے اختلافات پہلے سے موجود تھے، ان عبارات پر حکم کفر بس جلتی پر تیل کا کام کرتا لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار

---

[1] دیکھئے فتاویٰ امدادیہ جلد ص تا ص

نہیں کر سکتا کہ علی گڑھ کے اردو دان حضرات کو علماء دیوبند کی ان اردو عبارات میں کفر کے وہ کیڑے کہیں دکھائی نہ دیئے جو مولانا احمد رضا خاں کو نظر آگئے اور انہوں نے ان پر ان علماء عرب سے کفر کا فتوے لیا جو اردو زبان نہ جانتے تھے، سرسید اور علی گڑھ کے علمی حلقوں میں ان عبارات کے وہی معنی سمجھے گئے جو ان کے مصنفین نے مراد لیئے تھے، ان حضرات نے باہمی اختلافات میں یہ غیر شریفانہ حرکت نہیں کی کہ ان عبارات میں اپنے معنی داخل کر کے انہیں علماء دیوبند کے ذمہ لگا دیتے اور انہیں بدنام کرتے، مولانا احمد رضا خاں نے جب یہ گھناؤنا کھیل کھیلا تو بھی حلقہ علی گڑھ نے ان کی تائید نہ کی۔ محدثین دہلی اور اکابر دیوبند کی عبقریت علی گڑھ میں بھی اپنا سکہ منوائے ہوئے تھی۔

علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں دیوبند کا تعارف ان الفاظ میں ملتا ہے :—

ہندوستان میں یہی ایک مدرسہ ہے جو تمام مدارس کے مقابل ہر ایک پہلو سے ممتاز اور ہماری کوششوں اور تائید سے مستفیض ہونے اور پہنچانے کی قابلیت رکھنے والا نظر آتا ہے [۱]

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بارے میں سرسید احمد خاں لکھتے ہیں۔

آپ کے آئینہ خاطر نے مصقلہ تائید الٰہی سے ایسی صفا اور جلا حاصل کی تھی کہ اسرار ازل بے حجاب آپ پر منکشف تھے، [۲]

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات پر سرسید کا بیان حق کی فتح کا جلی نشان تھا۔ سرسیدؒ لکھتے ہیں،

مولوی محمد قاسم اس دنیا میں بے مثل تھا ان کا پایہ اس زمانہ میں شاید معلومات علمی میں شاہ عبدالعزیز سے کچھ کم ہو الا۔ اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا، مسکینی اور نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر ان کا پایہ مولوی محمد اسحاق سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا، درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے [۳]

---

[۱] علیگڑھ گزٹ ۱۸ ستمبر ۱۸۹۰ء، ص۸ [۲] آثار الصنادید ص۱۰۱، [۳] علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۲۴ اپریل ۱۸۸۰ء ص۴۶۸

پھر کیا ہوا؟ سرسید احمد خاں کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں کا بھاری بھرکم فتوے سامنے آیا۔

عرض: بعض علی گڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں؟

ارشاد: وہ تو ایک خبیث مرتد تھا حدیث میں ارشاد فرمایا منافق کو سید نہ کہو۔[۱]

مولانا ابوالطاہر داناپوری لکھتے ہیں:

جو شخص پیر نیچر کے کفریات قطعیہ یقینیہ میں سے کسی ایک ہی کفر پر مطلع ہونے کے بعد اس کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے یا اس کو کافر و مرتد کہنے میں توقف کرے وہ بحکم شریعت مطہرہ قطعاً یقیناً کافر و مرتد اور بے توبہ مرا تو مستحق عذاب ابدی ہے[۲]

علماء دیوبند کے بارے میں علی گڑھ کا ردعمل بتا رہا ہے کہ غیر جانبدار نگاہ میں علمائے دیوبند کی کوئی عبارت حد کفر تک غلط نہ تھی اور مولانا احمد رضا خاں کی اس غیر واقعی گرفت کے پیچھے یقیناً کوئی سیاسی ہاتھ تھا، علی گڑھ کے اسی ردعمل کا نتیجہ تھا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن مالٹا سے رہائی کے بعد جب ہندوستان پہنچے اور آپ نے علی گڑھ کے نوجوانوں کو آزادیٔ وطن کے لئے پکارا تو وہ پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔

یہ غیر جانبدار چند علمی حلقوں کا ذکر تھا علماء فرنگی محل، علماء گنج مراد آباد، علماء مدارس دہلی، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اردو خواں حضرات نے علماء دیوبند کی ان زیر بحث اردو عبارات میں کہیں کفر کی بو نہیں پائی نہ ان عبارات کے کہیں وہ معنی ان کے حاشیہ خیال میں گذرے جو مولانا احمد رضا خاں نے ان کے ذمے لگا کر امت کو مستقل طور پر دو حصوں میں تقسیم کر ڈالا۔

ان علمی حلقوں کے علاوہ کچھ اور روحانی مراکز بھی تھے جو اپنے اپنے حلقے میں گہرے اثرات رکھتے تھے، یہ حضرات بھی اردو جانتے تھے اور ہندوستان کے عظیم علمی اداروں سے

---

[۱] ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۶۶، [۲] تجانب اہل السنۃ صفحہ

بھی ناواقف نہ تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتکریم بھی مسلمانوں کا کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام وعزت پر لوگ جان چھڑکتے تھے، جب کسی ناہنجار نے کوئی گستاخی کی وہ کیفر کردار تک پہنچا اور مسلمانوں نے اُسے کہیں معاف نہ کیا۔

ان روحانی بزرگوں کا مولانا احمد رضا خاں کی موافقت نہ کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ علمائے دیوبند پر ان لگائے گئے الزامات کی کچھ حقیقت نہ تھی اور ان کے پیچھے انگریز حکومت کی سیاسی پالیسی کے سوا کچھ اور نہ تھا ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وشان کے خلاف کوئی ادنیٰ مسلمان بھی کوئی گستاخی گوارا نہ کرسکتا تھا، ان روحانی بزرگوں میں حضرت مولانا شاہ کرامت اللہ جونپوریؒ، اکابر خانقاہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی مجددیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، خواجہ محمد عثمان خانقاہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ)، مولانا احمد خاں خانقاہ سراجیہ کندیاں، خانقاہ مانکی شریف صوبہ سرحد، حضرت میاں شیر محمد صاحب نقشبندی شرقپوری، حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ، حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری اور پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہم اللہ علیہم کا ردعمل مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی کھلی تردید ہے۔ ان حضرات میں سے بعض اکابر تو کلیتہً علماء دیوبند کے موافق رہے اور جنہوں نے کچھ اختلاف کیا انہوں نے بھی علماء دیوبند کو ہمیشہ مسلمان سمجھا اور بعض مسائل کے اختلافات کے باوجود کبھی انہیں ضروریاتِ دین کا منکر نہ کہا نہ ان کے ذمہ کوئی غلط بات لگا کر غیر اردو داں حضرات سے ان کے خلاف فتوے کفر حاصل کیا۔ ان میں سے بعض بزرگوں کی شہادت ہم یہاں نقل کرتے ہیں:۔

خانقاہ حضرت مولانا شاہ کرامت علی جونپوریؒ حضرت شاہ کرامت علی جونپوری ہندوستان کے مایۂ ناز روحانی بزرگ تھے، بنگال میں لاکھوں مسلمان آپ کے اور آپ کے خلفاء کرام کے ہاتھوں پر تائب ہوئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے رُوحانی فیض پایا، آپ نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیٔ دہلوی کی

زیارت کی تھی اور اردو اچھی طرح سمجھتے تھے ان حضرات کی تحریریں آپ کے سامنے تھیں،
ان میں کوئی پہلو اسلام کے خلاف ہوتا تو اتنے بڑے بزرگ کبھی خاموش نہ بیٹھتے آپ لکھتے ہیں،
جاننا چاہیئے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہما بڑے دیندار
اور تابع سنت تھے اور ظاہر و باطن کے علوم میں پکے کامل تھے، لوگوں کو ہمیشہ توحید
اور سنت کی راہ بتلاتے تھے اور شرک و بدعت کی برائی سناتے تھے، سارے
ہندوستان اور بنگالے میں اسلام جو محض ضعیف ہو گیا تھا، انہی بزرگوں کی
کوشش سے قوی و تازہ ہو گیا [1]

آپ کے خلفاء کرام حضرت مولانا رشید احمدؒ صاحب اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ
سے برابر ملتے رہے، آپ کے سلسلہ کے سالک حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے
سلہٹ میں ملتے رہے اور ان حضرات کی رائے علماء دیوبند کے بارے میں ہمیشہ
نیازمندانہ رہی۔

خانقاہ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے خلیفہ
شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ) سے اس خانقاہ
کی شہرت ہوئی آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ ابوسعید اور ان کے بیٹے حضرت شاہ احمد
سعید ان کے جانشین ہوئے، شاہ احمد سعید کے بھائی حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب
نانوتویؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے استاذ تھے،

اس خانقاہ کی رُوحانی عظمت سارے ہندوستان میں مسلّم تھی اور اس کے اثرات
دہلی اور وسط ہند میں خصوصیت سے محیط تھے، علماء دیوبند کا تعلق اس خاندان کے
بزرگوں سے شاگردوں کا تھا۔ علماء دیوبند کے عقائد اور تحریرات میں انبیاء کرامؑ اور

---

[1] مقامع المبتدعین ص ۲۲۹،

اولیاء اللہ العظام کی منقصت کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو سب سے پہلے یہ حضرات ان کو ٹوکتے اور ان کا اُن پر حق بھی تھا۔

کیا وجہ ہے کہ وقت کے علمی اور روحانی مراکز کو تو ان علماء حق سے کوئی اختلاف نہ ہو اور مولوی احمد رضا خاں صاحب ان کے خلاف ایک پوری دستاویز تیار کر ڈالیں، ان حضرات کی علماء دیوبند سے ہم آہنگی بتلاتی ہے کہ انہیں علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں کفر کے کیڑے کہیں دکھائی نہ دیئے تھے یہ مولانا احمد رضا خاں تھے جنہوں نے علماء دیوبند کی ایک ایک عبارت میں اپنے معنی داخل کر کے ان پر کفر کے الزامات لگائے اور پھر ان الزامات سے امت کو مستقل طور پر دو حصوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔

خانقاہ حضرت حاجی امداد اللہ مُہاجر مکی رح آپ چشتی صابری سلسلہ کے نہایت قوی النسبت روحانی پیشوا تھے، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بالفعل شامل ہوئے پھر مکہ معظمہ ہجرت فرمائی، آپ ہندوستان کے کثیر تعداد علماء کبار کے شیخ طریقت اور مرشد عام تھے گولڑہ کے مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں

آپ بلادِ عرب میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے موسوم تھے، دیوبندی مکتبِ فکر کے اکثر و بیشتر علماء کو آپ سے ارادت ہے [1]

حضرت حاجی صاحب رح سے پیر مہر علی شاہ صاحب رح کو اجازت ہے آپ نے پیر صاحب کو فرمایا۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ کی وجہ سے شمالی ہند میں میرے سلسلہ کی بھی ترویج ہو"

اس پر پیر مہر علی شاہ صاحب نے عرض کی:

آپ کی عنایت کا شکریہ۔ مجھے طواف کعبہ کی طرف قلبی توجہ نہیں ہوتی اگر ہو سکے تو اس قدر مہربانی فرمائیں کہ خدا کرے یہ ہو جائے۔ [2]

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کی رائے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اور حضرت

---

[1] مہر منیر ص۱۲۱ [2] ایضاً ص۱۲۸،

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں یہ تھی:۔

جو لوگ اس فیقر سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں، وہ مولوی رشید احمد سلمہ اور مولوی محمد قاسم سلمہ کو جو ظاہری و باطنی علوم کے تمام کمالات کے جامع ہیں، فقیر راقم اوراق کا قائمقام بلکہ مجھ سے بدرجہا بلند سمجھیں [1]

حضرت حاجی صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کی یہ رائے محض ذاتی نہیں، بلکہ الہامی تھی:

مولانا ضیاء القلوب میں جو کچھ آپ کی نسبت تحریر ہے، وہ آپ سے نہیں لکھا گیا جیسا القاء ہوا، ویسا ہی ظاہر کر دیا گیا ہے... وہ شخص مُدبر دپیچھے رہنے والا، ہے جو تم مقدس و مقتدائے زمن سے کچھ دل میں کینہ یا سوء ظن یا بد عقیدگی یا رنج و عداوت رکھے، [2]

جب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی مخالفت شروع ہوئی اور طرح طرح کی باتیں ان کی طرف منسوب ہونے لگیں تو اس وقت بھی حضرت حاجی صاحب کی رائے حضرت مولانا رشید احمد کے بارے میں یہی تھی کہ آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی کے ہیں، آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

اہل اللہ کی صحبت و خدمت اختیار کریں، خصوصی عزیزی جناب مولوی رشید احمد صاحب کے وجود با برکت کو ہندوستان میں غنیمتِ کبریٰ اور نعمتِ عظمٰے سمجھ کر اُن سے فیوض و برکات حاصل کریں، مولوی صاحب جامع کمالات ظاہری و باطنی کے ہیں اور اُن کی تحقیقات محض للّٰہیت کی راہ سے ہیں، ہرگز اس میں شائبہ نفسانیت نہیں، یہ وصیت تو مولوی صاحب کے مخالفین کو ہے [3]۔

حضرت حاجی صاحب کی رائے بعض فروعی مسائل میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے

---

[1] ضیاء القلوب فارسی ص۶۰، [2] تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۱۸۶، [3] ہفت مسئلہ ص۱۲،

کچھ مختلف تھی، مُرشد و مُرید کے مابین فروعی اختلافات رابطہ رُوحی میں مانع نہیں آتے، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مسلک رکھتے تھے، حنفی نہ تھے لیکن آج دنیا میں کتنے قادری مشرب بزرگ ہوں گے، جو مسلکاً حنفی ہیں اور شاہ جیلاں کے فقہی مسلک پر نہیں ہیں، حضرت حاجی صاحبؒ اختلافِ رائے میں اپنی رائے برملا ظاہر فرماتے، حضرت مولانا رشید احمد بھی اپنا صوابدید بتلانے میں حجاب نہ فرماتے، اور تعلقات کا لحاظ اپنا مؤقف بتلانے میں ہرگز مانع نہ آتا تھا، مذکورہ بالا تحریر میں حضرت حاجی صاحبؒ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی باطنی کیفیت بیان فرمائی ہے کہ اس میں ہرگز شائبہ نفسانیت نہیں ہے،

حضرت حاجی صاحبؒ اگر بعض علمی مسائل میں ان حضرات کے خلاف رائے دے سکتے تھے، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان حضرات کی اردو عبارات میں کوئی بات ضروریاتِ دین کے خلاف دیکھتے تو آپ اس پر خاموش رہتے۔

حضرت مولانا محمد قاسم یا حضرت مولانا رشید احمد صاحب کی تحریرات میں اگر واقعی ایسی کوئی بات تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعظمت کے خلاف ہو تو حضرت حاجی صاحبؒ نے اس پر کیوں نکیر نہ فرمائی، ان حضرات کی عبارات کسی کفریہ معنوں میں اگر اتنی واضح اور صریح تھیں کہ جو شخص انہیں کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر سمجھا جائے، جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں نے دعوےٰ کیا ہے [۱] تو یہ کفریہ معنیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کو کیوں نظر نہ آئے، بلکہ آپ نے کشفی طور پر جب ان کے قلوب پر نظر کی تو انہیں کمالاتِ روحانی سے مملو (بھرا ہوا) پایا۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان ہی تھا اور کفر کے یہ سب الزامات ان حضرات کی انگریز دشمنی کا سیاسی جواب تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ مدرسہ دیوبند کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

مدرسہ عربیہ دیوبند جو اس وقت اپنی خوبی سے نہایت رونق اور شہرت پر ہے" فقیر کو اس سے ایک علاقہ خاص ہے بلکہ یہ مدرسہ اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے، اس جہت سے

---

[۱] دیکھئے عرفان شریعت ص۱۹ فتاویٰ مولانا احمد رضا خاں۔

سب صاحب اس مدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھیں [۱]

یہ نہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو سنت و بدعت پر اٹھنے والے اختلافات کا علم نہ تھا، مولوی عبدالسمیع صاحب رام پوری انوار ساطعہ میں ان اختلافات کو بہت ہوا دے چکے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ اس پر سخت ناراض ہوئے اور علماء دیوبند پر طعن و تشنیع کو بہت ناپسند کیا، مولوی عبدالسمیع صاحب انوار ساطعہ کے دوسرے ایڈیشن میں لکھتے ہیں:۔

یہ نحیف شریعۃً اور طریقۃً ہر طرح حضرت حاجی امداداللہ صاحب، سے اعتقاد رکھتا ہے اس لئے تعمیل ارشاد حضور کی بجا آوری کو واجب سمجھی اور اس کتاب پر نظر ثانی کر کے جو عبارت طعن و تشنیع آمیز تھی نکال دی [۲]

افسوس کہ اس کتاب میں اس کے باوجود بہت طعن و تشنیع موجود ہے تاہم اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اختلافات حضرت حاجی صاحبؒ کے علم میں آچکے تھے، اور ان کے باوجود وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب کو ظاہری اور باطنی کمالات کا جامع یقین کرتے تھے اور دوسروں کو مشورہ دیتے تھے کہ ان حضرات کے وجود بابرکت کو ہندوستان میں نعمتِ کبریٰ سمجھیں [۳] حضرت حاجی صاحب کے اس مؤقف کے باوجود پیر مہر علی شاہ صاحب حضرت سے خلافت پانے میں بڑا اعزاز سمجھتے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء کی بڑی تعداد ہے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت کی رُوحانی نسبت سب سے زیادہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ساتھ تھی اور وہی آپ کے اعظم خلفاء تھے۔

اول جس شخص نے علماء سے بیعت کی، جامع فضل و کمال ممکنہ افراد انسانی حضرت ابی الحکیم مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ تھے اور تمام خلفاء حضرت ایشاں سے کمالات باطنیہ میں سبقت لے گئے [۴]

---

[۱] تاریخ دارالعلوم دیوبند جلد ۱ صہ ۱۹۲، [۲] انوار ساطعہ صہ ۹، [۳] جفت مسئلہ صہ ۱۲، [۴] شمائم امدادیہ صہ ۱۶ مطبوعہ نامی پریس لاہور۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ موقف شہادت دیتا ہے کہ علماء دیوبند کی ان اردو عبارات میں ہرگز ہرگز وہ کفری معنی نہ تھے جو مولانا احمد رضا خاں نے ان میں ڈالے اور ان الزامات کے سہارے ان اکابر علماء پر کفر کے فتوے لگائے اور ان علماء سے جو اردو نہ جانتے تھے، ان کی تائید حاصل کی ۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے بارے میں حضرت حاجی صاحب کی رسمئے سارے اختلاف کا فیصلہ کر دیتی ہے، بعض بریلوی یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کو علمائے دیوبند کے عقائد پوری طرح معلوم نہ تھے اس لئے انہوں نے حسن ظن اور نیک گمان سے کام لیا ہے، یہ عذر ہرگز صحیح نہیں، حضرت حاجی صاحبؒ اونچے درجے کے صاحب باطن اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفر و اسلام تک کے فاصلے انہیں کسی درجہ میں بھی محسوس نہ ہوئے ہوں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے بارے میں جناب پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

در مکہ معظمہ با حاجی امداد اللہ صاحبؒ ملاقات حاصل گشت و ایشاں صاحبِ کشف صحیح بودند هر گاه روش مزاج ما معلوم کردند کہ بسیار آزاد مزاج آدمی است باصرار تمام و بتاکید اکید فرمودند کہ در ہندوستان عنقریب یک فتنہ ظہور کند شما ضرور در ملکِ خویش واپس بروید[1]

(ترجمہ) مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور ان کا کشف صحیح ہوا کرتا تھا، جب ان کو ہمارے مزاج کے علم ہوا کہ یہ بہت آزاد مزاج آدمی ہے تو بڑے اصرار اور تاکید سے فرمایا کہ عنقریب ہندوستان میں ایک فتنہ ظاہر ہوگا تم ضرور اپنے ملک کو واپس چلے جاؤ، اگر بالفرض تم ہندوستان میں خاموش بھی بیٹھے رہے تو بھی وہ فتنہ ترقی نہیں کرسکے گا[2]

خانقاہ سرہند شریف حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مسلک پر اس خانقاہ کی روحانی نسبتیں پورے ملک میں قائم تھیں، حضرت امام ربانی کا جرأت مندانہ مسلک

---

[1] ملفوظات طیبات ص ۱۲۶ ، [2] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۸۹ ،

بادشاہوں تک کو معاف نہ کرتا تھا، یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اس خانقاہ کے روحانی وارث خُدا اور رسولؐ کی گستاخیوں جیسے دلخراش الزامات میں خاموش رہیں، علماءِ دیوبند کی عبارات میں کہیں بھی کوئی کفری مضمون ہوتا تو اس خانقاہ کے خلفاء کرام اس پر ضرور نکیر فرماتے، موجودہ سجادہ نشین کے والد مرحوم حضرت مولانا مقبول حسین شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں کے ہمعصر تھے آپ نے خان صاحب کے ان الزامات کو کوئی اہمیت نہ دی اور علماء دیوبند سے اپنے تعلقات برابر قائم رکھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان رُوحانی مراکز میں مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کفر کا ہرگز کوئی وزن نہ تھا، مولانا احمد رضا خاں اس ردِ عمل پر اتنے ناراض تھے کہ ان کی تحریرات میں جگہ جگہ نقشبندی حضرات کے خلاف ایک دبی آہ نکلتی ہے۔

خانقاہ بھرچونڈی شریف (سندھ) سندھ میں قادری سلسلے کی یہ خانقاہ حضرت خواجہ محمد صدیق صاحب قادریؒ کے فیض رُوحانی سے آباد تھی، حضرت خواجہ غلام محمد دین پوریؒ اور حضرت سید تاج محمود امروٹیؒ ان کے اجل خلفاء میں سے تھے حضرت مولانا عبید اللہ سندھی بھی یہیں بیعت تھے، ان کے ذریعہ یہ خانقاہ علماء دیوبند سے اچھی طرح متعارف ہوچکی تھی، علماءِ دیوبند کے عقائد سرِ مُو بھی حق سے متجاوز ہوتے تو یہ رُوحانی مراکز کبھی اس پر خاموشی اختیار نہ کرتے، ان روحانی پیشواؤں نے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر کو کچھ وقعت نہ دی بلکہ علماء دیوبند کی عظمت ان کے ہاں اور روشن ہوتی گئی، یہ حضرات سمجھتے تھے کہ انگریزی سیاست علماء حق کو بدنام کرنے میں ہر طرح سے کام لے رہی ہے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ حضرت خواجہ تاج محمود امروٹیؒ کے خلیفہ مجاز تھے،

خانقاہ ہالیجی شریف سندھ میں یہ رُوحانی مرکز مرجع خاص وعام ہے حضرت خواجہ حماد اللہ صاحب قادری کا روحانی فیض بہت دور دور تک پھیلا ہے، حضرت خواجہ صاحبؒ کے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ سے تعلقات اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اس خانقاہ میں اکابر علماء دیوبند کی کیا عظمت مسلّم تھی، یہاں بھی مولانا احمد رضا خاں کی کوئی

پذیرائی نہ ہو سکی، ان حضرات کا ردِ عمل بتاتا ہے کہ علماء دیوبند کو بدنام کرنے میں صرف وہی لوگ آگے آگے تھے جو کسی درجہ میں کسی تحریکِ آزادی کے ہمنوا نہ تھے اور ان کا منشا تھا کہ کسی طرح انگریزوں سے گرانٹ لے کر ان سے سمجھوتہ کر لیا جائے۔

خانقاہ مانکی شریف (سرحد) صوبہ سرحد کا یہ روحانی مرکز تھا مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کفر کا اس خانقاہ پر کوئی اثر نہ تھا، صوبہ سرحد میں اب تک مسلکِ دیوبند کے عظیم اثرات ہیں، تقسیم ہند کے وقت جناب امین الحسنات اس خانقاہ کے سجادہ نشین تھے، آپ نے تحریک پاکستان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا استقبال جس پُر خلوص انداز میں کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر کا ان پر کچھ اثر نہ تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیر صاحب مانکی شریف اصلاً علماء دیوبند کے ہمنوا نہ تھے مگر چونکہ مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور ان کا آستانہ بیعت مارہرہ شریف تحریک پاکستان کیخلاف تھے اور پیر صاحب مانکی شریف پاکستان کے حامی تھے اس لئے پیر صاحب مانکی شریف نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کا استقبال کیا تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں اگر یہ صرف سیاسی استقبال ہوتا تو جناب پیر امین الحسنات شیخ الاسلام کی امامت میں نماز نہ پڑھتے، آپ نے قائد اعظم کی نماز جنازہ بھی حضرت شیخ الاسلام کی اقتداء میں ادا کی تھی،

یقین کیجئے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر میں کچھ بھی جان ہوتی اور علماء دیوبند کی عبارات میں کہیں بھی کفری معنی ہوتے تو صوبہ سرحد کے پٹھان اور ان کے یہ روحانی مرکز کبھی اس پر خاموش نہ بیٹھتے۔

خانقاہ ترنگ زئی شریف (سرحد) حضرت حاجی فضل حق ترنگزئی نہایت بلند پایہ روحانی بزرگ گزرے ہیں آپ تحریک آزادی ہند کے نامور مجاہد اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے نہایت مخلص سیاسی کارکن تھے، اس قدر بہی

۱۰/۱

قریبی تعلق سے آپ علماء دیوبند کے عقائد و افکار سے پوری طرح متعارف ہو چکے تھے،

آپ نے مولانا احمد رضا خاں کا زمانہ پایا ہے اور ان کے فتویٰ کفر کو بھی دیکھا مگر اسے آپ کے ہاں قطعاً کوئی پذیرائی نہ ہو سکی، یہاں ایک شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوتا ہے۔ کہ اتنے عظیم روحانی بزرگ جو حضرت شیخ الہندؒ کے ایک اشارے پر جان تک کی قربانی کو رضائے الٰہی کے حصول کا ایک سبب سمجھتے ہوں، انہیں حضرت شیخ الہند میں وہ کفریہ عقائد آخر کیوں نظر نہ آئے جن کی وجہ سے مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کفر اتنا شدید تھا کہ جو علمائے دیوبند کے کفر میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ٹھہرے اور اس سے سلام و کلام تک حرام قرار پائے؟ بات پھر یہیں آکر ٹھہرتی ہے کہ مسلمانوں کی اس تکفیر کے پیچھے یقیناً انگریزی سیاست کارفرما تھی اور وہ روحانی مرکز جو انگریز حکومت کو دل سے نہ چاہتے تھے کبھی مولانا احمد رضا خاں کے ہمنوا نہ ہو سکے۔

خانقاہ موسیٰ زئی شریف (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔ خانقاہ موسیٰ زئی شریف نقشبندی سلسلے کا روحانی مرکز تھا۔ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہمعصر تھے۔ حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں ان کے صاحبزادے خواجہ سراج الدین صاحب جن کے نام پر خانقاہ سراجیہ کندیاں موسوم ہے اور حضرت مولانا حسین علیؒ ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی بہت معروف ہیں۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے حدیث پڑھ کر وطن واپس لوٹے تو حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب سے بیعت ہوئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو اکابر علماء دیوبند اور ان کے عقائد و نظریات سے تفصیلی تعارف ہو چکا تھا۔ آپ ان حضرات سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ سراج الدین صاحب نے حدیث حضرت مولانا حسین علی صاحب سے پڑھی۔

یہاں پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حضرات جو براہ راست دیوبند سے وابستہ نہ تھے یکایک علمائے دیوبند سے کیسے متفق ہو گئے ؟ علماء دیوبند کی بعض ارد و عبارات میں اگر کہیں واقعی ایسے عقائد لپٹے تھے جو حد کفر تک غلط تھے تو دور و دراز کے یہ حضرات جو نہ صرف علوم ظاہری رکھتے تھے بلکہ باطنی کمالات سے بھی مالا مال تھے۔ ان عبارات پر خاموش کیوں بیٹھے رہے۔ انہیں ان میں وہ کفری معنی کیوں نظر نہ آئے جو مولانا احمد رضا خاں نے دیکھ لیے اور انہیں ان علماء کو تا کر جو اردو نہ جانتے تھے ان پر فتوے کفر حاصل کر لیا۔

خانقاہ رائے پور شریف

قطب ربانی حضرت اخوند عبدالغفور صاحب سوات (۱۲۲۵) کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری (۱۳۰۴ھ) کے فیض سے یہ خانقاہ آباد ہوئی۔ آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہمعصر تھے۔ بزرگ بزرگوں کو پہچانتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم کی وفات ہوئی تو حضرت شاہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا:

" آج میری پشت دو صدموں سے ٹوٹی ہے ایک مرگ مولوی محمد قاسم کی سے، دوم رحلت مولوی احمد علی صاحب سہانپوری سے۔ یہ دونوں بزرگوار بے ریا، متبع شریعت، مفیض اکمل تھے مجھے ان کے باعث بڑی تقویت تھی[1]" آپ کے خلیفہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری ہوئے۔ آپ علماء دیوبند سے بہت متاثر تھے۔ خود شیخ وقت تھے مگر ایک خاص روحانی اشارے پر آپ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی بیعت کر لی اور آپ سے چاروں سلاسل طریقہ کی خلافت پائی۔ آپ حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد کے مزار پر کلیر شریف حاضر تھے کہ ایک رات مزار مبارک سے آواز سنی۔

"ہمارے سلسلے کی نعمت اس وقت گنگوہ ہی ہے مولانا رشید احمد کے پاس آپ وہاں جاؤ

مولانا احمد رضا خاں نے علماء دیوبند کے خلاف فتویٰ کفر شائع کیا تو حضرت مولانا خلیل احمد

---

[1] شہادت امیریہ علیٰ مکشوفات رحیمیہ صفحہ ۱۲ مطبوعہ بلالی پریس ساڈھورہ

محدث سہارنپوری نے المہند علی المفند کے نام سے اس کا جواب لکھا، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری نے اس کی تصدیق و تصویب فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کے دیگر اولیاء کرام سب علماء دیوبند سے نیک گمان رکھتے تھے اور خاں صاحب کے فتوے کی ان کے ہاں کچھ اہمیت نہ تھی، آپ نے المہند کی تصدیق میں لکھا:

الذی کتب فی ھذہ الرسالۃ حق صحیح وثابت فی الکتب بنص صریح وھو معتقدی ومعتقد مشائخی [1]

(ترجمہ) جو کچھ اس رسالہ میں لکھا گیا ہے حق ہے درست ہے اور کتابوں میں صاف طور پر موجود ہے، یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ میرے مشائخ کا تھا۔

آپ کے خلیفہ اعظم حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری اپنے قیام بریلی کے زمانے میں مولانا احمد رضا خاں کے لڑکوں کو پڑھاتے رہے ہیں۔

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں۔

بریلی کے ایک سفر میں یہ بھی فرمایا کہ میرا کبھی یہاں جی نہیں لگا [2]

خانقاہ مکان شریف رتڑ چھتڑ اس روحانی مرکز کے بزرگ حضرت امام علی شاہ صاحب کی ولادت ۱۲۱۲ھ میں ہوئی آپ نقشبندی سلسلہ کے نہایت کامل بزرگ تھے، آپ کے خلفاء میں حضرت خواجہ میر صادق اور خواجہ امیر الدین دھرم کوٹی بہت معروف بزرگ گزرے ہیں، اس خانقاہ کے سجادہ نشین سید مظہر قیوم بھی بہت کامل بزرگ تھے اور آپ نے ہی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کی نماز جنازہ پڑھائی تھی آپ مولانا احمد رضا خاں کے ہمعصر تھے مگر آپ نے ان کے فتوے تکفیر کی کچھ پرواہ نہ کی، علماء دیوبند سے آپ کے تعلقات بہت اچھے تھے اور آپ ان کا بہت احترام کرتے، آپ نے اپنے صاحبزادہ سید محفوظ حسین شاہ صاحب (موجودہ سجادہ نشین) کو دیوبند بھیج کر تعلیم دلائی، حضرت

---

[1] المہند ص ۸۴/۸۵ مطبوعہ ۱۳۸۲ھ، [2] سوانح حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری ص ۵۳ طبع دوم لکھنؤ،

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کا آپ کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔

خانقاہ اعوان شریف گجرات پنجاب کے اس رُوحانی مرکز کے بزرگ قاضی سلطان محمُود صاحبؒ تھے مولانا احمد رضا خاں نے آپ کا زمانہ پایا ہے مگر خاں صاحب کو آپ کے ہاں کوئی پذیرائی نہ ہوئی، آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا عبدالرحمٰن تھے جو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور حضرت مولانا مدنیؒ کے ہم سبق تھے حضرت قاضی سُلطان محمود صاحب کے سوانح میں ہے

مولوی عبدالرحمٰن صاحبؒ ساکن پنڈی سرہال ضلع کیمبل پور حضرت قاضی صاحب کے اجازت یافتہ خلیفہ تھے آپ دیوبند کے فارغ التحصیل بہت بلند پایہ عالم اور شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہم درس تھے۔[1]

آپ کے بھتیجے صاحبزادہ محجوب عالم آپ کے جانشین ہوئے ان کے ذکر میں ہے۔

حضرت قاضی صاحب نے آپ کی تعلیم و تربیت اپنا ہی بیٹا بنا کر کی، حضرت صاحب نے آپ کو خود بھی پڑھایا اور آپ کی تعلیم کے لئے بہترین اساتذہ بھی رکھے مثلاً مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل دیوبند[2]

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند ان روحانی حلقوں میں ہمیشہ محترم رہا ہے، اکابر علماء دیوبند کی عبارات میں اگر واقعی کہیں کوئی کفری معنی ہوتے تو اہل اللہ کی یہ خانقاہیں کبھی دارالعلوم سے اس طرح وابستہ نہ رہتیں۔

خانقاہ چورہ شریف نقشبندی سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ نور محمد تیراہیؒ سے یہ خانقاہ آباد ہوئی آپ کے خلفاء میں آپ کے صاحبزادہ بابا علاؤالدین محمد چوراہی (۱۳۶۶ھ) اور بابا فقیر محمد صاحب (۱۳۱۴ھ) بہت قوی نسبت بزرگ گذرے ہیں مولوی محمد قاسم (موہڑہ شریف) اور مولانا غلام رسُول عرف سہل بابا بھی آپ کے خلیفہ تھے، بابا علا

---

[1] مقامات محمود ص ۳۱۷، [2] ایضاً ص ۳۰،

دین محمد صاحبؒ نے اپنے نبیرہ مولانا پیر احمد شاہ صاحب کو اپنا سجادہ نشین مقرر کیا، آپ نے مولانا احمد رضا خاں کا زمانہ پایا ہے مگر آپ نے ان کے فتوے کفر کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ کے سوانح میں ہے۔

حضرت خواجہ دین محمد صاحبؒ نے پیر احمد شاہ صاحب کو اپنے عین حیات میں اپنا قائم مقام بنایا اور سجادہ نشین کیا، حضور نے آپ کو اپنے آخری تیرہ سال تک پاس رکھا، سفر و حضر میں آپ ساتھ رہے، متعدد کتب آپ سے پڑھیں۔ طریقہ بیعت افادہ و استفادہ آپ ہی سے کیا۔ آپ ہی نے آپ کو امرتسر اور دیوبند بھیجا تھا اور عین حیات میں دورہ (حدیث) کے لئے رجوع فرمایا تھا۔ [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر علماء دیوبند کی تحریرات میں ہرگز غلط عقائد نہ لپٹے تھے ورنہ یہ روحانی مراکز حصول علم کے لیے کبھی علماء دیوبند کی طرف رجوع نہ کرتے۔ علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ کے پیر جماعت علی شاہ صاحب اور ثانی صاحب (علی پور سیداں) حضرت بابا فقیر محمد صاحبؒ کے خلیفہ تھے۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب گو اپنے مشرب میں بہت سخت تھے لیکن آپ نے مولانا احمد رضا خاں کو کبھی تسلیم نہ کیا تھا، مولانا احمد رضا خاں دیوبندیوں کے کفر میں تردد کرنے والوں پر بھی کفر کا فتوے دیتے تھے لیکن پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ نے کفر و اسلام کے اس فاصلے کو کبھی تسلیم نہ کیا بلکہ آپ نے اپنے صاحبزادے مولانا محمد حسین صاحب کو مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی شاگردی میں دیا تھا۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے پوتے سید اختر حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

حضرت سراج الملت (مولانا محمد حسین) فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے قرآن مجید کا ترجمہ و تفسیر حضرت مولوی ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے پڑھی ہے اور حدیث

---

[1] نور الاخیار ص۵۸ مولفہ جناب خادم حسین فرزند پیر احمد شاہ صاحبؒ۔

کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔" مدرسہ امینیہ میں آپ نے دورۂ حدیث ختم کیا تو دستار بندی کے لئے حضرت مولانا مولوی محمود الحسن صاحب تشریف لائے[1]
یہ وہ وقت تھا جب مولانا احمد رضا خاں علماء دیوبند پر کفر کے الزامات لگا رہے تھے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک ان خانقاہی مراکز میں خاں صاحب کے فتوے کا کوئی اثر نہ تھا اور یہ بزرگ بعض مسائل کے اختلاف کے باوجود کبھی باہمی طور پر کفر و اسلام کے فاصلوں کے قائل نہ تھے۔

جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب مولانا احمد رضا خاں سے متفق ہوتے تو آپ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ایک ہی بیان پر سب اختلافات کے ختم ہونے کا اعلان نہ فرما دیتے۔ آپ کے اس اعلان پر لوگوں کے سب الزامات یکسر ختم ہو چکے تھے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کہا تھا:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والے کو کافر اور مرتد سمجھتا ہوں، یہی میرا عقیدہ ہے، میں کیسے گستاخی کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔

جناب سید اختر حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

حضرت قبلہ عالم (پیر جماعت علی شاہ صاحبؒ) کھڑے ہو گئے اور آپ نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو گلے لگایا اور فرمایا آپ میرے بھائی ہیں۔ جلسے میں حضرت قبلہ عالمؒ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ علامہ شبیر احمد صاحب میرے بھائی ہیں۔ خبردار ان سے کوئی گستاخی نہ ہو، میرے سامنے انہوں نے اپنے عقیدے کی وضاحت کر دی ہے۔[2]

---

[1] سیرت امیر ملت ص ۶۷۳ دیباچہ افضل الرسل مؤلفہ مولانا پیر محمد حسین صاحب علی پوری صفحہ پ میں بھی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی شاگردی کا ذکر ملتا ہے (شائع کردہ دربار علی پور سیداں)، [2] سیرت امیر ملت ص ۱۲۲

پیر جماعت علی شاہ صاحب نے اپنے ماننے والوں کو یہاں ایک اصولی بات کیطرف متوجہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء دیوبند پر جن جن عبارات کے بارے میں گستاخی کا الزام ہے، ان کی وضاحت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے اس بیان کی روشنی میں کی جائے اور ان سب کو حضرت علامہ عثمانیؒ کے مذکورہ بالا بیان کے تابع کیا جائے، ان عبارات کی وہی مرادات معتبر سمجھی جائیں جو علماء دیوبند خود بیان کرتے ہیں حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

قدح کردن در سخن بزرگاں بے مراد ایشاں جہل است و نتیجہ نیک ندارد[۱]

بزرگوں کے کلام پر اُن کی مراد کے خلاف اعتراض کرنا جہالت ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے وضاحتی بیان کے بعد جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب نے انہیں اپنا اسلامی بھائی قرار دیا آپ کا یہ فیصلہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ جن بزرگوں کی عبارات زیر بحث ہوں، ان کی صحیح مراد وہی معتبر سمجھی جائے جو وہ خود بیان کریں؛ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان دانشوروں کا مسلّمہ اصول ہے، پیر جماعت علیشاہ صاحب نے علماء دیوبند سے اختلافات ختم کرنے کا جو مؤقف اختیار کیا ہے لائق صد تحسین ہے کاش کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیرو خانصاحب کی پیروی ترک کر کے جناب پیر صاحب سے موافقت کرتے، امت میں اتحاد بھی قائم رہتا اور خاں صاحب کی تفریق بین المسلمین کی کوشش بھی ناکام ہو جاتی۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب نے تحریک خلافت کی بھی حمایت کی تھی، حالانکہ مولانا احمد رضا خاں ترکوں کے خلاف فتوے دے رہے تھے کہ وہ خلافت کے اہل نہیں ہیں پیر جماعت علی شاہ صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کی مخالفت کی ذرا پرواہ نہ کی۔ بلکہ

---

[۱] ماخوذ از رسالہ ہدیہ مجددیہ منقول از کشف الغطاء تالیف حضرت خواجہ محمد فرخ نبیرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ

برملا فرمایا:

میں سچ کہتا ہوں مجھے خلافت سے دلی ہمدردی ہے اور جس شخص کو خلافت سے ہمدردی نہیں اس میں ایمان نہیں [1]

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خانقاہ چورہ شریف اور اس کے متوسلین پر مولانا احمد رضا خاں کا ہرگز کوئی اثر نہ تھا۔ بابا دین محمد چوراہی کے نبیرہ پیر احمد شاہ صاحب نے دورۂ حدیث دیوبند پڑھا تھا۔ اس دوران آپ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر بہت سے مقامات پر تشریحی نوٹ لکھے تھے۔ یہ کتابیں مدرسہ کی تھیں۔ اس لئے بعد کے آنے والے طلبہ بھی ان سے مستفید ہوتے رہے۔ ضلع گجرات کے مشہور عارف باللہ صفوۃ الاتقیاء مولانا محمد عبداللہ صاحب ملکوی جب پہلی دفعہ حضرت پیر احمد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کی:

حضرت! دیوبند میں بخاری شریف اور مسلم شریف پر اکثر مقامات پر آپ کے قلمی حواشی دیکھے اور ملاقات کو دل چاہا [2]

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ دارالعلوم دیوبند کن کن اولیائے وقت کا مرکز رہا ہے اور یہ کہ ان بزرگوں کے ہاں مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کفر اور تفریق امت کے عقیدہ کی کیا کوئی اہمیت تھی؟

خانقاہ تونسہ شریف (ڈیرہ غازیخاں) ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی شوکت تاراج ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دینی صلابت اور علمی امانت کو بچانے کے لئے مرکز ہند دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مرزا مظہر جانجاناں دہلوی اور حضرت خواجہ فخرالدین دہلوی جیسے پاکیزہ نفوس پیدا کر دیئے جن کا فیض اس نازک دور میں پورے ہندوستان کو دینی سہارا دے رہا تھا۔

---

[1] نورالاخبار ص ۶۶

حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کے خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی تھے، آپ کی وفات ۱۸۵۰ء میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے سات سال پہلے ہوئی۔ حضرت خواجہ سلیمان صاحب تونسوی نے پوری کوشش کی کہ جس طرح بھی ہو شمال مغربی ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ دینی مدارس قائم کئے جائیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے خواجہ اللہ بخش تونسوی سجادہ نشین ہوئے، خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی کی وفات ۱۳۱۹ھ یعنی ۱۹۰۱ء میں ہوئی، آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمود صاحب تونسوی نے اپنے دور میں تونسہ شریف کے چھوٹے چھوٹے مدارس کو ضم کر کے ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا، اب ایک جلیل القدر صدر مدرس کی ضرورت تھی۔ فاضلِ جلیل مولانا محمد حسین للّٰہی لکھتے ہیں:

خواجہ نظام الدین نہایت علم دوست اور علم پرور بزرگ تھے اس لئے ان کے زمانہ میں مدرسہ نے مزید ترقی کی، آپ کے زمانہ میں صدر مدرس و مہتمم مولانا خان محمد صاحب تلمیذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی مقرر ہوئے [1]

یہاں ایک صحیح الفکر آزاد ذہن سوچنے پر مجبور ہوتا ہے کہ علماء دیوبند کے عقائد میں جو کیڑے مولانا احمد رضا خاں کو نظر آئے تھے، وہ ان مشائخ تونسہ شریف سے کیوں چھپے رہے، ان حضرات میں کیا علمی بصیرت نہ تھی کہ ان کے عقائد کو سمجھ سکیں۔ یا انبیاء و اولیاء سے وہ عقیدت نہ تھی جس کا ڈھنڈورا مولانا احمد رضا خاں پیٹتے رہے اور اس سب کے باوجود خواجگان تونسہ نے مولانا احمد رضا خاں سے کچھ اثر نہ لیا۔ تونسہ شریف اور ان کے خلفاء کے حلقوں میں پنجاب کی یہ خانقاہیں اور دار العلوم دیوبند دونوں اسلامی تہذیب و ثقافت کے قلعے تھے۔ للّٰہ شریف کے جناب محمد حسین صاحب لکھتے ہیں

انگریزی حکومت اپنے ساتھ جدید علوم اور جدید تہذیب لائی تھی، دوسری

---

[1] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۹۶ مطبوعہ سمن آباد لاہور،

طرف عیسائی پادری عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے، ان پیچیدہ اور نازک حالات میں دو قسم کی قیادتیں اُبھر کر سامنے آئیں، پہلی قیادت دینی قیادت تھی جس کے علمبردار علماء و مشائخ تھے۔ علماء و مشائخ کی قیادت کی دو شاخیں تھیں۔

(ا) سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشائخ۔ یعنی خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔ ان کے جانشین و خلفاء۔ جنہوں نے مغربی پاکستان میں دینی خدمات سرانجام دیں۔

(ب) سلسلہ چشتیہ صابریہ کے مشائخ۔ یعنی حضرت امداد اللہ مہاجر مکی ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء کے خلفاء مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہ جنہوں نے ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی [۱]

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان خانقاہوں اور مراکز میں بھی علماء دیوبند کا ہی نام چلتا تھا اور یہ حضرات علماء دیوبند کو نہ صرف علم و فضل میں ترجمان اسلام سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے ہاں تصوف و روحانیت کے چشموں میں بھی ان حضرات کا فیض پوری روانی سے جاری تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ حضرات اس وقت مولانا احمد رضا خاں کے نام تک کو نہ جانتے تھے نہ ان سے انہیں کوئی کام ہوتا تھا۔ جب کبھی انہیں کسی عالم یا مدرس کی ضرورت ہوتی وہ دیوبند کی طرف ہی رجوع کرتے تھے۔

پنجاب کی یہ قدیم خانقاہ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے روحانی فیض سے آباد ہوئی خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی اسی خانقاہ کے خلیفہ مجاز تھے جناب خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی (۱۸۲۳ء — ۱۹۰۱) نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمدؒ گنگوہی کا زمانہ پایا ہے، آپ کے جانشین خواجہ محمود صاحبؒ ۱۹۲۸ء میں فوت ہوئے اس وقت مولانا احمد رضا خاں اپنی مہم شروع کر چکے تھے لیکن ان کی آپ کی خانقاہ تونسہ میں کوئی پذیرائی نہ ہوئی، خواجہ اللہ بخش صاحب تونسوی، خواجہ نظام الدین صاحب

---

[۱] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۸۵

تونسوی کے تعلقات علماء دیوبند سے برابر استوار رہے اور مشائخ تونسہ ہمیشہ علمائے دیوبند کا احترام کرتے رہے ہیں۔

خانقاہ سیال شریف (سرگودہا) حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی سے اس خانقاہ کا آغاز ہوا۔ ان کے جانشین خواجہ محمد دین سیالوی ثانی صاحب کے لقب سے معروف ہوئے، ان کے جانشین خواجہ ضیاء الدین تھے جو موجودہ سجادہ نشین خواجہ قمر الدین صاحب کے والد تھے، خواجہ ضیاء الدین صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کا زمانہ پایا ہے مگر مولانا احمد رضا خاں ان سے اپنے فتوے کفر پر دستخط نہ لے سکے خواجہ ضیاء الدین صاحب کے علماء دیوبند سے بہت احترام کے تعلقات تھے اور آپ ان کی بہت قدر و منزلت کرتے، دارالعلوم دیوبند کی مالی امداد بھی فرماتے اس روحانی مرکز میں مولانا احمد رضا خاں کی کوئی پذیرائی نہ ہو سکی، مولانا احمد رضا خاں تحریک خلافت کے شدید مخالف تھے اور ترکوں کو خلافت کا اہل نہ سمجھتے تھے لیکن خواجہ ضیاء الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف تحریک خلافت کے ساتھ تھے، آپ تحریک خلافت کے دور میں دیوبند بھی گئے، ان دنوں امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ مسند آرائے صدارت تھے۔ صاحبزادہ غلام نظام الدین صاحب مرولوی لکھتے ہیں:

> شاہ صاحب نے حضرت سے تلقین وارشاد کی التماس کی۔ آپ نے گھنٹہ بھر تقریر فرمائی۔ پھر آپ نے دارالعلوم دیوبند کے لئے دو سو روپے کا عطیہ دیا۔ شاہ صاحب نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند اور تمام عالم اسلام کی کامرانی کے لئے دعا فرمائی۔ [۱]

حضرت صاحبزادہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں

> ادھر دوسری طرف اکابرین دیوبند عام طور سے صاحب نسبت تھے، چشتیہ صابریہ

---

[۱] ہو المعظم ص۲۳ خانقاہ معظمیہ کا صد سالہ عہد روحانیت، شائع کردہ اسلامک فاؤنڈیشن لاہور۔

سلسلے میں اکثر حضرات بیعت ہونے کے علاوہ خود بھی صاحب ارشاد تھے پس معلوم ہوا کہ اکابرین میں بنیادی اختلافات نہ تھے بلکہ رشتہ اخوت و مودت پیما بین استوار تھا ؎

حضرت خواجہ صاحب کے معتمد عمومی حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بانی جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، آپ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب جب دیوبند تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔ "یہاں آکر میں نے اصلی حنفیت دیکھی ہے"

جامعہ محمدی کے مجلہ "الجامعہ" میں ہے کہ دیوبند میں حضرت خواجہ صاحبؒ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ حضرت کی جانب سے مولانا ظہور احمد صاحب بگوی مرحوم نے سب کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی طرف سے فرمایا۔

"میں نے صحیح حنفیت دیوبند میں دیکھی ہے۔" (الجامعہ ص ۳۹ ۱۲ ستمبر ۱۹۴۳ء)

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی وفات پر ۱۷ صفر ۵۲ھ کو جامعہ محمدی (ضلع جھنگ) میں عظیم تعزیتی اجتماع منعقد ہوا۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے جامعہ کے رجسٹر میں تعزیتی کلمات اپنے قلم سے رقم فرمائے اور اس جلسہ کی رپورٹ ماہنامہ الجمعیت دہلی کو ارسال کی۔ یہ آپ کے مسلک اعتدال کی کھلی شہادت ہے۔

کچھ سوچیئے مولانا احمد رضا خاں کے عالمگیر فتوئے تکفیر کی رو سے مولانا محمد ذاکر اور جامعہ محمدی شریف کے کل کارکن۔ اساتذہ وطلبہ کیا کافر نہ ٹھہرے؟ یہ آپ ہی سوچیں کہ کل امت کی تکفیر کا بوجھ اپنے سر لینا سہل ہے یا مولوی احمد رضا خاں سے کنارہ کشی آسان ہے۔ آخرت کا خوف رکھنے والے پوری امت کی تکفیر کا بارِ گراں اٹھانے کے لئے کبھی تیار نہ ہوں گے۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی ہی ہمت تھی کہ یہ سارا بارِ گراں اپنے سر لے لیا اور پھر ان کے پیرو اس لکیر کو برابر پیٹتے جا رہے ہیں تاکہ اعلیٰحضرت کے اس بوجھ میں اضافہ ہوتا رہے۔

؎ بو المعظم ص ۴۰

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان خانقاہوں کے اکابر نے مولانا احمد رضا خاں کی تفریق امت کی کوششوں میں خاں صاحب کا بالکل ساتھ نہ دیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحذیر الناس کی عبارات پر اعتراض کیا تو موجودہ سجادہ نشین خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی نے فرمایا۔

میں نے تحذیر الناس کو دیکھا ہے، مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے۔ وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی۔ قضیہ فرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔

فقیر قمر الدین سیال شریف [1]

للہ شریف ضلع جہلم کے سجادہ نشین جناب خواجہ محبوب الرسول صاحب لکھتے ہیں:

میں کیا اس پر اپنی رائے دوں اور پھر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور ایمان پر روشنی ڈالوں، میں ان لوگوں کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت چاہتا ہوں اس سے زیادہ کیا عرض کروں [2]

کوٹ مومن ضلع سرگودہا کے سجادہ نشین جناب الحاج محمد حنیف صاحب بھی حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کی تائید کرتے ہیں۔

احقر کتاب تحذیر الناس مصنفہ حضرت مولانا موصوف کا بغور مطالعہ کر کے حیران رہ گیا کہ مرزائی وغیرہ کس بے باکی سے مولانا نانوتوی کو اجرائے نبوت بعد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کا معتقد مانتے ہیں۔ حالانکہ تحذیر الناس کی عبارت سے کہیں سے بھی استنباطاً استخراجاً یہ چیز ثابت نہیں ہو سکتی [3]

یہ تصریحات بتلاتی ہیں کہ اس دور میں جہاں جہاں کوئی علمی یا روحانی محنت ہو رہی

---

[1] ڈھول کی آواز ص۱۱۶ مؤلفہ حضرت شیخ کامل الدین اتکالوی مطبوعہ سرگودہا۔
[2] ڈھول کی آواز ص۱۱۷ تحریر ۲۱ مئی ۱۹۶۴ء [3] ایضاً ص۱۱۹ ثنائی پریس سرگودہا۔

تھی، وہاں پر کوئی بھی مولانا احمد رضا خاں کی مہم کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ تھا اور یہ تاثر عام تھا کہ علماء دیوبند کی اس مخالفت کے پیچھے انگریزی سیاست کا قوی ہاتھ ہے۔

خواجگان سیال شریف کی شہادت

جب مولانا احمد رضا خاں تحریکِ خلافت کے خلاف دوام العیش لکھ رہے تھے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کہ جس طرح بھی بن پڑے سلاطین ترکی کو خلافت کے لئے نا اہل ثابت کیا جائے۔ اس وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۲۹ء کن کا ساتھ دے رہے تھے۔ للہ شریف کے جناب محمد حسین صاحب لکھتے ہیں:

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۲۰ء اور دوسرے علماء کے فتوے سے انگریز کے ساتھ ترکِ موالات اور لاتعاون کی تحریکیں چلیں تو مشائخ تونسوی میں سے خواجہ شمس الدین سیالوی کے دوسرے جانشین خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے ان تحریکات میں بھرپور حصہ لیا۔[1]

تحریکِ خلافت میں خود عملی طور پر حصہ لیا اور اپنے تمام مریدین و خلفاء کو اس تحریک میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔[2]

مولانا احمد رضا خاں اور ان کے آستانہ بیعت مارہرہ شریف نے جب تحریکِ خلافت کی مخالفت کی تو خواجہ صاحب سیالوی کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ عبداللہ نے اس قسم کے پیروں کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

تاہم نہ ترا ہیچ شد احساس خلافت	اے صاحب خلوت
حالات مگر خواجہ اجمیر نہ دیدی	وازکس نہ شنیدی
طرفہ کہ ترا نسبت ازیں کار محبت	بلکہ نیست عداوت
مظلوم سمرنا کہ شد از ناقہ بے جاں	با حالِ پریشاں

---

[1] خواجہ سلیمان صاحب تونسوی ص۲۷۵، [2] ایضاً ص۲۰۸۔

خواجہ ضیاءالدین صاحب سیالوی کے خلیفہ مولانا محمد ذاکر صاحب جو خواجہ شمس الدین سیالوی کے مرید میاں عبدالرحمن کے پوتے تھے، حدیث کی تعلیم کے لئے دیوبند پہنچے تھے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے [1]

سیال شریف کے یہ مشائخ عظام اکابر دیوبند کے بارے میں بہت نیک گمان تھے، دیوبند کو علم کا مرکز سمجھتے تھے اور ضرورت کے موقع پر اسی مرکز علم کی طرف رجوع کرتے تھے میاں عبدالرحمن صاحب کے دوسرے پوتے مولانا محمد نافع صاحب حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد ہیں۔

خانقاہ مرولہ شریف۔ ضلع سرگودھا | حضرت خواجہ معظم الدین مرولوی خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی کے خلیفہ مجاز تھے (۱۸۸۲ء / ۱۹۰۷ء)

ان کے جانشین خواجہ محمد حسین مرولوی ہوئے جو ۱۹۴۲ء میں فوت ہوئے، آپ کے دور میں مولانا احمد رضا خاں اپنی مہم تکفیر شروع کر چکے تھے لیکن اس خانقاہ نے مولوی صاحب کا کوئی ساتھ نہ دیا بلکہ اس کے برعکس علماء دیوبند سے اپنے روابط اور تعلقات قائم رکھے آپ کے جانشین حضرت خواجہ سدیدالدین صاحب ہوئے۔

خانقاہ مرولہ شریف کے یہ سجادہ نشین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کے شاگرد خاص مولانا سلطان محمود صاحب پپلانوی کے شاگرد تھے۔ خواجہ غلام سدیدالدین صاحب نے دورہ حدیث انہی سے پڑھا تھا۔ مولینا سلطان محمود صاحب امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے ہم سبق تھے۔ مولینا سلطان محمود ذکر کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت استاد نے سبق کے دوران ہم سے ایک سوال کیا۔ میرا خیال تھا کہ اس خاص موضوع پر میری تیاری حضرت شاہ صاحب سے زیادہ ہوگی مگر جب شاہ نے تقریر شروع کی تو میں حیران رہ گیا۔ مولانا پپلانوی کہتے ہیں۔

میرے ذخیرۂ علمی میں جو سب سے قوی اور قیمتی دلیل تھی جس کے بارے میں مجھے ناز تھا کہ میری ہی ذہنی فتوحات کی وہاں تک رسائی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی تقریر کا

---

[1] ایضاً ص ۳۰۲۔

آغاز اسی خاص دلیل سے کیا اور پھر آئندہ ہر دلیل اس سے بڑھ چڑھ کر پیش کی ـــــ مجھ پر سکتہ طاری ہوگیا۔ میں شاہ صاحب کے علمی تجربے سے مبہوت ہو کر رہ گیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ خزانہ قدس کے لدنی چشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے ورنہ کسب و کوشش سے اس مقام ارفع تک رسائی ممکن نہیں [1]

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ اس خانقاہ کے ارباب علم و ارشاد حضرت علماء دیوبند کے بارے میں کس قسم کے نظریات رکھتے تھے۔ یہ بات بلا ریب صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر کی ان کے ہاں کوئی قیمت نہ تھی۔

خانقاہ جلال پور شریف (گجرات)

حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالویؒ کے خلیفہ خواجہ غلام حیدر شاہ صاحب اس خانقاہ کے موسس تھے۔ آپ کے جانشین پیر فضل شاہ مولانا احمد رضا خاں ہم عصر تھے۔ پیر فضل شاہ صاحب کے علماء دیوبند سے گہرے روابط تھے اور رہے اور مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر کی اس خانقاہ نے کبھی تائید نہ کی۔

خانقاہ شرقپور شریف

نقشبندی سلسلہ کے نہایت قوی نسبت بزرگ حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ سے اس خانقاہ کا فیض چلا آپ کا سلسلہ بیعت و خلافت خانقاہ مکان شریف سے مربوط تھا۔ حضرت خواجہ امیر الدین صاحب نقشبندی صاحبؒ کے خلیفہ ارشد تھے۔ آپ کی مسجد شرقپور شریف میں پہلے بریلوی طرز پر نعت خوانی ہوتی تھی۔ آپ نے جب علماء دیوبند کی طرز اختیار کی تو اسے بند کر دیا۔ بریلویوں نے حسب عادت اس کے بارے میں مشہور کیا کہ یہ وہابیوں کی مسجد ہے مگر آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اپنے مشرب عالی پر برابر قائم رہے۔ آپ کے سوانح نگار صوفی محمد ابراہیم قصوری لکھتے ہیں

---

[1] ہوالمعظم صـ ۲۶۲

مشرب عالی کی تبدیلی[1]

آپ نے اپنی مسجد میں نعت خوانی اور غزل خوانی بند کردی اس سے پہلے آپ کی مسجد میں نعت خوانی اور غزل خوانی ہوا کرتی تھی اور آپ سنا کرتے تھے اور خود بھی بہت شعر پڑھا کرتے تھے۔ آپ نعت خوانوں کو نعت کی کاپیاں لکھ کر دیا کرتے تھے۔ جب آپ کا مشرب عالی ہوگیا تو آپ کی مجلس شعر اشعار سے خالی ہوگئی اور آپ ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول ہی فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نظموں اور لفظوں میں نہیں ہے بلکہ حال میں ہے۔ تم ایسے بن جاؤ ہر فعل ہر قول ہر حرکت پر عمل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ بعض بے سمجھ کہہ دیتے کہ یہ مسجد وہابیوں کی ہے[2]

آپ کے پاس حضرت شیخ الہندؒ کا ایک خط بھی تھا جو آپ نے بطور تبرک بڑی حفاظت سے رکھا ہوا تھا۔ مشرب عالی کی تبدیلی پر آپ نے کھل کر علماء دیوبند کی تعریف کی آپ فرماتے تھے کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں یعنی ہر طرف نور ہی نور ہے۔ آپکے سوانح میں ہے:

"مولانا مولوی انور علی شاہ صاحب صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرقپور شریف حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب کو بڑی ارادت سے ملے آپ ان سے (مولانا لاہوری سے) کچھ باتیں کرتے رہے اور شاہ صاحب خاموش رہے پھر آپ نے مولانا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ موٹر کے اڈے تک میاں صاحب خود سوار کراتے کے لیے تشریف لائے۔ شاہ صاحب نے میاں صاحب سے کہا' آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور رخصت کر کے واپس مکان پر تشریف لے آئے۔ بعد ازاں آپ نے بندہ سے فرمایا شاہ صاحب بڑے عالم ہو کر اور پھر میرے جیسے خاکسار سے فرما رہے تھے کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں اور حضرت میاں صاحب نے

---

[1] یہ سرخی اصل کتاب کی ہے ناقل کی نہیں [2] خزینہ معرفت باب نہم ص ۳۱۷

فرمایا کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں ان میں سے ایک شاہ صاحب ہیں۔[1]

یہ بات لائق افسوس ہے کہ موجودہ گدی نشینوں نے کتاب ہذا کے نئے اڈیشن میں کسی مصلحت سے یہ دوسرا حوالہ بالکل اڑا دیا ہے۔ کتاب پہلی دفعہ ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی تھی ــــــ اس میں یہ عبارت موجود ہے، جو ہم نے نقل کی ہے۔ خالی جگہ جہاں سے اس عبارت کا جز یہ اڑایا گیا ہے اس پیرے کی برابر نشاندہی کر رہی ہے علمی دنیا میں یہ خیانت انتہائی افسوس کے لائق ہے۔ بزرگوں کی باتوں کو مٹانے کی اس مجرمانہ سازش پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ کتاب ہذا کے صفحہ ۴۰۲ کے سامنے اسکا عکس دیکھیئے۔

خانقاہ گولڑہ شریف جناب پیر مہر علی شاہ صاحب کے مسلک کا کچھ ذکر پہلے آ چکا ہے۔[2] آپ حضرت مولینا اسماعیل شہیدؒ اور مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کے اختلافات سے ناآشنا نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں آپ کے ہمعصر تھے لیکن آپ کے ہاں ان کے علم و فتوے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ جب مولانا احمد رضا خاں حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے خلاف الکوکبۃ الشہابیہ جیسی سخت کتاب لکھ رہے تھے۔ جناب پیر مہر علی شاہ صاحب مولانا اسماعیل شہیدؒ کی مخالفت کی بجائے انہیں ان کی دینی خدمات پر مشکور اور اجر یافتہ قرار دے رہے تھے۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا ما فی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے۔ نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فریقین اعنی اسمعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے۔ شکر اللہ سعیہم۔ راقم سطور۔ دونوں کو ماجور (اجر پانے والا) و مثاب (ثواب پانے والا) جانتا ہے"[3]

اس عبارت میں جناب پیر مہر علی شاہ صاحب نے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی دونوں کے ماننے والوں کے لیے رحمت کی دعا کی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جناب پیر صاحب مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال ہرگز نہ تھے۔ آپ نے

---

[1] خزینہ معرفت باب ۱۳ صفحہ ۳۸۴ [2] دیکھئے کتاب ہذا صفحہ

[3] فتاویٰ [illegible]ریہ صفحہ ۱۵ و عجالہ بر دو سالہ صفحہ طبع دوم زیر عنوان فائدہ جلیلہ

اپنی کتاب فتوحات صمدیہ میں ایک جگہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ نقل کیا ہے اور آپ کا اسم گرامی اس طرح تحریر فرمایا ہے :

نقل فتوے جناب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی عَمَّ فَیضُہٗ (آپ کا فیض ہر جگہ پھیلے)[1]

آپ اکابر دیوبند کی علمی عظمت کے پوری طرح قائل تھے۔ ایک دفعہ آپ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا :

وہ حق کی صفت علیم کے مظہر تھے[2]

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قرآن عزیز کی تفسیر لکھی تو حضرت الشیخ مولانا ابو اسعد احمد خاں نے حضرت علامہ کو لکھا۔

آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہل اسلام پر ایک احسان عظیم فرمایا ہے اور میں تہجد کی نماز پڑھ روزانہ آپ کے لیے درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہوں کہ یہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے[3]

خانقاہ تونسہ شریف کی شاخ للہ کے جناب محمد حسین صاحب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کے ذکر میں لکھتے ہیں :

مولانا محمد انور شاہ محدث کشمیری دیوبندی ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء اور مولانا اشرف علی تھانوی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء آپ کے کمالات علمیہ کے مداح تھے اور آپ کا ذکر خیر بلند الفاظ میں فرماتے تھے اور پیر مہر علی شاہ صاحب بھی ان حضرات کا ذکر بڑے احترام سے فرمایا کرتے تھے اور ان کی علمی عظمت اور بلند مقامی کے معترف تھے۔ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بزرگ پیر سید جماعت علی شاہ اول سجادہ نشین علی پور شریف ضلع سیالکوٹ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فصوص الحکم تالیف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا درس لیا[4]

---

[1] فتوحات صمدیہ صفحہ ۶ مطبوعہ ملتان [2] ماخوذ از دار العلوم محرم یہ جون ۱۹۶۲ء [3] تحفہ سعدیہ صفحہ ۱۱۴ مطبوعہ لاہور۔ [4] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی صفحہ ۲۶۳ مطبوعہ سمن آباد لاہور۔

ناظرین کے لیے پھر دعوت فکر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں جو لٹھ لیے ساری عمر علماء دیوبند کے پیچھے پڑے رہے اگر ان حضرات کے عقائد میں واقعی کچھ وجوہ کفر تھے تو وہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کو کیوں نظر نہ آئے۔ جہاں تک علم و معرفت کا تعلق ہے مولانا احمد رضا خاں کا حضرت پیر صاحب کے مقابلہ میں کہیں شمار ہی نہ تھا۔ معلوم نہیں کہ بریلوی حضرات اس باب میں حضرت پیر صاحب گولڑہ کے خلاف مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ کیوں ہیں؛ انہیں چاہیئے کہ جناب پیر جماعت علی شاہ صاحب سے ہی سبق لے لیں جو حضرت پیر صاحب گولڑوی کے ساتھ تھے۔ اس سے واضح ہے کہ آپ بھی مولانا احمد رضا خاں صاحب سے خوش نہ تھے بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب میں مولانا احمد رضا خاں کسی دینی حلقہ میں کبھی بھی کوئی علمی یا روحانی پیشوا نہیں سمجھے گئے۔

چھوہر شریف ضلع ہزارہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن چھوہروی سلسلہ قادریہ کے قوی نسبت بزرگ تھے۔ حضرت عبدالغفور اخوند سوات، جناب سید فضل الدین صاحب گولڑوی اور خواجہ شمس الدین صاحب سیالوی کے ہمعصر تھے، اور اُن سے گہرے روابط تھے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمٰن کے حالات میں لکھا ہے۔

۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سکندر پور کے مدرسے میں پائی اور ہندوستان کی مشہور درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔[1]

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف (میانوالی)

نقشبندی سلسلہ کی اس خانقاہ کا فیض دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اکابر علمائے دیوبند یہاں بارہا تشریف لاتے رہے ہیں۔ اس خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا

---

[1] تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۶۰۵-۶۰۶ جناب اعجاز الحق قدوسی، شائع کردہ: اُردو بورڈ، لاہور۔

محمد عبد اللہ سلیم پوریؒ دار العلوم دیوبند کے فاضل اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔ موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا خان محمد صاحب دامت برکاتہم بھی دیوبند کے فاضل ہیں اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔

(۲۰) درگاہ اجمیر شریف

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے دو سلسلے زیادہ معروف چلے۔ چشتی نظامی اور چشتی صابری ——— بیشتر علماء دیوبند چشتی صابری ہیں۔ دار العلوم دیوبند کے پہلے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے والد مولانا مملوک علی صاحب مدتوں اجمیر میں صدر مدرس رہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے بھی یہیں سے تدریس کا آغاز کیا۔ مولانا احمد رضا خاں نے جب علماء دیوبند کے خلاف تکفیر کا آغاز کیا۔ اس وقت اجمیر میں حضرت مولانا معین الدین اجمیری صدر مدرس تھے۔ مولانا احمد رضا خاں نے آپ سے بھی اپنے فتوئے تکفیر کی تائید لینی چاہی۔ آپ نے صاف انکار کر دیا۔ پھر خان صاحب آپ کے پیچھے پڑ گئے اور بات یہاں تک پہنچی کہ حضرت مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا احمد رضا خاں کے خلاف ایک مستقل رسالہ لکھا۔ اس میں آپ نے اعلیحضرت کی بہت خصوصیات ذکر فرمائی ہیں ——— فضیلت کے تحت لکھتے ہیں :-

خلقت آپ کی فضیلت سے بے حد نالاں ہے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا مگر درحقیقت یہ وہ فضیلت ہے جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی کے حصہ میں نہیں آئی [۱]

حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ تو علمائے دیوبند میں سے نہ تھے خیر آبادی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی کے شیخ تھے آپ نے مولانا احمد رضا خان کا ان کی تحریک تکفیر میں ساتھ نہ دیا بلکہ اس کے برعکس ان کی اس روش کی پُر زور مذمت کی ہے

---

۱ تجلیات انوار المعین ص ——— مطبوعہ اجمیر شریف

بریلویوں کے غازی ملت ہاشمی میاں حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ کو آفتاب علم لکھتے ہیں۔ انہیں شمس العلماء کے لقب سے یاد کرتے ہوئے ان کے تعارف میں لکھتے ہیں :۔

مولانا فضل حق مرحوم کی تحریک آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔ مولانا مرحوم کا جو عزم جہاد انگریزوں کے خلاف تھا وہ آپ کی گرانقدر کتاب ہنگامہ اجمیر سے ظاہر ہے۔ یہ کتاب بھی انگریزوں نے ضبط کرلی تھی۔ چند نسخے جو بچ رہے وہ آج بھی کہیں کہیں علمائے اہل سنت کے پاس پائے جاتے ہیں۔[1]

حضرت مولانا اجمیریؒ نے مولانا احمد رضا خاں کی تحریکِ تکفیر کی جن الفاظ میں مذمت کی ہے۔ اس سے خانصاحب کے شوقِ تکفیر کا پورا پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن حضرت اجمیریؒ کی مندرجہ ذیل سطور تو خان صاحب کو بالکل ہی بے نقاب کر دیتی ہیں :۔

اعلیحضرت نے سمجھ لیا تھا کہ اس چودہویں صدی کے لوگ جبکہ ایک[2] پنجابی کے دعوی نبوت کو ٹھنڈے دل سے سن کر اس کو تسلیم کرنے میں عذر نہیں کرتے اور دوسرے پنجابی[3] کی صدا سن کر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر آباد کہہ دیتے ہیں۔ تو چلو آؤ اس آپا دھاپی کے زمانہ میں خود بھی بہ نسبت ان کے ایک سہل دعوے کر کے اپنی ایک ممتاز جماعت کھڑی کر لو...... کچھ مختصر سی بے[4] ہنگام جماعت ہاں میں ہاں ملانے والی اور ہم کو مجدد ماننے والی سردست موجود ہے۔ اہل علم کے تسلیم نہ کرنے سے قادیانی کا کیا بگڑا جو اس کا خراب اثر ہم پر پڑے گا... ... ایک جاہل جماعت کے جہل کو خدا سلامت رکھے۔ تو اپنے لئے بھی سب کچھ ہو لے گا۔[5]

---

[1] المیزان احمد رضا نمبر ص ۲۹۶ [2] مرزا غلام احمد قادیانی [3] منکر حجیت حدیث مولوی عبد اللہ چکڑالوی۔ [4] بریلوی ایک مختصر سی جماعت ہے۔ ان کی اکثریت کا دعوے بالکل بے جا ہے۔ ان کی قلت تعداد پر یہ ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے۔ مسلمانوں میں اکثریت ہمیشہ عام اہل السنۃ والجماعۃ کی رہی ہے۔ [5] تجلیات ص ۲

شمس العلماء حضرت مولانا اجمیری نے مولانا احمد رضا خاں کا یہاں کیا حشر کیا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم قارئین کو صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ حضرت مولانا اجمیری نے مولانا احمد رضا خاں کے شوقِ تکفیر میں ان کا ساتھ نہیں دیا۔ بلکہ ان کے اس شوقِ تکفیر کی پُرزور مذمت کی ہے۔

ایک سلیم الفطرت انسان یہاں یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ :

ان قوی نسبت روحانی بزرگوں کو علماء دیوبند کی عبارات میں وہ کیڑے کیوں نظر نہ آئے جو مولانا احمد رضا خاں نے دیکھ لیے اور ان علماء عرب سے جو اردو نہ جانتے تھے ان کی تصدیق حاصل کر لی؟ ملک کی وہ عظیم خانقاہیں جو روحانیت کا مرکز تھیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی وہاں کوئی پذیرائی نہ ہو سکی اور یہ بات عام تھی کہ مولانا احمد رضا خاں کی اس مہم کے پیچھے غیر ملکی سیاسی ہاتھ ہے جو مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہا ہے۔

ان خانقاہوں کے علاوہ اور کئی روحانی شخصیتیں تھیں جن کے ہاں علماء دیوبند کی عظمت برابر مسلم تھی اور وہ اپنے حلقوں میں علماء حق کی خدمات کا برابر اعتراف کرتے تھے۔ مثلاً:-

۱۔ جناب سائیں توکل شاہ صاحب | جناب سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی نقشبندی مجددی سلسلہ کے نہایت قوی بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامات سے بہت نوازا تھا۔ آپ اپنی اس باطنی شان سے علماء دیوبند کو خوب پہچانتے تھے اور ان کی عظمت اور روحانیت کے پوری طرح قائل تھے۔ آپ کے خلیفہ مولانا مشتاق احمد اپنی کتاب انوار العاشقین میں لکھتے ہیں:

> حضرت عارف باللہ شیخی توکل شاہ صاحب مجددی نے عاجز سے فرمایا تھا کہ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ مولانا محمد قاسم توجہاں پائے مبارک حضورؐ کا پڑتا ہے وہاں دیکھ کر پاؤں رکھتے ہیں اور میں بے اختیار بھاگا ہوں کہ حضورؐ کے پاس پہنچوں چنانچہ میں آگے ہو گیا۔[۱]

---

[۱] انوار العاشقین صفحہ ۸۸ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

آپ کی مجلس میں انگریز حکومت کے کسی ایجنٹ نے کہا کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو امکان کذب کے قائل ہیں۔ آپ نے یہ سن کر گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا:

لوگو! تم کیا کہتے ہو مولانا رشید احمد کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

یہ ان لوگوں کا مشاہدہ ہے جنکی بصیرت چاروں طرف مسلم تھی اور ان لوگوں کے بارے میں مشاہدہ ہے جو اپنی جگہ علم و عرفان کے آفتاب اور مہتاب تھے۔

غیر جانبدار علمی شخصیات میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی، مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا عبداللہ ٹونکی مولانا غلام محمد گھوٹوی اور مولانا اصغر علی روحی کے اسماء گرامی یاد رکھنے کے لائق ہیں ان حضرات میں سے کسی نے مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا اور مسائل کے اختلاف کے باوجود ان حضرات اور علماء دیوبند میں کفر و اسلام کے فاصلے ہرگز نہ تھے۔

حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی

آپ نے ۱۳۱۳ھ میں مولانا احمد رضا کو ایک مفصل خط لکھا تھا جسمیں آپ نے انہیں شغل تکفیر سے منع فرمایا۔ آپ نے لکھا:۔

ذرا غور فرمایئے ہماری سختی اور تشدّد نے ہمارے فرقہ اہل سنت اور بالخصوص احناف کو کیسا سخت صدمہ پہنچایا۔ آپ اس خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

"مولانا خدا کے لیئے غور کیجئے اور دشمنانِ دین کو ہم پر اور ہمارے پاک مذہب پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے [1]"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی نظر میں مولانا احمد رضا خاں دشمنانِ اسلام کو اسلام پر ہنسنے کا موقع دے رہے تھے اور بے جا تشدّد سے اہل سنت کے دو ٹکڑے کر رہے تھے۔

---

[1] سیرت مولانا محمد علی مونگیری مصنفہ سید محمد حسنی مطبوعہ شاہی پریس لکھنؤ (ماخوذ از مراسلات سنت و ندوہ صفحہ ۱۶)۔

حضرت مولانا اصغر علی روحی

۱۹۲۰ء میں تحریکِ موالات زوروں پر تھی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال ان دنوں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سیکرٹری تھے انجمن میں سوال پیدا ہوا کہ گرانٹ وغیرہ کے سلسلہ میں حکومت سے ترک معاملت کی جائے یا نہ؟ جمہور مسلمانوں کی رائے عدم تعاون کے حق میں تھی" علامہ اقبال خود جمعیت علماء ہند کے فیصلے کے منتظر تھے اور ترک موالات کے ہم خیال تھے۔

ڈاکٹر اقبال نے ۱۴ر نومبر ۱۹۲۰ء کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے سامنے یہ رپورٹ پیش کی۔

ہمارے پاس متعدد فتوے موصول ہو چکے ہیں جن میں جمعیت علماء ہند کا ایک فتویٰ ہے جس پر اٹھالیس علمائے کرام کے دستخط ہیں علماء فرنگی محل، علماء دہلی، علماء مدرسہ الہیات کانپور کے فتوے بھی موصول ہو چکے ہیں ان کے علاوہ شیخ الہند علیہ حضرت مولانا محمود الحسن کا فتوہ بھی پہنچا ہے۔ یہ سب فتوے عدم تعاون کے حق میں ہیں۔ میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب (گولڑہ) کو لکھا تھا لیکن ان کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ عدم تعاون کے خلاف جو فتوے میرے پاس موصول ہوئے ہیں ان میں ایک فتویٰ تو حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا فتویٰ مولانا اصغر علی روحی کا ہے جس میں انہوں نے عدم تعاون کی تو تائید کی ہے لیکن سکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی اپنا انتظام نہ ہو جائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں[2]۔

اس رپورٹ کے مطابق مولانا اصغر علی روحی اور پروفیسر حاکم علی کے سوا سب علماء ترک موالات کے حق میں تھے۔ مولانا احمد رضا خاں تحریکِ ترکِ موالات کے خلاف تھے اور نہ چاہتے تھے کہ کسی عمل سے انگریزوں کی حکومت کو کوئی نقصان پہنچے۔

پروفیسر حاکم علی صاحب اسلامیہ کالج نے اپنے فتوے کی تصدیق میں مولوی احمد رضا خاں بریلوی سے ایک فتویٰ حاصل کیا۔ پروفیسر صاحب خود بریلی تشریف لے گئے تھے۔ لاہور واپس آنے پر انہوں نے مولانا اصغر علی روحی سے استدعا کی کہ وہ بھی

---

[1] اقبال اور انجمن حمایت اسلام [2] روزنامہ زمیندار، ۱۶، نومبر ۱۹۲۰ء

مولوی احمد رضا خاں صاحب کے فتوے پر دستخط کریں لیکن چونکہ حضرات دیوبند
مولوی اشرف علی تھانوی پر اس فتوے میں سب وشتم کیا گیا تھا اس واسطے مولوی
اصغر علی صاحب نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا[۱]

ان حالات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر علامہ اقبال علمائے دیوبند کی قدر و منزلت کے پوری طرح قائل تھے۔ حضرت مولانا محمود الحسنؒ کو شیخ الہند اور حضرت کے احترامات کے ساتھ ذکر کرتے تھے۔ وہاں یہ بات بھی نمایاں ہوتی ہے کہ وہ علماء جو اس سیاسی ماحول میں بعض مسائل میں مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال تھے وہ بھی مولانا احمد رضا خاں کے اس رویّے کو جو موصوف نے علمائے دیوبند کے خلاف اختیار کر رکھا تھا نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مولانا احمد رضا خاں کے فتوے پر دستخط کرنے میں عار محسوس کرتے تھے۔ مولانا اصغر علی روحی نے بھی مولانا احمد رضا خاں کے فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت مولانا غلام محمد گھوٹوی

ضلع گجرات قصبہ گھووال کے رہنے والے تھے۔ گھوٹہ ضلع ملتان میں حافظ جمال الدین صاحب سے ـــــــ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں مولانا غلام محمد نے پڑھا۔ پھر مولانا احمد حسن کانپوری سے اور پھر مولانا عبد الحق خیر آبادی سے رامپور میں تعلیم حاصل کی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعہ رہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے خاص ارادت مندوں میں سے تھے۔ بہاولپور کے مشہور مقدمہ مرزائیت میں محدث العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ اور مناظر اسلام حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ کو عدالت میں شہادت دینے کے لیے آپ نے ہی دیوبند سے بلایا تھا۔ آپ کا خط لے کر حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ دیوبند گئے تھے۔ حضرت مولانا گھوٹویؒ نے ان اکابر دیوبند کا

---

[۱] اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام صد

جس حسن عقیدت سے استقبال کیا۔ اس نے مولانا احمد رضا خاں کے فتوے تکفیر کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ مدرسہ منظر الاسلام بریلی کے سنسان جنگل میں اس وقت کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا۔ جو مرزائیت کے خلاف مسئلہ نکاح میں عدالت کو متاثر کر سکے ـــــ آپ خود ہی غور فرمالیں کہ حضرت مولانا گھوٹویؒ نے خان صاحب کے فتوے تکفیر کی کیوں تصدیق نہ کی ؟ یہ محض اس لیئے کہ فتوے غلط تھا۔

حضرت مولانا عبداللہ ٹونکیؒ

مولانا محمد عبداللہ ٹونکی مسئلہ خلفِ وعید میں علمائے دیوبند کے ہم خیال نہ تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا حضرت شیخ الہندؒ سے ایک مناقشہ بھی ہوا۔ آپ نے بھی علمائے دیوبند کی تکفیر میں خانصاحب کی موافقت نہ کی۔ علماء دیوبند کی عبارات میں اگر کہیں واقعی کفری معنی ہوتے تو مولانا عبداللہ ٹونکی ضرور اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور ان عبارات کی نشاندہی کرتے ـــــ اختلاف کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا۔ کہ انسان دوسروں کو کافر کہہ کر ہی دم لے۔ مولانا احمد رضا خاں کے حلقہ کے لوگ پھر مولانا محمد عبداللہ ٹونکی پر بھی ٹوٹے۔ ان کے مفتی عبدالقادر لکھتے ہیں :۔

عقائد مولوی عبداللہ ٹونکی سراسر باطل در باطل اور غلط در غلط ہیں مفتی صاحب نے باوصف ادعائی حنفیت اجتہاد سے کام لیا ہے[۱]

رسالہ ازالۃ الضلالہ جو خاص مولانا عبداللہ ٹونکی کے ہی رد میں لکھا گیا ہے۔ اس پر مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی اور مولانا امجد علی اعظمی کے بھی دستخط موجود ہیں۔

غیر جانبدار علماء کا یہ طرزِ عمل مولانا احمد رضا خاں کے غلط رویئے کے خلاف ایک منہ بولتی شہادت ہے۔ وقت کے مسلم مراکز علمی اور روحانی کا بے لاگ طرزِ عمل آپ کے سامنے ہے مولانا احمد رضا خاں کو اپنے قریب کے دور میں کہیں سے کوئی معقول حمایت حاصل نہ ہوسکی تھی۔

---

[۱] دیکھیئے الطاری الداری حصہ اول ص۱۶

ان علمی اور خانقاہی مراکز کے علاوہ بیسیوں ایسے حضرات تھے جو قوم و ملت کا درد بھی رکھتے تھے اسلامی کاموں میں حصہ بھی لیتے تھے اور علمی اصطلاحات سے بھی ناواقف نہ تھے۔ اردو ان کی اپنی زبان تھی اور مولانا احمد رضا خاں کی تکفیر بھی ان کے سامنے تھی مگر انہوں نے مولانا موصوف کی تکفیری مہم میں ان کا ساتھ نہ دیا وہ علماء دیوبند کو برابر مسلمان سمجھتے رہے اور انہوں نے دیوبندی بریلوی تفرقے کو ہمیشہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں اگر کہیں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی بے ادبی اور گستاخی ہوتی تو نہ ان سے چھپی ہوتی اور نہ اس پر یہ حضرات کبھی خاموش بیٹھ سکتے تھے

ان حضرات میں مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خاں، مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی، ڈاکٹر علامہ اقبال مولانا شوکت علی، قاضی عبدالمجید (صدر سیرت کمیٹی) چودھری افضل حق، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں اور جناب سید حبیب ایڈیٹر روزنامہ سیاست لاہور کی شخصیتوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حضرات کسی فرقہ وارانہ ذہن کے نہ تھے۔ دین و ملت کی خاطر جرأت اور قربانی ان کی تاریخ تھی ان حضرات کا مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دینا بتلاتا ہے کہ علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں ہرگز ہرگز کوئی کفری معنی نہ تھے۔ طوالت کے خوف سے ان دس حضرات میں سے ہم صرف پانچ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ مولانا محمد علی جوہر آپ شیخ طریقت مولانا عبدالباریؒ سے بیعت تھے۔ مولانا عبدالباریؒ نے مولانا احمد رضا خاں کو لکھ بھیجا:

ہمارے اکابر نے اعیان علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کی اس واسطے جو حقوق اہل اسلام کے ہیں ان سے ان کو کبھی محروم نہیں رکھا[1]۔ مولانا محمد علی پر مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم کا کوئی اثر نہ تھا۔ نہ مولانا محمد علی علماء دیوبند کی کسی عبارت کو کفریہ عبارت سمجھتے تھے۔ کراچی کے مشہور مقدمہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا مدنی نے عدالت میں جو ایمان افروز بیان

---

[1] ازالۃ الضلالۃ فی ابارۃ الہدایہ صفحہ ۶ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور

دیا اس پر آپ نے بر سر عدالت حضرت مولانا مدنی کے پاؤں چوم لیے تھے۔

بریلوی حضرات نے مولانا محمد علی جوہر پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر علامہ اقبال دیو بند کے محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری لاہور تشریف لائے اور ڈاکٹر علامہ اقبال کی کوٹھی پر قیام فرمایا تو بریلوی حلقوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ انجمن خدام الدین لاہور کے جلسے میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی تشریف لائے تو ان کے سامنے ڈاکٹر اقبال کی نیاز مندی اس ہیجان میں اور اضافے کا سبب ہوئی۔ انجمن حمایت اسلام لاہور سے قادیانیوں کا اخراج علماء دیو بند اور ڈاکٹر اقبال کی انہی مجالس کا ثمرہ تھا۔

بریلوی حضرات اس پر خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔ لاہور میں مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ نمائندے اور نقیب خاص مولانا دیدار علی الوری تھے۔ پنجاب میں تھوک تکفیر کا محکمہ انہی کے سپرد تھا اسی مناسبت سے وہاں بریلویوں کو الوری کہتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال کو بریلویوں کی مشق تکفیر سے سخت نفرت تھی۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

گر فلک در الور اندازد ترا	اے کہ سے دانی تمیز خوب و زشت
گویمت در مصرعہ برجستہ	آنکہ بر قرطاس دل باید نوشت
آدمیت در زمین او مجو	آسماں ایں دانہ در الور نکشت
کشت اگر آب و ہوا خر رستہ است	زانکہ خاکش را خمیرے آمد سرشت [1]

(ترجمہ) اے وہ جو اچھے اور برے میں فرق جانتا ہے گردش زمانہ اگر تجھے کبھی الور لے جائے تو تجھے ایک برجستہ مصرعے میں بات کہتا ہوں جو لوح دل پر لکھنے کے لائق ہے کہ الور کی زمین میں انسانیت کی تلاش نہ کرنا۔ قدرت نے یہ دانہ الور میں بویا ہی نہیں۔

ڈاکٹر اقبال بہت مخلص مسلمان تھے۔ ان کے دینی احساسات بہت لطیف تھے۔ دین و ملت کے خلاف کوئی بات سنتے تو فوراً تڑپ اٹھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی گستاخی اور بے ادبی

---

[1] روزگار فقیر جلد ۲ صفحہ ۲۳۳

پر خاموش بیٹھنا ڈاکٹر صاحب کے لیے ناممکن تھا۔ علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں کہیں کوئی غلط بات ہوتی تو ڈاکٹر صاحب اس پر خاموش نہ بیٹھ سکتے تھے۔

ایک دفعہ آپ کو ایک غلط اخباری اطلاع ملی کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے برسر منبر کہا ہے کہ ملّت کی اساس وطن پر رکھنی چاہیئے۔ اب آپ کے لیے اس غلط بات پر خاموش بیٹھنا ممکن نہ تھا۔ ایک قطعہ لکھ دیا۔

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

ڈاکٹر صاحب کو حقیقت حال پر اطلاع ہوئی تو آپ نے معذرت فرمائی اور کہا کہ اب انہیں حضرت مولانا حسین احمد سے کوئی اختلاف نہیں رہا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو اقبال اتنی سی بات پر دیوبند کے خلاف بول اُٹھا اور جب تک اطمینان نہ ہو گیا معذرت نہ کی۔ وہ اقبال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی عبارت حفظ الایمان پر کیسے خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بے ادبی اور گستاخی ہوتی تو ڈاکٹر صاحب فوراً اس پر تڑپ اٹھتے۔ جس اقبال نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے دروازے قادیانیوں پر بند کر دیئے تھے۔ وہ دیوبند کی کتاب تحذیر الناس میں ختم نبوت کے خلاف کوئی بات پاتے تو کیا وہ چپ رہ سکتے تھے؟ اس کتاب میں واقعی کوئی بات غلط ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں کو تینوں مختلف مقامات سے اس کی عبارت جوڑ کر ایک عبارت بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں جو "کفریہ" معنی مولانا احمد رضا خاں کو نظر آئے انہیں ڈاکٹر علامہ اقبال کی باریک نظر کیوں نہ دیکھ سکی

ڈاکٹر اقبال کے ذہن پر علماء دیوبند کی چھاپ تھی۔ جب انہیں یہ غلط اطلاع[1] ملی کہ مولانا حسین احمد نے ملت کی اساس وطن قرار دی ہے تو انہوں نے اسے صرف مولانا حسین احمد یا دیوبند کی غلطی نہیں بتلایا بلکہ پورے عجم کی فرد گذاشت بتلایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے ذہن میں دیوبند کی غلطی پورے عجم کی غلطی تھی اور دیوبند پورے عجم میں اسلام کا ترجمان تھا۔ یہ بات اسی ذہن سے نکل سکتی ہے جس پر دیوبند کی عبقریت پوری طرح پیوست ہو۔ جمعیت علماء ہند کی قدر و منزلت بھی اقبال کے دل میں کیا تھی، اس کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ تحریک خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے بارے میں ڈاکٹر اقبال مرحوم کو جمعیت علمائے ہند کے فیصلے کا ہی انتظار تھا۔ ڈاکٹر صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں

میں مذہب کو تمام چیزوں سے بالاتر سمجھتا ہوں اور علماء کرام کو اپنا — مانتا ہوں۔ اس لیے جمعیت علماء ہند جو فیصلہ کرے گی وہی میری رائے ہے (اقبال کے حضور میں صفحہ ۱۹۸)

ڈاکٹر اقبال پر فتویٰ کفر

مولانا احمد رضا خاں نے فتویٰ دیا تھا کہ جو شخص علماء دیوبند کے کفر میں شک کرنے یا انہیں کافر کہنے

---

[1] حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ۸ رجنوری ۱۹۳۸ء کی شب دہلی میں ایک تقریر کی۔ اخبار الامان اور وحدت نے اسکی غلط رپورٹنگ کر دی۔ ان سے اسے انقلاب اور زمیندار نے لے لیا۔ پھر ڈاکٹر اقبال نے اس پر تینوں شعر کہہ ڈالے جو روزنامہ احسان میں شائع ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو حقیقت حال بتلائی گئی تو آپ نے روزنامہ احسان کے ایڈیٹر کو لکھا:

مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا ..... مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔

(روزنامہ احسان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء)

سے احتراز کرے وہ بھی کافر ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی علماء دیوبند سے عقیدت مندی ہی ان کے لیے وجہ کفر نہ تھی۔ وہ سلطان ابن سعود کی حمایت میں بھی بیان دے بیٹھے تھے۔ یہ ان کے لیے دوسری وجہ کفر ہوگئی۔ اب بریلویوں نے ان کے اشعار میں کفریہ معنوں کی تلاش کی۔ آفتاب کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب نے ایک نظم لکھی تھی۔ جو دراصل گایتری منتر کا ترجمہ تھی اور اس میں تاویل کی بہت گنجائش تھی۔ وہ ان کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر کیا تھا بریلوی علماء حرکت میں آگئے۔ ڈاکٹر اقبال کے عہد شباب میں مولانا احمد رضا خاں وفات پاگئے تھے۔ اس لیے اب ان کی تکفیر کا سہرا آپ کے خلفاء کے سر پہ تھا۔

سلطان ابن سعود کی تطہیر حجاز کی مہم نے ہندوستان کے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ انگریز ان لوگوں کے ساتھ تھے جو سلطان ابن سعود کی مخالفت کریں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سعودیوں نے شریف مکہ سے اقتدار چھینا تھا اور وہ انگریزوں کا حلیف تھا۔ اس نے جنگ یورپ میں ترکوں کے خلاف انگریزوں کا شرمناک ساتھ دیا تھا۔ علامہ اقبال سلطان ابن سعود کی حمایت میں بیان دے کر کھل چکے تھے۔ ترکوں کی حمایت، علماء دیوبند کی عقیدت اور سلطان ابن سعود کی تائید قابل معافی جرم نہ تھے۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا،

اے آفتاب ہم کو ضیائے شعور دے ۔۔۔ چشم خرد کو اپنی تجلی سے نور دے
ہے محفل وجود کا ساماں طراز تو ۔۔۔ یزدان ساکنان نشیب و فراز تو

مولانا دیدار علی الوری کا فتویٰ کفر

"اسم پروردگار اور یزدان عرفاً خصوصاً ذات جناب باری تعالیٰ ہے اور اوتار ہنود کے نزدیک خدا کے جنم لینے کو کہتے ہیں۔ اندریں صورت یزداں اور پروردگار آفتاب کو کہنا صریح کفر ہے۔ علیٰ ہذا خدا کے جنم لینے کا عقیدہ بھی کفر ہے اور توہین موسیٰ علیہ السلام بھی کفر اور توہین بزرگان دین فسق۔ لہٰذا جب تک ان کفریات سے قائل اشعار مذکورہ توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کردیں، ورنہ سخت گنہگار ہوں گے۔"[1]

ابو محمد دیدار علی الخطیب فی مسجد وزیر خاں

[1] روزنامہ زمیندار ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء پروردگار اور یزدان تو بقول ان کے خدا سے مخصوص ہیں لیکن

۱۲/۱

مولانا حشمت علی لکھنوی کا فتویٰ کفر

ہم نہیں سمجھتے کہ ڈاکٹر صاحب ایسے عقائد رکھتے ہوئے کیسے مسلمان ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اسلام کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ان اعتقادات کے باوجود بھی ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور اسلام گھڑ لیا ہے اور وہ اپنے اس گھڑے ہوئے اسلام کی بناء پر مسلمان ہیں۔[1]

ڈاکٹر صاحب کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے۔[2]

جناب عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

اس فتوے پر ملک بھر میں شور مچ گیا۔ مولوی دیدار علی (خلیفہ مولانا احمد رضا خاں) پر ہر طرف سے طعن و ملامت کی بوچھاڑ ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے زمیندار میں اس جاہلانہ فتوے کی چیتھاڑ کر دی ..... مولوی دیدار علی کی اس حرکت سے علماء کرام کے اجتماعی وقار کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ مسلمانوں کے تمام طبقات عالم و عامی — قدیم تعلیم یافتہ اور جدید پڑھے ہوئے لوگ علامہ اقبال کو نہایت مخلص مسلمان، عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمدرد ملت اور حامی دین اسلام تسلیم کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ہمارے علماء کے نزدیک اقبال جیسا مسلمان بھی کافر ہے تو پھر مسلمان کون ہے۔[3]

اس وقت ہمیں اس فتویٰ کفر سے بحث نہیں، بریلویوں کا شوق تکفیر ذکر کرنا پیش نظر تھا۔

خداوند کا لفظ ان کے ہاں خدا سے مخصوص نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خداوند عرب کہہ سکتے ہیں اور اسے خداوند عرب کہہ کر ندا کر سکتے ہیں (ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول صـ ۱۲۷) اقبال پر چونکہ فتویٰ کفر دینا تھا اس لیے اس کے لیے کسی تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ علماء دیوبند سے کیوں عقیدت رکھتا ہے اور سعودیوں کے حق میں اس نے کیوں بیان دیا ہے۔

[1] تجانب اہل السنۃ مصدقہ مولانا حشمت علی صـ ۳۴۵، [2] ایضاً صـ ۳۴۰ [3] ذکر اقبال صـ ۱۲۹

اس وقت ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ علماء دیوبند کی جن اردو عبارات پر مولانا احمد رضا خاں اور ان کے خلفاء، مولانا دیدار علی اور مولانا حشمت علی کفر کے فتوے دیتے رہے۔ وہ عبارات آخر علامہ اقبال جیسے مخلص اور دردمند ملت مسلمان کے سامنے بھی تو آئی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو ان میں وہ "کفریہ" معنی کیوں نظر نہ آئے جو مولانا احمد رضا خاں کو نظر آ گئے تھے۔ ڈاکٹر اقبال جیسے غیر جانبدار حضرات نے ان عبادات کے وہی معنی مراد سمجھے تھے جو ان کے مصنفین کی مراد تھے ان عبارات کو کھینچ تان کر انبیاء کرام و اولیاء عظام کی بے ادبی اور گستاخی پر لانا، مولانا احمد رضا خاں کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بجا کہا تھا ؎

مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند ہے وہ کافر جس کو اُن سے ہو ذرا بھی اختلاف

چودھری افضل حق مرحوم چودھری افضل حق مرحوم اردو کے نہایت بلند پایہ ادیب تھے۔ زندگی اور محبوب خدا جیسی کتابیں آپ کے دینی اور ادبی ذوق کی کھلی شہادت ہیں۔ آپ پہلے گورنمنٹ ہند میں ایک بڑے آفیسر تھے۔ پھر امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی جاذب شخصیت نے آپ کو پبلک زندگی میں کھینچ لیا۔ آپ سب آرام اور عہدے ترک کر کے پبلک پلیٹ فارم پر آ گئے اور پھر ساری زندگی دین و ملت کی خدمت میں گذار دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو والہانہ عشق تھا "محبوب خدا" کی سطر سطر اس عقیدت کی آئینہ دار ہے۔ مولانا حامد رضا خاں اپنے دورہ پنجاب میں چودھری صاحب سے بھی ملے اور انہیں انبیاء و اولیاء کی گستاخی کے نام پر مولانا عطاء اللہ بخاری سے متنفر کرنے کی بہت کوشش کی۔ علماء دیوبند کی عبارات بھی دکھلائیں مگر چودھری صاحب مرحوم نے ان عبارات کے حاملین کو ان پر اعتراض کرنے والے جاہلین کو بہت قریب سے دیکھا ہوا تھا۔ وہ علماء دیوبند کے عشق رسول سے ناواقف نہ تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی دن رات کی رفاقت سے ان پر عیاں تھا کہ یہ حضرات خدا اور اسکے رسول برحق کے بے ادب اور گستاخ نہیں بلکہ باادب بھی جانتے تھے کہ اسلام کے لیے قربانی ان حضرات کی تاریخ رہی ہے۔

چودھری صاحب مرحوم کو علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں وہ "کفریہ" معنی کہیں دکھائی نہ دیئے جو مولانا احمد رضا خاں نے ان میں ڈال رکھے تھے اور تحریف معنوی سے انہیں وہ کفر ثابت کر رہے تھے۔ ایک ایسا شخص جو کسی طرح دیوبند سے وابستہ نہیں۔ اردو عبارت سمجھنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ خود بھی مصنف ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُسے والہانہ محبت بھی ہے اور علماء دیوبند کی تحریرات اور ان کے علماء کی شبانہ روز زندگی پر بھی اسکی نظر ہے اور سچائی کی خاطر اعلیٰ ملازمت اور زندگی کو قربان کرنے کا جذبہ بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے پھر بھی وہ علماء دیوبند کو ہی اسلام کا صحیح ترجمان اور انہیں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فدائی سمجھتا ہے تو یہ بات یقینی قرار پاتی ہے کہ علماء دیوبند کی زیر بحث عبارات میں ہرگز کوئی کفری معنی نہ تھے اور محض الزامات کے سہارے ان کے عقائد کا تعین کرنا علم و دیانت اور اخلاق و شرافت سے بہت بعید ہے۔

سیّد حبیب ایڈیٹر روزنامہ سیاست لاہور

مجلس احرار اسلام اور سید حبیب کے مابین شدید اختلافات تھے سیّد حبیب رسوم و بدعات میں مولانا احمد رضا خاں کے ہم مسلک تھے لیکن معرکہ تکفیر میں وہ بھی مولانا احمد رضا خاں کے ہمنوا نہ تھے۔ وجہ یہ تھی کہ سید حبیب ہندوستان میں انگریزی عملداری کے حامی نہ تھے اور انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ انگریز حکومت کی خوشنودی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں تفریق ڈالی جائے۔ سید صاحب موصوف بھی علماء دیوبند کی ان زیر بحث عبارات میں وہ معنی نہ دیکھ سکے جو مولانا احمد رضا خاں کو انگریزوں کی عینک سے نظر آ رہے تھے بلکہ آپ نے رسم و رواج میں بریلوی ہونے کے باوجود علماء دیوبند کی عظیم اسلامی خدمات کا نہایت واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

جہاں تک تحفظ دین، تردید مخالفین اور اصلاح المسلمین کا تعلق ہے، دارالعلوم دیوبند کے مدرسین و مبلغین کا حصہ سارے ہندوستان سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ مثال کے طور پر ان غیر مجدد

کوششوں کو ملاحظہ کر لیا جائے جو آریہ سماج نے اسلام کے خلاف کیں تو آپ کو روز روشن کی طرح نظر آئے گا کہ ان کی مساعی کے مقابلے میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر جو سینہ سپر ہوا وہ مدرسہ عالیہ دیو بند ہے۔ ؎۱

قاضی عبدالمجید قریشی صدر سیرت کمیٹی قاضی صاحب مرحوم نے سیرت کے عنوان سے ایک ملک گیر تحریک شروع کی تھی۔ پٹی ضلع لاہور میں اس کا دفتر تھا۔ اس کے تحت ہندوستان کے ہر ہر شہر اور ہر ہر قریہ میں سیرت اور میلاد کے جلسے ہوتے تھے۔ علماء دیو بند کو قاضی صاحب مرحوم سے بعض امور میں اختلاف تھا۔ اس لیے سیرت کمیٹی کے جلسوں میں زیادہ تر بریلوی علماء ہی شرکت کرتے تھے قاضی صاحب مرحوم علماء دیو بند سے اختلاف کے باوجود مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم کے ہمنوا نہ تھے، نہ انہیں علماء دیو بند کی اردو عبارات میں کہیں وہ کفریہ معنی نظر آئے تھے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر قرار پائے۔ مولانا احمد رضا خاں ان دنوں فوت ہو چکے تھے اس لیے سیرت کمیٹی کی تکفیر کا سہرا اب ان کے خلیفہ مولانا حشمت علی خاں کے سر پر تھا موصوف لکھتے ہیں

بحکم شریعت مطہرہ مسلمانوں کو سیرت کمیٹی میں شامل ہونا اور اس کا ممبر ہونا حرام۔ حرام۔ حرام ؎۱

جو لوگ سیرت کے اقوال کفریہ قطعیہ یقینیہ پر اطلاع یقینی حاصل کر لینے کے بعد بھی ان کے قائلین کو کافر مرتد کہنے میں توقف کرتے ہیں یا ان کے کافر ہونے میں شک رکھتے ہیں وہ خود بحکم شریعت مطہرہ کافر مرتد ہیں ؎۲

عود الی المقصود غیر جانبدار اردو داں حضرات کی کافی شہادتیں آپ کے سامنے آ چکیں۔ ان حضرات نے اگر علماء دیو بند کو مسلمان سمجھا اور ان کی زیر بحث عبارات کے وہی معنی مراد سمجھے جو خود ان کے مؤلفین بیان کرتے تھے تو اب اس میں شک نہیں ہونا چاہیئے کہ مولانا احمد رضا خاں کی تکفیری مہم کے پیچھے یقیناً کوئی سیاسی ہاتھ تھا۔ ان کے

؎۱ روزنامہ سیاست لاہور ۲۸ جون ۱۹۲۷ء ؎۱ راز سیرت کمیٹی ص ۵۵ ، ؎۲ ایضاً ص ۵۶

اس عمل سے امت کا شاید ہی کوئی فرد ہو جو الزام کفر سے بچا ہوا اور یہ صحیح ہے کہ " احمد رضا اور سارے مسلمانوں کی تکفیر ایک عنصر کے دو نام ہیں" المیزان احمد رضا نمبر صفحہ ۴۴

فتوے کفر کی بریلوی بہار آپ دیکھ چکے یہ حقیقت بھی آپ کے سامنے کھل چکی کہ غیر جانبدار زعمائے قوم جیسے محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، مولانا ظفر علی خاں اور چودھری افضل حق وغیرہ نے بریلویوں کی مشق تکفیر کو کبھی اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ تحریک خلافت اور مسلم لیگ کے کئی رہنما اس دار فانی سے رخصت ہوئے لیکن مولانا احمد خاں کے مدرسہ بریلی میں کبھی کسی کے لیے تعزیت نہیں ہوئی یہ شرف صرف کانگریسی رہنماؤں اور نجدی حکمرانوں کو حاصل ہے کہ بریلوی ایوانوں میں ان کے لیے فاتحہ خوانی کی گئی۔

کانگریسی رہنما کے لیے جلسہ تعزیت

بریلویوں کی فتوے کفر کی گولہ باری میں ایسا کوئی زخمی آپ نے نہ دیکھا ہو گا۔ جو دنیوی لحاظ سے ذی شوکت اور صاحب مال ہو اور مولانا احمد رضا خاں کی جماعت کو اس سے کوئی دنیوی فائدہ پہنچ سکتا ہو۔ ہم نے تلاش کی۔ ہندوستان کے کسی کانگریسی مسلمان کا ان سے پتہ پوچھیں جو وزیر رہا ہو حضور وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اتنے میں ۱۹۵۴ء کی ایک خبر نظر سے گذری کہ جناب رفیع احمد قدوائی جو ملکی معاملات میں ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے زبردست حامی تھے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے نہایت مخلص پیرو تھے۔ انکی وفات پر مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ بریلی میں ان کے لیے جلسہ تعزیت کی رپورٹ یوں پیش کی:

بریلی کے مدرسہ منظر الاسلام میں تعزیتی جلسہ

بریلی ۲۹ راکتوبر دارالعلوم منظر الاسلام محلہ سوداگراں کا ایک جلسہ ہوا جس میں ایک تعزیتی قرارداد میں کہا گیا کہ یہاں کے اساتذہ وطلبا وارکین کمیٹی مدرسہ ہندوستان کے ہر دلعزیز وزیر غذا ملک وقوم کے مقتدر لیڈر مسٹر رفیع الدین قدوائی کے اچانک انتقال پر اپنے دلی تاثرات اور گہرے رنج والم کا اظہار کرتے ہیں اور غم جانکاہ میں جو ان کی وفات سے ملک وقوم کو پہنچا ہے برابر کے شریک ہیں اور خداوند کریم سے مرحوم کے واسطے دعائے مغفرت

اور مرحوم کی اہلیہ محترمہ اور تمام پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے دعاگو ہیں کہ خداوند کریم انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔

جناب قدوائی صاحب علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے سر سید کے حلقے سے تعلق رکھتے تھے مولانا ابوالکلام آزاد اور اکابر جمعیت علماء ہند کو مسلمان سمجھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ تھا کہ جو شخص علماء ندوہ اور دیوبند کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مدرسہ منظر الاسلام بریلی کے سب اساتذہ اور طلبہ نے ایک ایسے شخص کے حق میں دعائے مغفرت کی جو ان کے بڑے حضرت کے نزدیک مسلمان نہیں، کافر تھا۔ پس اس دعائے مغفرت سے بقول ان کے یہ سب حضرات بھی اسلام سے باہر چلے آئے اور مولانا احمد رضا کا پورا مدرسہ ہی کفر کی دلدل میں جا پھنسا۔

پاکستان کے مولانا محمد عمر اچھروی سے کسی نے اس کا جواب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ وزیر خوراک تھا۔ معلوم ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک خوراک سب مسائل پر غالب ہے۔ یہ خوراک ہے جس کی وجہ سے حرام کے احکام حلال سے بدل جاتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کا فتوے تھا کہ جو شخص علماء دیوبند کو کافر نہ کہے اس کے لیے دعائے مغفرت حرام ہے[1] مگر ہوا کا رخ دیکھئے کہ وزیر خوراک کے لیے یہ دعائے مغفرت حلال ہوگئی۔

شاہ فیصل کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی

شاہ فیصل مرحوم تو وزیر خوراک نہ تھے۔ آپ سعودی عرب کے نجدی حکمران تھے۔ آپ کے لیے دعائے مغفرت کیسے جائز ہوگئی؟ آپ ۱۹۷۵ء میں شہید ہوئے تو انگلستان میں بریلویوں کی مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام بریڈ فورڈ نے مرحوم کے لیے ایک تعزیتی جلسہ منعقد کیا۔ روزنامہ جنگ لندن کی یکم اپریل کی اشاعت میں یہ خبر آئی:

بریڈ فورڈ ۳۱ مارچ (نمائندہ جنگ) جامع مسجد تبلیغ الاسلام ساؤتھ فیلڈ اسکوئر میں خطبہ جمعہ سے پہلے ایک جلسہ میں شاہ فیصل کی شہادت کو عالم اسلام کے لیے ناقابل تلافی نقصان قرار دیا گیا .... نماز جمعہ کے بعد مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے مسجد میں قرآن خوانی کی گئی۔

بعض بریلویوں نے مولانا ارشد القادری سے جو ان دنوں انجمن تبلیغ الاسلام بریڈفورڈ کے ملازم تھے، پوچھا کہ حضرت، شاہ فیصل تو وزیر خوراک نہ تھے۔ آپ نے برجستہ فرمایا بھائی وہ تو شاہ خوراک تھے۔ سعودی عرب سے گرانٹ لینے کے لیے اتنا حیلہ کرلینا جائز ہے۔ ضرورت کے موقع پر وہابیوں کے لیے دعائے مغفرت کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ ہم نے عرب ملکوں سے امداد لینے کے لیے درخواستیں دے رکھی ہیں۔

بعض بریلویوں نے اس کی یہ وجہ بتائی کہ شاہ فیصل سنہ میں جب پاکستان گئے تو داتا صاحب کی نگری میں جاکر بریلوی ہوگئے تھے[1] اس لیے ان کے لیے دعائے مغفرت میں حرج نہ تھا۔ جب ان کو بتایا گیا کہ مرحوم سعودی عرب آکر پھر وہابی ہوگئے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے امام وہابی ہی رہے اور وہ وہاں ان اماموں کے پیچھے ہی نمازیں پڑھتے تھے۔ ان کے آخر دم تک دارالافتاء ریاض سے لے کر رابطہ عالم اسلامی تک ہر شعبہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیرو ہی دخیل وکارفرما رہے تو یہ سن کر وہ بریلوی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ یہ بات کہ شاہ فیصل پاکستان جاکر بریلوی ہوگئے تھے، ایک شرمناک جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

ارشد القادری صاحب ۱۹۷۵ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے شاہ فیصل مرحوم کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے ایک بہت اہم بیان دیا تھا جو روزنامہ ملت لندن کی ۲۹ اپریل ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں اس طرح برسر عام آیا تھا۔

ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سیکرٹری شاہ فیصل مرحوم کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے

---

[1] بریلویوں کے ذہن میں حضرت شیخ علی ہجویری کے روحانی اثرات حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روحانی اثرات سے بھی زیادہ ہیں (معاذاللہ) کہ شاہ فیصل مدینہ منورہ کی فضا میں تو حق پر نہ آسکے اور داتا صاحب کی نگری میں آتے ہی بریلوی ہوگئے۔ بریلویوں کا اس پر استدلال اس سے بھی زیادہ عجیب ہے وہ کہتے ہیں کہ شاہ فیصل مرحوم نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں یہ آیت پڑھی تھی۔ وسیری اللہ عملکم ورسولہ۔ پ التوبہ آیت ۹۴، اور اب اللہ اور رسول تمہارے

ایک دعوت میں جہاں چند شرفاء بھی مدعو تھے۔ کہہ رہے تھے کہ شاہ فیصل کو پاکستان اور عالم عرب خواہ مخواہ اہمیت دے رہے ہیں۔ یہ نجدی وہابی ہے جو قادیانیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اس کی حکومت کا تختہ اُلٹ جانا چاہیئے یا اسے ختم کر کے کسی دوسرے اچھے عرب کو لانا چاہیئے۔

خدا کی قدرت دیکھیئے کہ والیٔ حرمین کے خلاف اس دو رُنگ سوچنے والے ارشد القادری صاحب خود ہی انگلستان سے رخصت کر دیئے گئے اور شاہ گو خود شہید ہو گئے لیکن شاہ خالد بھی شاہ فیصل کے طریق پر شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے ہی پیرو ہیں۔

ہم خوش ہیں کہ جمعیت تبلیغ الاسلام بریڈ فورڈ نے وہابیہ نجد کو مسلمان تسلیم کرتے ہوئے ان کے سرخیل شاہ فیصل کے لیے ایصال ثواب کیا اور اس کے حق میں مغفرت کی دعائیں کیں یہ انہوں نے نیکی کی ہے، برائی نہیں کی لیکن ہم یہ کہنے پر بھی مجبور ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کے اس فتوے کی رد سے جمعیت تبلیغ الاسلام بریڈ فورڈ کے سب ارکان اور مولوی شاہ فیصل کی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب سے کافر ہو چکے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں اس شخص کے بارے میں جو وہابیوں کے کفر میں شک کرے لکھتے ہیں :

اس کے لیے دعا مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر[1]

ہم اس بات سے خوش نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ کفران کی انگلستان کی جماعت پر کیسے لوٹ رہا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عدم تکفیر سے مولانا احمد رضا کی پیش کردہ وجوہ کفر کے بانس الٹے بریلی کی طرف مُڑ گئے تھے۔ ہم یہاں صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ان لوگوں کے کفر کے فتوے بھی ان کے اخلاص پر مبنی نہیں، جہاں اقتدار کی چمک دیکھی، کانگریسی رہنماؤں کے لیے بھی بریلی میں تعزیت کے جلسے ہونے لگے اور وہابی حکمرانوں کے لیے بھی مغفرت کی دعائیں ہونے لگیں مگر افسوس کہ اس باب استثناء کے باوجود

---

[1] عرفان شریعت صہ ۳۹

عام وہابیوں، آزادی پسند تحریکوں، علماء دیوبند و ندوہ اور زعمائے قوم پر ان کی مشق تکفیر
اسی طرح جاری ہے اور مکہ و مدینہ پر اب تک یہ کافروں کا قبضہ بتلا رہے ہیں
ان کے علماء ہر آنے جانے والے کے کان میں کہتے ہیں کہ وہاں جا کر ان کے اماموں کے پیچھے نماز
نہ پڑھنا۔ وہابی کافر ہیں اور ان کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔

مولانا احمد رضا کی اس تحریک تفریق نے مسلمانوں کو اس قدر ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے کہ مکہ پہنچ
کر بھی وہ ایک صف میں کھڑے نہ ہو سکے اور نہ سوچ سکے کہ کعبہ سے بھی کفر ہی ملے تو اسلام کہاں رہے گا
حق یہ ہے کہ بریلویوں کے اس شوق تکفیر کے پیچھے اخلاق کارفرما نہیں ـــــ یہ انگریز
حکومت کا ایک سیاسی حربہ تھا۔ جسے خانصاحب سے زیادہ مضبوط کندھا نہ مل سکا۔ مرزا غلام احمد کی
ایک آنکھ بھینگی تھی وہ نشانے پر نہ بیٹھ سکی ـــــ
مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:۔
اعلیحضرت کی شان اس سے ارفع ہے کہ وہ صرف ابناء عصر کی تکفیر پر اقتصار کریں۔
آپ کی شمشیر تکفیر سے سلف صالحین کی گردنیں بھی محفوظ نہیں[1]
ہماری سب رسمی اہل سنت مسلمانوں سے درخواست ہے کہ بلاوجہ اپنے آپ کو
مولانا احمد رضا خان سے منسوب نہ کریں اور ان کا پوری امت کو کافر قرار دینے کا بوجھ
اپنے سر نہ لیں۔
تفریق ملت کا یہ المیہ ہے۔ اسے اس کے سیاسی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔
ان کا یہ شوق تکفیر زبان زد خاص و عام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے خطرناک
نقطۂ آلام ہے۔ ضرورت ہے کہ بریلویوں کے اس شوق تکفیر کا کچھ سیاسی جائزہ بھی لیا جائے۔

---

[1] تجلیات انوار المعین ص ۳۹

شوقِ تکفیر کا سیاسی جائزہ

تکفیرِ ملّت کی المناک داستان

اثر خامہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے؛ پی ایچ ڈی

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

ابلیس ہے بستا تیرے دل میں خدا بھی
اب تم ہی کہو کس کی صدا دل کی صدا ہے
تم جس کے بتائے ہوئے رستوں پہ چلے ہو
اس نعرۂ تکفیر کی اب ہر سو وبا ہے

بریلویوں کے شوقِ تکفیر کا سیاسی جائزہ

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

برسرِ اقتدار لوگ پنجۂ استبداد کی گرفت مضبوط کرنے کے لیئے کیا کچھ نہیں سوچتے اور کیا کچھ نہیں کرتے۔ برصغیر پاک و ہند انگریز گرفت میں کیسے چلا گیا۔ بدیشی ایجنٹ کام کرتے رہے اور والیان ریاست ایک دوسرے کے خلاف لڑتے رہے۔ اندرونی چنگاریاں سلگتی رہیں اور خرمنِ وحدت جلتا رہا۔ اور صوبے اور ریاستیں ایک ایک کرکے بدیشی ہاتھوں میں چلے گئے۔ انگریزوں نے اس آگ کی روشنی میں اپنے مستقبل کو دور تک وسیع دیکھا۔

فکری طور پر یہاں کی صحت مند قوم صرف مسلمان تھے انہیں اپنے ماضی سے جدا کرنا۔ علماء حق سے بدگمان رکھنا۔ ایک قوم نہ رہنے دینا۔ ہند و اثرات سے انہیں شدھ کرنا اور انگریزی تہذیب کا گرویدہ بنانا یہ وہ تاریک راہیں تھیں جن میں قافلہ ملت کو اقتدار کے سائے میں مختلف پیرایوں سے کھینچا جا رہا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں کی تفریق ملت اور تفریق بین المسلمین کی کوششوں کے پیچھے بھی یقیناً برطانوی ہاتھ تھا۔ افسوس کہ بہت سے نادان دوست مولانا احمد رضا کی ہاں میں ہاں ملا کر تفرقے کی آگ میں جل رہے ہیں۔ حالات کا رُخ اس طرف کیسے ہو گیا؟ اسے جاننے کے لیئے پچھلے ایک سو سال کی تاریخ سامنے ہونی چاہیئے۔

تحریک تکفیر کا سیاسی جائزہ

ایک صدی پہلے کا پس منظر

آج سے تقریباً سو سال پہلے ترک مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی طاقت تھے۔ خلافت عثمانیہ سب اسلامی ملکوں کو سہارا دیئے ہوئے تھی۔ انگریز پہلے ہی ترکوں اور دوسرے مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے خلاف تھے۔ جنگ عظیم میں ترکوں اور جرمنوں کے مابین سیاسی مفاہمت مزید مخالفت کا باعث ہوگئی۔ انگریز جرمنوں کے خلاف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یورپ کی سیاسی قیادت ان کے ہاتھ میں رہے اور مسلمانوں کی قیادت ترکوں کے ہاتھ میں نہ رہے۔ جرمن اور فرانسیسی انگریزوں کے زیر سایہ رہیں اور ترک عالم اسلام کے قائد نہ رہیں۔ جرمنوں اور ترکوں کو عالمی سیاست میں پیچھے کرنے کا پروگرام بن گیا۔

اس مہم کو سَر کرنے کے لئے عربوں اور ترکوں میں اختلافات پیدا کرانے ضروری تھے۔ آل سعود اور ترکوں میں پہلے سے جھڑپیں چلی آرہی تھیں اور وہ ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ اب حجاز کے عربوں کو بھی ترکوں کے خلاف صف آرا کرنا ضروری ہوگیا۔ ترک مرکز اسلام سے بے دخل ہوجائیں تو مسلم قیادت عالمی سطح پر ان کے ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔

خلافت عثمانیہ کا زوال

خلیفہ عبد الحمید ۱۹۰۹ میں معزول کیے گئے۔ یہ ترکی کے سیاسی اضمحلال کا آغاز تھا۔ اس کے بعد بلغاریہ ہاتھ سے گیا۔ پھر آسٹریا نے کئی ترکی علاقے دبا لیے۔ ۱۹۱۰ء میں اٹلی نے طرابلس میں جنگ چھیڑ دی۔ اس میں بھی بہت سے علاقے ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ۱۹۱۴ میں جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ انگریزوں نے ۱۹۱۶ میں عرب ممالک میں بغاوتیں کرادیں۔ شام، حجاز، فلسطین اور عراق سب ایک ایک کر کے علیحدہ ہوگئے اور وہ عظیم سلطنت جو کبھی بلغاریہ سے بحیرہ عرب اور طرابلس تک پھیلی ہوئی تھی۔ انگریزی سیاست کے تحت

انتشار کا شکار ہو گئی۔ ہندوستان میں مسلمان بہت پریشان تھے۔ وہ سلطنت عثمانیہ کو اسلامی شوکت کی آخری نشانی سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمان سلطنت عثمانیہ کے گرد پھر جمع ہو جائیں۔ ہندوستان میں تحریک خلافت چلی۔ اس تحریک کا مقصد ایک طرف انگریزوں کو کمزور کرنا اور دوسری طرف خلیفہ عبدالمجید خاں کو مسلمانوں کی عالمی حمایت دلانا اور مسلمانوں کو باہمی تفرقے سے بچانا تھا۔

گولڑہ کے مولٰینا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں :

عوام اور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل۔ ندوہ۔ دیوبند۔ تونسہ شریف اور سیال شریف وغیرہ کے دینی اور روحانی مراکز کے علماء اور مشائخ بھی خلافت اسلامیہ کے تحفظ پر کمر بستہ ہو گئے۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ (پیر مہر علی شاہ صاحب) کے بعض اصحاب مثلاً حضرت مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ بہاولپور مولانا برکت علی پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور حکیم شمس الدین وزیر آبادی اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسری وغیرہ نے بھی اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا[1]

مولانا احمد رضا خاں نے فتویٰ دیا کہ ترک شرعاً خلافت کے اہل نہیں۔ خلافت عربوں کا حق ہے۔ اس ایک آواز کے سوا کوئی آواز انگریزوں کے حق میں، نہ تھی۔ مولانا احمد رضا خاں نے دوام العیش لکھی اور ثابت کیا کہ خلافت ترکوں کا حق نہیں صرف قریش کا حق ہے آپ نے اعلام الاعلام لکھ کر ثابت کیا کہ ہندوستان انگریزی عملداری میں دارالسلام ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ کہ ہندوستان دارالحرب ہے غلط تھا۔ مولانا احمد رضا کے اس فتوے سے انگریزوں کی پوزیشن کافی مضبوط ہو جاتی تھی۔

ترک ناکام ہوئے تو ملک عبدالعزیز بن سعود نے شریف مکہ کو بھی نہ چلنے دیا ملک عبدالعزیز کے اس عمل سے انگریزوں کا پروگرام کہ کسی طرح حجاز بھی ان کے زیر نگیں ہو جائے عمل میں نہ

---

[1] مہر منیر صفحہ ۲۶۸

آسکا آلِ سعود نے آگے بڑھ کر وہ زنجیریں کاٹ دیں جو انگریز حجاز کے گرد باندھنا چاہتے تھے۔ اب انگریزوں کے ہاتھ میں یہی تھا کہ آلِ سعود کو ہندوستان اور مسلم ممالک میں مذہبی بنیادوں پر بدنام کیا جائے۔ مولانا ظفر علی نے آستانہ بریلی کے ان فتووں کا راز یوں کھول دیا۔

؎ کاٹ دی کیوں نجد کے خنجر نے زنجیرِ حجاز یہ وہ سنگین جرم ہے جو ہو نہیں سکتا معاف

انگریزی سیاست کا اس وقت تقاضا تھا کہ ترکوں کی مخالفت کے ساتھ ساتھ آلِ سعود کے خلاف بھی مہم چلے اور پورے زور سے چلے اور پھر ترکوں اور سعودیوں میں بھی مخالفت کے فاصلے اور بڑھائے جائیں۔

آلِ سعود اور شریف مکہ کی مخالفت

شریف مکہ بغاوت سے پہلے ترکوں کی طرف سے مکہ کے شریف تھے۔ آلِ سعود حجاز کی طرف رخ کرتے تو شریف کی طرف سے مزاحمت ہوتی تھی۔ شریف نے سعودیوں کے مقابلہ کے لیے محمد علی پاشا خدیو مصر سے بھی مدد لی تھی اور سعودیوں کو بہت تنگ کیا تھا۔ حج تک کی پابندیاں ان پر عائد کر رکھی تھیں۔ بظاہر اس سختی کے موجب ترک تھے لیکن حقیقت میں یہ نقشۂ عمل شریف کا ہوتا تھا اور شریف کے پسِ پشت ترک نہیں برطانوی استعمار کی سازش تھی انگریز شریف کو بیک وقت سعودیوں اور ترکوں سے لڑانا چاہتے تھے۔

آلِ سعود کے خلاف زبردست پراپیگنڈا کیا گیا کہ وہ عقیدۃً اہلِ سنت نہیں خوارج ہیں ادنیٰ گناہوں پر مسلمانوں کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں۔ آلِ سعود پہلے بھی کچھ عرصہ حجاز پر قابض رہ چکے تھے۔ اس دور کے بعض وقائع اس انداز میں ترتیب دیئے گئے کہ آلِ سعود کو واقعی خوارج ثابت کیا جا سکے۔ انگریزوں کی شاطرانہ سیاست مسلمانوں کو تقسیم کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامیؒ بلند پایہ فقیہہ اور محدث تھے لیکن مؤرخ اور سیاستدان نہ تھے۔ ان کی اطلاعات زیادہ تر محمد علی پاشا کے حلقہ اثر سے آتی تھیں۔ آپ نے بھی ان اطلاعات کی بناء پر سعودیوں کو خوارج کے ہم مسلک سمجھ لیا اور وقت کے

سیاسی پراپیگنڈے کے مدوجزر کا پوری طرح جائزہ نہ لے سکے۔ ردالمحتار[1] باب البغاۃ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف جو عقیدے منسوب کیے گئے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے صاحبزادے کی کتابوں میں ان کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے ان کے خلاف پراپیگنڈا بہت سخت تھا۔ یہاں تک کہ علامہ شامی جیسے بزرگوں نے بھی ان خبروں پر اعتماد کر لیا اور پھر اسی لائن پر اور بہت سے علماء چلے گئے۔ اور جب تک حقیقت حال نہ کھلی انہوں نے اپنا مؤقف نہ بدلا۔

اس پس منظر سے یہ بات بآسانی سمجھ آجاتی ہے کہ شریف سے بغاوت کرانے کے بعد انگریز اس کی حمایت میں سعودیوں اور ترکوں دونوں کے خلاف تھے۔ وہ ترکوں کی مخالفت سے مسلمانوں کی سیاسی شوکت کو تاراج کرنا چاہتے تھے اور آل سعود کی مخالفت سے مسلمانوں میں شرک و بدعت اور غلیظ نظریات کی آبیاری چاہتے تھے۔ مسلمان روح اسلام سے بیگانہ رہیں تو مجموعی طور اس سے تفریق بین المسلمین کا مقصد پورا ہوتا تھا۔ انگریز اس سلسلہ میں حجاز اور ہندوستان دونوں محاذوں پر کام کرنا چاہتے تھے۔

مولانا فضل رسول بدایونی

سیاست کے اس موڑ پر ہندوستان میں مولانا فضل رسول بدایونی (۱۲۳۱ھ ۱۸۷۲ء) ابھرتے ہیں۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شاہ ولی اللہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ کی مخالفت میں قلم اٹھایا۔ مولانا اسمٰعیل (دہلوی) اور شیخ محمد بن عبدالوہاب (نجدی) کے درمیانی فرضی رابطے بتلائے اور اس نسبت سے ان پر وہابی کا نام اور الزام قائم کیا۔ ہندوستان میں یہ لفظ وہابی کا یہ پہلا تعارف تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ جو برطانوی ہند کو دارالحرب قرار دے چکے تھے۔ ان کے خاندان، خلفاء اور جانشینوں پر یہ لفظ پھر بڑی صفائی سے اتار لیا گیا۔

[1] ردالمحتار شرح درمختار جلد ۳ صفحہ

۱۳/۱

مولانا فضل رسول کے خاندان کے ایک مرید محمد یعقوب القادری نے اکمل التاریخ کے دوسرے حصے میں مولانا کے سوانح حیات لکھتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں، مولانا معاش کی فکر میں سرگرداں تھے کہ انگریزوں نے قدردانی کا ہاتھ بڑھایا۔ موصوف لکھتے ہیں:

اس بڑھتی ہوئی ہمت اور چڑھتے ہوئے ولولہ نے یہ خیال پیدا کیا کہ کسی جگہ کوئی ایسا تعلق اختیار کیا جائے جو معاش کی جانب سے فارغ البالی ہو۔ آخر اس جستجو پر با رادہ ریاست گوالیار گھر سے قصد سفر کیا[1]

"کسی جگہ کوئی ایسا تعلق" کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔ والئی گوالیار پر انگریزی سرکار کی خاص عنایات تھیں۔ اس کے ذریعہ یہ تعلق بہت حوصلہ افزا ہو سکتا تھا۔ انگریزوں کی قدردانی بلا مقصد نہ ہو سکتی تھی۔ قادری صاحب پھر لکھتے ہیں:

آپ کی خداداد قابلیت[2] نے وطن کی چار دیواری سے نکل کر شہرت و ناموری کے علمی سبزہ زاروں کی گلگشت شروع کی حکام وقت (انگریزوں) اور والیان ریاست (نواب اور راجے جو انگریزوں کے پولیٹیکل ایجنٹ ہوتے تھے) نے قدر دانی اور مرتبہ شناسی کے لیے دستِ طلب بڑھانا شروع کر دیئے اور آپ کی خدمات کو سرکاری کاموں[3] کی انجام دہی کے لیے مانگنا چاہا۔ آپ نے کچھ دنوں محکمہ افتاء[4] جو اس وقت گورنمنٹ میں قائم تھا اور بطور مفتی کے علما کو عہدے دیئے جاتے تھے کو اپنے "مسلک انصاف جو" کی روشنی میں فروغ بخشا[5]

وہ مسلک انصاف جو کیا تھا جس کے لیے مولانا فضل رسول بدایونی کو تنخواہ ملتی تھی؟

---

[1] اکمل التاریخ جلد ۲ صفحہ ۳۸، [2] آپ کی مولانا اسمٰعیل شہید اور حضرت شاہ محمد اسحٰق کی عبارتوں پر گرفت کرنے کی قابلیت مراد ہے۔ [3] سرکاری خدمات یہی تھیں کہ ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کیا جائے اور جو علماء انگریزوں کے خلاف کام کر رہے تھے ان پر فتوے لگائے جائیں [4] یہ فتوے انگریزوں کی سرپرستی میں دیئے جاتے تھے [5] اکمل التاریخ جلد ۲ صفحہ ۵۱

وہ مسلک مسلمانوں میں بدعات کا فروغ اور ہندوستان کے قافلہ آزادی کی حوصلہ شکنی تھی۔
محدثین دہلی کے خلاف پراپیگنڈا کرنا اور مولانا اسمٰعیل شہید کے خلاف زہر اگلنا تھا۔ مولانا فضل رسول کے ذمہ یہ خدمت بھی تھی کہ جس طرح ہو سکے ان محدثین دہلی کا تعلق نجد کے سعودیوں سے جوڑا جائے تاکہ وہ طاقتیں جو عرب میں آل سعود کے خلاف ہیں۔ ہندوستان میں شاہ اسمٰعیل شہید، شاہ محمد اسحٰق اور ان کے ہمنواؤں کے خلاف کام کر سکیں۔ اس طرح سرکار انگلشیہ کو مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید ہر دو جگہ میں حلیف میسر آسکیں گے۔

مولانا فضل رسول نے ان خدمات میں جو کتابیں لکھیں ان کے نام بتلا رہے ہیں۔ کہ آپ مسلمانوں میں کس قسم کی فضا پیدا کرنی چاہتے تھے۔ یہ نام بتلاتے ہیں کہ آپ نے ان اختلافات کو واقعی محاذ جنگ بنا دیا تھا۔

(۱) سیف الجبار علی اعداء الابرار (۲) بوارق محمدیہ (۳) تصحیح المسائل[1]

یعقوب حسین صاحب قادری آپ کی سرکاری خدمات کی یہ تنخواہ بیان کرتے ہیں۔

"نواب محی الدولہ صاحب نے کوشش کر کے سترہ روپے یومیہ مقرر کرا دیئے۔ اس وقت سے یہ روپیہ اب تک گیارہ روپے روزانہ کے حساب سے ریاست فرخ نہاد سے برابر جاری ہے جس کی تعداد سرکاری سکہ سے دو سو ساٹھ روپے ماہوار کے قریب ہوئی۔"

گیارہ روپے یومیہ کی اس خدمت سے عوامی رابطہ کی مجلسیں بھی قائم کی جاتیں انہیں گیارہویں شریف کی مجلسیں کہا جاتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے خاندان کے لوگ اس انگریزی سیاست کی مخالفت کرتے تو انہیں نجد کے آل سعود سے جوڑ دیا جاتا اور پھر نہایت عمدگی سے انہیں وہابی کا نام دے دیا جاتا۔ یہ ہندوستان میں اس نام کی ابتداء تھی۔

مولانا احمد رضا کے ہاں بھی گیارھویں کا تعلق گیارہ روپوں سے تھا گیارہ تاریخ سے نہیں کچھوچھوی صاحب سے سنئے: مجھے کار افتاء پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شرینی منگائی اپنے پلنگ پر مجھے بٹھا کر[2]

---

[1] یہ کتاب حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی کتاب مائۃ مسائل کے جواب میں ہے۔ [2] ضیاء حرم ۱۵ ص ۸۴

محدثین دہلی کا سعودیوں سے جوڑ بٹھانے کے لیے ان لوگوں نے یہ بات گھڑ رکھی تھی کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو ترجمہ ہے اور اب تک یہ لوگ عوام کو یہی بات بتلا رہے ہیں۔ مولوی امجد علی لکھتے ہیں:

> کتاب التوحید کا ترجمہ[1] ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے کیا جس کا نام تقویۃ الایمان رکھا اور ہندوستان میں اسی (کتاب) نے وہابیت پھیلائی
>
> وہابیوں کا بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو اُن کے مذہب پر نہ ہو وہ[2] کافر مشرک ہے[3]

حجاز میں مولانا احمد زینی دحلان

ہندوستان میں جو خدمات مولانا فضل رسول بدایونی کے سپرد تھیں۔ حجاز میں یہ خدمات مولانا احمد زینی دحلان متوفی (۱۳۰۴ھ) بجالا رہے تھے۔ آپ سعودیوں کے بہت خلاف تھے اور ابھی تک حجاز آل سعود کے زیر نگیں نہ تھا۔ زینی دحلان نے "خلاصۃ الکلام فی امراء البلد الحرام" میں اپنے مہربان امراء کی حمایت میں اور سعودیوں کی مخالفت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ علامہ

---

[1] یہ صحیح نہیں کہ تقویۃ الایمان کتاب التوحید کا ترجمہ ہے۔ تقویۃ الایمان میں قرآن کریم کی کچھ آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ احادیث ایک خاص ترتیب اور مناسبت سے باب وار جمع کی گئی ہیں۔ اس مجموعہ احادیث کا نام پہلے "رد الاشراک فی علم الحدیث" تھا۔ میرٹھ کے ایک قدیم کتبخانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت شہیدؒ کی زندگی کا لکھا ہوا ملا ہے۔ یہ ۱۲۴۳ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"رد الاشراک فی علم الحدیث تالیف مولوی اسمٰعیل برادر زادہ حضرت شاہ عبدالعزیز مرحوم دہلوی المحدث"

کتاب کے آخر میں حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کا یہ شعر بھی لکھا ہے۔

گوید ایں بندہ ضعیف و رذیل　　نام او ہست عاجز اسمٰعیل

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کتاب کے پہلے باب کو اس کے اردو ترجمہ اور تشریح کے بعد تقویۃ الایمان کے نام سے موسوم کیا تھا۔ پھر اس میں بعض ترمیمات اور اصلاحات بھی کی تھیں۔ کتاب کی عام اشاعت اس کے پہلے ایڈیشن سے ہی ہوئی ہے　[2] بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۹۳

رشید رضا مصری لکھتے ہیں کہ احمد زینی اپنے اولیاء نعمت کے اشاروں پر ان لوگوں کے خلاف بہت غلط باتیں مشہور کرتے تھے۔ جو ان کی مصلحتوں کے خلاف چلتے تھے۔

علامہ رشید رضا حجاز یا ہندوستان کے رہنے والے نہ تھے۔ آپ مصری تھے لہٰذا ان کا یہ بیان ایک غیر جانبدارانہ شہادت ہے زینی دحلان واقعی انگریزی مفادات کے مطابق چلتے تھے۔ براہ راست ان کا ہندوستان سے تعلق نہ تھا۔ ان کا ہندوستان کو دارالاسلام قرار دینا پتہ دیتا ہے کہ وہ حجاز میں بھی ہندوستان کے انگریزی مفادات کے طرفدار تھے ڈبلیو ہنٹر اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں زینی دحلان کے اس فتوے کو نقل کرتا ہے

سوال، کیا ملک ہندوستان جس کے حاکم عیسائی ہیں۔ جو اسلام کے تمام احکامات میں مداخلت نہیں کرتے مثلاً روزہ۔ نماز، عیدین کی نماز وغیرہ وغیرہ مگر اسلام کے بعض احکام کے چھوڑ دینے کو جائز سمجھتے ہیں۔ مثلاً وہ اس شخص کو جو مرتد ہو گیا ہو اور عیسائی بن گیا ہو اپنے مسلمان آباؤ اجداد کی جائیداد کا وارث قرار دیتے ہیں۔ دارالاسلام ہے یا نہیں؟

جواب، سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو واحد ہے اور خدا ہمارے رسول اور اسکی آل اور اس کے اصحاب اور اس پر ایمان لانے والوں پر رحمت فرمائے۔ اے اللہ میں تجھ سے نیکی کا راستہ چاہتا ہوں۔ ہاں بے شک کہ اس میں اسلام کی بعض خصوصیات جاری ہیں وہ دارالاسلام ہے [۱]

(دستخط) احمد زینی دحلان مکہ معظمہ شافعی مذہب کا مفتی

ہندوستان کو دارالاسلام ٹھہرانے کی کوشش انگریزوں کی انتہائی کوشش تھی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اس فتوے کے خلاف کہ ہندوستان دارالحرب ہے کچھ علماء کھڑے کیے جائیں جو انگریزی عملداری کے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیں۔ حجاز میں یہ خدمت مولانا زینی دحلان سے

---

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان صفحہ ۳۱۲

لی گئی لیکن حجاز ہندوستان سے بہت فاصلے پر تھا۔ وہاں زینی دحلان کے فتوے کا زیادہ اثر نہ ہو سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ خود ہندوستان کے کچھ علماء یہ خدمت سرانجام دیں۔ ہندوستان میں یہ خدمت مولانا احمد رضا خاں نے سرانجام دی آپ نے اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" لکھ کر حریت پسند مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی بہت کوشش کی۔ آپ کا حلقہ عقیدت ہر ہر تحریک آزادی میں انگریزوں کے ساتھ رہا۔ تاہم انگریزی سیاست کا تقاضا تھا کہ مولانا احمد رضا حجاز آکر مولانا احمد زینی سے ملاقات کریں احمد زینی آل سعود کے خلاف اور احمد رضا علماء دیوبند کے خلاف محاذ کھولیں۔ احمد نام کے یہ دونوں شخص حجاز میں ملے بہت دیر تک یہ ملاقات ہوتی رہی۔ یہ ملاقات نہایت خطرناک تھی۔ جو آخر ہو کر رہی اور اس نے وہ گل کھلائے جن کے زخم آج تک مندمل نہیں ہو سکے۔ یہی پروگرام بنا کر مولانا احمد رضا علماء دیوبند کے خلاف ایک تکفیری دستاویز تیار کریں اور مولانا احمد زینی کے اثر سے بعض علماء حرمین سے اس کی تائید لی جائے اور پھر ہندوستان میں حسام الحرمین کے نام سے یہ تلوار چلا دی جائے۔ ہندوستان میں مولانا احمد رضا ان خدمات میں مولانا فضل رسول کے جانشین تھے۔

مولانا فضل رسول کے بعد مولانا احمد رضا خاں

مولانا فضل رسول بدایونی کے بعد مولانا احمد رضا خاں اس محاذ پر آئے جو برٹش انڈیا میں انگریزوں نے محدثین دہلی اور ان کے جانشین علماء دیوبند کے خلاف قائم کیا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں ان اختلافات میں اوپر سے پھینکے گئے تھے۔ آپ نے اپنی قابلیت سے ان اختلافات کو لڑنے کا میدان بنا دیا۔ پھر وہی الفاظ آپ کی زبان پر تھے جو قتل و قتال کے نقشے کھینچتے تھے۔ ایک مقام پر خود لکھتے ہیں۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے　　کسے چارہ جو دل کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے[1]

---

[1] حدائق بخشش صـ

مولانا فضل رسول اور مولانا احمد رضا میں قدر مشترک دونوں کا مارہرہ کا آستانہ بیعت تھا دونوں کو بزرگی اسی گدی سے ملی تھی۔ مسلمانوں کے دینی حلقوں میں مارہرہ۔ بدایوں اور بریلی انگریزوں کی حمایت کے تین اسلامی مرکز سمجھے جاتے تھے اور ان تینوں جگہوں پر آزادیٔ ہند کی تحریکات کے خلاف خدمات سرانجام دی جاتی تھیں۔ حکام وقت ان مراکز کا بہت خیال رکھتے اور انہیں بڑی مراعات حاصل ہوتی تھیں۔ مولانا اسماعیل شہید اور علماء دیوبند کیخلاف تینوں جگہوں سے ایک ہی آواز اٹھتی رہی اور جو علماء جہاد کا نام لیتے یا ہندوستان کو دارالحرب کہتے یا کسی تحریکِ آزادی میں پیش پیش ہوتے۔ ان پر ہر ایک قسم کے الزامات کی گولہ باری ہوتی، لیکن احمد رضا خاں ان خدمات میں اس طرح سبقت لے گئے کہ آپ نے الزامات کے ساتھ ساتھ کفر کے گولے بھی پھینکے اور اس بے دریغ انداز میں پھینکے کہ اب جو شخص علمائے دیوبند کے کفر میں شک بھی کرے اسے بھی کافر ٹھہرایا پھر ان سے تکفیر کی ایسی مہم چلی کہ ڈاکٹر اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح بھی بریلویوں کے نشانہ تکفیر سے گھائل ہو گئے ؎

گھائل تری نظر کا بہ نوعِ دگر ہر ایک　　زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

بدایوں اور بریلی میں زور آزمائی

مولانا فضل رسول بدایونی کو دو سو ساٹھ روپے ماہانہ وظیفہ ملتا تھا جو ان کے بعد ان کے بیٹے مولانا عبدالقادر بدایونی اور ان کے بعد ان کے بیٹے مولانا عبدالمقتدر بدایونی لیتے رہے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عملی طور پر جس نے مولانا فضل رسول کی جانشینی کی وہ مولانا احمد رضا خاں تھے اور وہی کوشاں رہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مستقل طور پر دو مکتب بن جائیں اور مسلمان ایسے بٹیں کہ پھر کبھی آپس میں ایک نہ ہو سکیں۔ آپ نے زندگی کے پچاس سال اسی جدوجہد میں صرف کیے۔ آپ کے معتقد سوانح نگار احمد قادری پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

> مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال مسلسل اس جدوجہد میں منہمک رہے۔ یہاں تک کہ دو مستقل مکتب فکر قائم ہو گئے۔ بریلوی اور دیوبندی[1]

---

[1] سوانح اعلیٰ حضرت ص۸

یہ صحیح ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے ہاں الیکشن میں ہمیشہ ان امراء کی حمایت ہوتی تھی جو تاج برطانیہ کی حمایت میں پیش پیش رہتے تھے۔ اور اسی لیے بریلی کے انگریزی حکام مولانا احمد رضا کے لیے مناسب فضا بھی ہموار کرتے تھے۔ اس لحاظ سے مولانا فضل رسول بدایونی کا گیارہ روپے یومیہ وظیفہ بھی مولانا احمد رضا کا ہی حق بنتا تھا۔ علماء دیوبند اور دیگر حریت پسندوں کے مقابلہ میں محاذ کی قیادت آپ ہی کر رہے تھے۔ مولانا بدایونی کے بیٹے اور پوتے گو اسی لائن پر تھے لیکن قیادت ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ مولانا احمد رضا سے بے انصافی تھی۔ اس اندرونی صورتحال میں یہ ہوا کہ بدایوں اور بریلی ایک مسئلے کی آڑ میں ایک دوسرے کے خلاف پوری طاقت سے نبرد آزما ہو گئے۔

اذانِ جمعہ کے مسئلہ پر اختلاف

مولانا احمد رضا نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد سے باہر ہونی چاہیئے۔ علماء بدایوں اسی مؤقف پر تھے جو پہلے سے عام چلا آرہا تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی امام کے منبر پر آنے کے بعد منبر کے سامنے ہو۔ اس اختلاف میں مولانا احمد رضا نے علماء بدایوں کے خلاف خوب غصہ نکالا۔ ان کے خلاف بدزبانی بھی کی۔ مولانا عبدالماجد بدایونی کو متلڈر وغیرہ خطابات سے نوازتے رہے اور حالات یہاں تک پہنچے کہ مفتی سخاوت حسین بدایونی نے مولانا احمد رضا کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔

مارہرہ کے گدی نشین اس کشمکش میں مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے۔ مارہرہ کے میاں مہدی حسین، نواب حامد علی خاں والئی رامپور سے اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ انگریز وفاداری نے ان کو ایک سلسلہ میں پرو رکھا تھا۔ نواب صاحب نہ چاہتے تھے کہ مولانا احمد رضا کو سزا ہو جائے۔ میاں مہدی حسین نے نواب صاحب کے ذریعے مقدمہ خارج کرا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا عبدالماجد بدایونی نے تحریک خلافت کی حمایت کا اعلان کر دیا جس کی مولانا احمد رضا خاں مخالفت کر رہے تھے۔

انگریزی حکومت کی طرف سے مولانا احمد رضا کی حمایت

بریلی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھائی جناب اکبر علی مقیم تھے۔ مولانا اشرف علیؒ کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا تو شہر کے تعلیم یافتہ لوگ آپ کی تقریروں کے لیے اصرار و اہتمام کرتے۔ یہ صورت حال مولانا احمد رضا کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھی۔ خان صاحب نے مشہور کر رکھا تھا کہ علماء دیوبند حضورؐ پر صلوٰۃ سلام نہیں پڑھتے اور بزرگوں کو نہیں مانتے۔ مولانا اشرف علی صاحب کے بیانات و مواعظ ان الزامات کا عملی جواب ہوتے تھے۔ حضور رسالت مآب کی محبت اور بزرگوں کی عقیدت حضرت مولانا تھانویؒ کے تقریروں کی جان ہوتی تھی اور اس سے خاں صاحب کا کیا کرایا پراپگنڈہ سب ہباءً منثوراً ہو جاتا پورا بریلی شہر حضرت کی تقریروں میں امڈھ پڑتا تھا۔ مولانا احمد رضا سے بن نہ پڑتی تو علما بدایوں سے امداد طلب کرتے۔ بدایوں سے مولانا محب احمد بدایونی کو بریلی بلاتے اور انکی تقریریں کرا دیتے تھے۔ خود انہیں تقریر کرنا نہ آتی تھی۔ بدایوں کے عائد بریلی آکر وہاں کے حکام سے 'بات چیت' کرتے اور اس طرح انگریزی حکومت کے سایہ عاطفت میں مولانا احمد رضا خاں کے لیے فضا ہموار ہو جاتی۔ مولانا عبد الصمد بدایونی مقتدری اپنے رسالہ نذرانہ عرس میں لکھتے ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب کے بیانات سے جو تلخی پیدا ہوتی حضرت مولانا محب احمد بدایونی کو اعلیٰ حضرت بدایوں سے بلا لیتے جواب ترکی بہ ترکی ہو جاتا حکام بریلی کے ملاقاتی بدایوں کے عمائد فوراً بریلی پہنچ جاتے اور اعلیٰ حضرت کے لیے فضا سازگار ہو جاتی[1]

حکام کا مولانا احمد رضا کیلئے فضا سازگار کرنا بڑا معنی خیز جملہ ہے۔ گھر کی شہادت بتلاتی ہے کہ انگریز حکام اپنے چوبداروں کے توسط سے مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ تھے اور مولانا احمد رضا پہ انگریزی حکومت کی عنایات عام تھیں۔ انگریز ان کے لیے فضا سازگار نہ کرتے تو علماء دیوبند کے مقابلے میں ان کا کوئی مقام نہ رہتا تھا۔

---

[1] نذرانہ اہل عرس مطبوعہ ۱۳۲۷ھ ای بی پریس کراچی

شیخ فضل حسین کی عنایات | نواب کلب علی خاں آف رامپور سرکار انگلشیہ کے اوّل درجے کے خیر خواہ تھے۔ ان کے مشیروں میں شیخ فضل حسین کا نام بھی ملتا ہے۔ مولانا احمد رضا کے رامپور سے تعلقات انہی صاحب نے قائم کرائے تھے اور انہی کے ذریعہ مولانا کی سرکار میں پذیرائی ہوتی۔ تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ یہ شیخ فضل حسین مولانا احمد رضا خاں کے خسر تھے مولانا کا معتقد سوانح نگار شاہ مانا میاں قادری لکھتا ہے:

اعلیٰحضرت کے خسر شیخ فضل حسین صاحب مرحوم ریاست رام پور میں نواب کلب علی خاں کے مشیروں میں 'ممتاز' درجہ پر فائز تھے۔ نواب صاحب نے اعلیٰحضرت کی 'شہرت' سُنی تو شیخ فضل حسین سے فرمائش کی' اپنے "نامور داماد" سے ہم کو بھی ملایئے (دیکھئے المیزان صد ۳۴۲)

مولانا احمد رضا کی کس شہرت کے باعث حکومت میں آپ کی طلب ہوئی اور آپ کس بات میں نامور اور مشہور تھے اسے المیزان احمد رضا نمبر کی زبان سے سنیئے:

امام احمد رضا خاں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھے۔ بریلی میں انہوں نے کفر ساز مشین نصب کر رکھی تھی (المیزان صد ۲۹)

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ انگریزی دور میں والیان ریاست ہی وائسرائے ہند کے نائبین ہوتے تھے اور انہی کے ذریعہ ملک میں برطانوی سامراج استحکام پکڑتا تھا۔ یہ والیانِ ریاست ہر طبقے سے لوگ چُنتے تھے اور ان کے چُنے ہوئے وفادار پھر ہر شعبہ زندگی میں کام کرتے تھے۔ نواب رامپور کی طلب اور فضل حسین صاحب کی تعمیل بے معنی نہ تھی۔ اعلیحضرت کے پچاس سال پھر انہی کاموں میں لگے جن کے لئے آپ کو نواب رامپور نے بلایا اور اپنے پلنگ پر بٹھایا تھا۔

والیان رامپور مذہباً شیعہ تھے اور محدثین دہلی سے بہت تنگ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرۂ آفاق کتاب ازالۃ الخفا اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کی تحفہ اثنا عشریہ اور شاہ اسماعیل شہید کی منصب امامت کا والیانِ رامپور پر کچھ اچھا اثر نہ تھا۔ انہیں ان کتابوں کا بدلہ لینا تھا اور

وہ لے کر رہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے پوری محنت کی کہ جس طرح بھی بن پڑے اہل السنۃ والجماعۃ کا اعتماد محدثین دہلی پر نہ رہے۔ مولانا نے اسی کش مکش میں اہل السنۃ والجماعۃ کو دو دھڑوں میں تقسیم کیا۔ علماء دیوبند کا تعلق محدثین دہلی سے اخلاص کا تھا اور مولانا احمد رضا خاں ان سے کیا پورے مجددی سلسلے سے ناراض تھے۔

مولانا احمد رضا کی خاندانی خدمات

مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں کے بارے میں ان کے مولانا عبدالصمد مقتدری سے سُنیئے:

ضلع بدایوں میں ان کی بڑی جائداد تھی، بسلسلۂ انتظام جائداد بدایوں میں مُسلسل آمدورفت رہتی تھی، مولانا انوارالحق صاحب عثمانی بدایونی سے مخلصانہ برادرانہ تعلقات تھے۔ رؤسائے بدایوں دکھیڑہ بزرگ کے خصوصی مشاغل مرغ بازی اور بٹیر بازی وغیرہ سے دلچسپی لیتے تھے (رسالہ نندانہ عرس ص ۵)

مولانا نقی علی خاں رؤساء بدایوں سے مل کر بٹیر بازی کرتے تھے۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ — عالم دین ہو کر بٹیر بازی کرنا کوئی اچھی حرکت ہے؟ کیا یہ اسی کا اثر تو نہیں کہ ان کے بیٹے مولانا احمد رضا خاں علماء بدایوں سے مل کر فرقہ بازی کا شغل کرتے۔ یہ بٹیر بازی، فرقہ بازی میں کیسے بدلی؟ والیٔ رامپور نے اس میں کیا کردار ادا کیا؟ اس وقت اس سے بحث نہیں۔ اس وقت صرف اس پر غور کرنا ہے کہ مولانا نقی علی خاں کو اتنی بڑی جائداد کہاں سے ملی؟ اور کس محنت کے عوض؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں مولانا نقی علی خاں کے والد مولانا رضا علی کی انگریز دوستی کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلی میں جرنیل بخت بہادر خاں، اُگھتا سادات نومحلہ بریلی اور عام غریب مسلمان اسلام کی عزت اور وطن کی آزادی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہے تھے۔ اس وقت بریلی میں مولانا نقی علی خاں اور ان کے والد مولانا رضا علی خاں دونوں موجود تھے، انہوں نے تحریک آزادی میں کوئی حصہ نہ لیا، انگریزوں کے دوبارہ غلبہ پانے

پر بیت سے لوگ بریلی چھوڑ گئے، عام پکڑ دھکڑ جاری تھی، جنگِ آزادی کے مجاہدین کے لئے اب وہاں رہنا مشکل ہو چکا تھا، بے گناہ لوگ بھی نشانۂ انتقام بنائے جا رہے تھے۔

تحریک کا سربراہ بہادر شاہ ظفر لکھتا ہے۔

کبھی ایسا ظلم بھی ہے سنا کر دیں پھانسی لوگوں کو بے گناہ

جسے دیکھا حاکمِ وقت نے کہا یہ تو لائق دار ہے

اس فضا میں صرف وہی لوگ انگریزوں کے ہاں معزز رہ سکے، جو اس ۱۸۵۷ء کی جنگ میں انگریزوں کے ساتھ تھے، جن لوگوں نے جنگ میں حصہ لیا وہ اور ان کے اعوان و انصار سب بریلی چھوڑ گئے۔ مگر مولوی احمد رضا خاں کے دادا رضا علی خاں بریلی میں ذخیرہ میں مصروفِ کار تھے۔ لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے بریلی نہ چھوڑی۔ یہی تو مراحمِ خسروانہ کا موقع تھا۔ شاہ مانا قادری لکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر چڑھایا جا رہا تھا۔ مولانا رضا علی خاں صاحب اس زمانے میں بریلی میں محلہ ذخیرہ میں قیام فرما تھے، شہر کے با اثر بڑے بڑے لوگوں نے گھروں کو خیر آباد کہہ دیا تھا اور دیہاتوں میں جا کر روپوش ہو گئے تھے۔ مولانا صاحب نے باوجود لوگوں کے اصرار کے بریلی نہ چھوڑی — سوانح اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹۔

لوگوں کا اصرار کرنا بتلاتا ہے کہ آپ بریلی کے نمایاں لوگوں میں سے تھے۔ ایک نمایاں شخصیت کا اس وقت اس طرح بے فکر رہنا اندرونی وفاداری کا پتہ دیتا ہے سوچنے کی بات ہے کہ مولانا فضل حق خیر آبادی کو گو ایک مغالطے میں سہی، کالے پانی کی سزا دی گئی ہو، علماء کو تختۂ دار پر چڑھایا جا رہا ہو اور مولانا رضا علی خاں اپنے ذخیرہ میں آرام سے بیٹھے ہوں آخر کیوں؟ مولانا نقی علی خاں کی بدایوں میں اتنی جائداد کہ اس کے انتظام کے لئے بدایوں مسلسل آمد و رفت رہے اس کی بھی تو آخر کوئی تاریخ تھی۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ مولانا احمد رضا خاں کو نسباً و صہراً باپ اور سسرال دونوں طرف سے، انگریزوں کی خوشنودی حاصل تھی۔ سو ضروری تھا کہ غلام ہندوستان کو آپ دارالاسلام

قرار دیں اور مسلمانانِ ہند کے لئے جہاد کی ممانعت کا فتوےٰ جاری کر دیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہ کام کر دکھایا اور حق یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں کا حقِ خدمت ادا کر دیا، مُسلمانوں کی ابدی تفریق بھی انہی کاموں میں سے ہے۔ جس کے لیے آپ کی محنت تھی۔ آپ نے فتوےٰ صادر فرمایا: ہندُوستان بفضلہٖ دارالاسلام ہے۔ ؎۱
اس موضوع پر آپ نے جیساکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام اعلامُ الاعلام بأنّ ہندوستانِ دارُالاِسلام تھا۔ یہ رسالہ بریلی سے بار بار شائع ہوتا رہا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ، جنہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ غلام ہندوستان دارالحرب ہے، ان کی رُوح کس قدر مضطرب ہوگی، جب اُسے خبر ملی ہوگی کہ اسی زمین کا ایک فرزند سودیشی حکمرانوں کی رضا جوئی کے لئے اسے دارالاسلام قرار دے رہا ہے۔ اسی پر بس نہیں، مولانا احمد رضا نے پھر ممانعتِ جہاد کا فتویٰ جاری کیا اور اسی میں ہمیشہ کا عیش یقین کیا، —— آپ نے اس کا نام دوام العیش رکھا اور فرمایا:
مُسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد و قتال نہیں ؎۲

غور کیجئے کیا یہ وہی فتوےٰ حرمتِ جہاد نہیں، جس کا پرچار مرزا غلام احمد کے پیرو قادیان میں کر رہے تھے اور اس سے علماء دیو بند کی مخالفت مقصود تھی۔
الاتو اور اُن کے مسلک کے جناب مسعود احمد صاحب بھی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے، آپ لکھتے ہیں:

بہرکیف ماسوائے چند علماء کے مصلحتِ وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی ؎۳

وہ کون علماء تھے، جنہوں نے اس وقت انگریزوں کی حمایت نہ کی اور قید و بند کی صعوبتوں کو پوری مومنانہ شان سے برداشت کیا، جناب مسعود احمد لکھتے ہیں:

؎۱ احکام شریعت، مصنفہ مولانا احمد رضا خاں ص۱۵۱ حصہ دوم، ؎۲ دوام العیش ص۱۲ مطبوعہ بریلی،
؎۳ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص۳۵،

"۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن نے ریشمی خطوط کے ذریعے آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا اسی مقصد کے لیے مولانا محمود حسن حجاز گئے، یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ترکوں پر علماء حجاز اور علماء ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے، مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی مگر اسی اثناء میں شریف مکّہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن سے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے، جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیے گئے۔ ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے"[1]

مولانا احمد رضا کا انگریزوں سے امداد قبول کرنے کا فتوےٰ

مولانا احمد رضا خاں نے جب ہندوستان کو انگریزی عملداری میں دارالاسلام قرار دیا اور مسلمانانِ ہند کے لیے ممانعتِ جہاد کا فتویٰ جاری کیا تو ضروری تھا کہ اب انگریزوں سے امداد قبول کرنے کی راہیں پوری طرح ہموار ہو جائیں۔ مدارسِ عربیہ میں تعلیم دین کے لیے انگریزوں سے مالی امداد لینا عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالا تھا۔ وہ سوچتے تھے، جو دین انگریزوں کے زیرِ سایہ پرورش پائے گا وہ کیا دین ہو گا؟ یہ کوئی راز کی بات نہیں۔ ظاہر ہے تفریق بین المسلمین، تکفیرِ ملت سب اسی تخمِ حنظل کے برگ و بار تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے مدرسہ دیوبند کے دستورِ اساسی میں یہ شرط رکھی تھی کہ تعلیم دین کے لیے حکومت کی مالی مدد ہرگز قبول نہ کی جائے۔ انگریزوں کو ضرورت تھی کہ ان اثرات کو ختم کیا جائے۔ یہ خدمت بھی مولانا احمد رضا خاں کے حصے میں آئی۔ آپ نے فتویٰ صادر فرمایا۔

تعلیم دین کے لیے (انگریزی) گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا، جو نہ مخالفتِ شرع سے

---

[1] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص۳۷۔

مشروط اور نہ اس کی طرف مجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہرہ سے اصلاً کوئی دلیل نہیں ۔ دین پر قائم رہو، مگر دین میں زیادت نہ کرو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے سلاطین کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے ہیں[1]

مولانا احمد رضا کے فقہی ذوق کی داد دیجیے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کبھی کسی دوسری سلطنت کے ماتحت نہ رہے تھے ۔ انہوں نے کسی کافر بادشاہ سے کوئی ہدیہ قبول کیا ہو تو یہ برابر کی سطح پر دو حکومتوں کے درمیان ایک رابطہ و تعلق ہو سکتا ہے اس وقت اس پر بحث نہیں، ہندوستان میں اگر انگریز مولوی صاحب کو مالی امداد دے رہے تھے اور وہ بھی ان کے دینی کاموں کے لیے تو یہ دو آزاد اداروں کے مابین کی کارروائی نہیں، حاکم و محکوم کے مابین ایک سیاسی رابطہ ہے، جس کا مقصد دین کے نام سے مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانے کی مہم کا فروغ تھا ۔ اس صورت حال کو دو آزاد اداروں کے رابطہ تعلق پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے ——— ہم اس وقت مولانا احمد رضا کے فقہی ذوق پر تنقید کرنا نہیں چاہتے ۔ اس وقت موضوع بحث ان کا سیاسی ذوق ہے ۔ انگریزوں کی یہ مالی امداد محض اس لیے تھی کہ مولانا ملکی آزادی کی نہ کسی تحریک میں شامل ہوں، نہ شامل ہونے والوں سے کوئی دینی تعلق رکھیں، بلکہ بزرگوں کی محبت کے عنوان سے ان پر بے ادبی اور گستاخی کے الزامات تصنیف کرتے رہیں ۔

مولانا احمد رضا خاں نے ایک دفعہ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو بتایا تھا کہ وہ ملکی آزادی کے مخالف نہیں ہیں، یہ بات چونکہ واقع کے خلاف تھی تو ان کے معتقد مولوی منظر اللہ صاحب دہلوی کے صاحبزادے مسعود احمد صاحب نے اس کی تشریح میں بتایا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے یہ بات تالیف قلب کے لیے کہی تھی تا کہ علی برادران کی دل شکنی نہ ہو ۔ موصوف لکھتے ہیں :۔

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ ص ۱۶ مصنفہ مولانا احمد رضا خاں ۔

"فاضل بریلوی نے تالیفِ قلب کے لیے فرمایا کہ مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں"[1]
اس عبارت کا اس کے سوا کیا مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ تھے تو ملکی آزادی کے خلاف لیکن مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کا دل رکھنے کے لئے کہا کہ آپ ملکی آزادی کے مخالف نہیں ۔ حق یہ ہے کہ آپ کسی صورت میں بھی انگریزوں کو ناراض کرنا نہ چاہتے تھے ۔ ماہنامہ المیزان کے احمد رضا نمبر میں ہے ۔

آپ نے عملی طور پر تو کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا ۔ آپ کے شب و روز کے عملی اور مذہبی مشاغل اس قدر تھے کہ کسی اور شغل کی اس میں گنجائش نہ تھی ......
تحریکِ خلافت کے خلاف آپ نے قلمی جہاد کیا اور اس کے مضمرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا[2]

تحریکِ خلافت کی اساس کیا تھی ؟ مولانا احمد رضا خاں نے اس کی کیوں مخالفت کی ؟ اسے سمجھنے کے لیے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ اس تحریک کی اساس کیا تھی ؟ مسعود احمد صاحب کے الفاظ میں پڑھیئے ؛

تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات دونوں کی مشترکہ اساس انگریزوں کی مخالفت تھی[3]
مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کی مخالفت نہ کر سکتے تھے ۔ برطانوی راج ان کے لیئے سایۂ رحمت تھا ۔ آزادئ وطن ان کے مذہبی مشاغل میں شامل نہ تھی ۔ ان کے مذہبی مشاغل بس یہی تھے کہ جو شخص وہابیوں اور دیوبندیوں کے کفر میں شک کرے اس سے ملنا تک حرام ٹھہرایا جائے ، چنانچہ لکھتے ہیں :-

بلاشبہ اس سے دُور بھاگنا اور اسے اپنے سے دور کرنا ۔ اس سے بُغض ، اس کی اہانت ، اس کا ردّ فرض ہے اور توقیر حرام و ہدمِ اسلام اور اسے سلام کرنا حرام

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص ۴۵ [2] ۔ المیزان احمد رضا نمبر ص ۳۶۸ ۔
[3] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص ۲۰

اس کے پاس بیٹھنا حرام۔ اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی، بیاہ حرام اور قربت زنا خالص۔ اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام۔ مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت، اسے مسلمانوں کا سا غسل و کفن دینا حرام۔ اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر۔ [1]

اس قسم کے دینی مشاغل کے باعث آپ کو کسی سیاسی کام میں حصہ لینے کی فرصت نہ ملتی تھی، آپ نے اپنی پچاس سالہ جد و جہد اسی کام میں لگائی، جس کی جھلک عرفانِ شریعت کے اس فتوے میں ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں:

مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال مسلسل اسی جد و جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ دو مستقل مکتبِ فکر قائم ہو گئے۔ بریلوی اور دیوبندی [2]

اس پس منظر کے ساتھ مولانا احمد رضا خاں سے کسی سیاسی، سماجی یا رفاہی کام کی توقع رکھنا بالکل عبث ہے تاہم ان کے بعض معتقدین ابھی تک اس تحقیق میں لگے ہیں کہ آپ نے تحریکِ آزادیٔ ہند میں کیا کردار ادا کیا؟ ادارہ المیزان بمبئی نے ایک تجویز پیش کی جو افسوس ہے کہ سوال ہی بن کر رہ گئی۔

آج ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں، وہ سائنسی اور تحقیقی دنیا ہے یہاں ہمیں باور کرانا ہوگا کہ ملک کی آزادی کے لیے بیرونی تسلط کے خلاف انہوں نے اور ان کے رفقا نے کونسی راہِ عمل اختیار فرمائی؟ [3]

ہمیں المیزان کے اس مضمون نگار سے پوری ہمدردی ہے وہ مولانا احمد رضا خاں کی یہ راہِ عمل معلوم کرنے کے لئے بہت دوڑے۔ کوئی راہِ عمل ہوتی تو معلوم ہوتی مولانا احمد رضا خاں کو فوت ہوئے بھی اب نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے اور نصف صدی سے ہی ان کے رفقا و معتقد وہ راہ ڈھونڈ رہے ہیں۔

---

[1] عرفانِ شریعت از مولانا احمد رضا ص ۲۳۹ [2] سوانح اعلیحضرت ص ۸ [3] المیزان احمد رضا نمبر ص ۵

حسرت ہے اس مسافرِ بے بس کے حال پر　　جو تھک کے بیٹھ جائے ہے منزل کے سامنے

بات بالکل صاف ہے کہ آپ نے ملک کی آزادی کے لئے نہ کوئی تحریک چلائی نہ کسی تحریک میں حصّہ لیا۔ اگر کچھ کام کیا تو وہ تحریکِ خلافت کی مخالفت اور انگریزوں کی حمایت تھی اور مسلمانانِ ہند کے لئے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کو ناجائز بتلانا تھا۔ مولانا کھلے بندوں فتوے صادر فرماتے ہیں۔

مسلمانانِ ہند پر حکمِ جہاد وقتال نہیں[1]

صرف یہی نہیں کہ جہاد وقتال سے روکا۔ تحریک عدمِ موالات تو ہجومی نہ تھی اس میں انگریزوں کے خلاف صرف اظہارِ ناراضگی تھا۔ آپ نے اس کی بھی پوری مخالفت کی۔ انگریزوں سے اپنے دین کے لئے مالی وظیفہ لینا کوئی ضروری نہ تھا۔ کیا انگریزوں کا مالی تعاون اور وہ بھی بریلی میں دینی خدمات کے لیے کیا کسی غرض کے بغیر ہو سکتا تھا؟ مولانا احمد رضا خاں جب اسے نفع بے غائلہ کہہ رہے تھے تو ان کے احساس اور غیرت کی کیا حالت ہوگی اس کو وہی بہتر جانتے ہوں گے۔ حکومتِ برطانیہ علماء کو مالی وظیفے صرف اپنی اس پالیسی کو کامیاب کرانے کے لئے ہی دے سکتی تھی کہ وہ باہمی تفرقے سے حکومت کے پاؤں اور مضبوط کریں۔ حکومت اپنے اصول (DIVIDE AND RULE) (تفرقہ ڈالو اور حکومت کرتے جاؤ) کی تائید اور حمایت کے لیے ہی ایسے اداروں کی مدد کرتی تھی، جو مسلمانوں میں فرقہ وارانہ آگ بھڑکانے کی بھٹیاں نصب کریں۔

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

تعلیم دین کے لیے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا، جو نہ مخالفت شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے[2]

اس قسم کی تحریرات میں مولانا احمد رضا خاں کی سیاسی تصویر بالکل صاف نظر آرہی ہے۔

---

[1]: دوام العیش صـ۱۴ مطبوعہ بریلی ؛ [2] المحجۃ المؤتمنہ صـ۱۶ ۔

ماہنامہ المیزان کے مدنی میاں کا ہوائی دعویٰ

قلم و پریس کی آزادی کا دور ہے۔ لکھنے والا جو چاہے لکھ ڈالے پریس اُسے چھاپ ہی دے گا۔ پہلے دور میں لکھنے والے کتنی منفرد رائے کیوں نہ رکھتے ہوں پھر بھی سوچتے تھے کہ پڑھنے والا کیا کہے گا؟ حیا کی چادر کلیۃً اُتارتے ہوئے انہیں کچھ شرم ضرور محسوس ہوتی تھی۔ لیکن اب حالات وہ بھی نہیں رہے۔ آپ مولانا احمد رضا خاں کی سیاسی تصویر شیشے میں دیکھ چکے ہیں۔ اب ماہنامہ "المیزان" بمبئی کے مدنی میاں کا ہوائی فائر بھی سُنیئے اور ان لوگوں کی جرأت اور لوگوں کو بے وقوف بنانے کے شوق پر سر دھنیئے :۔

> اعلیٰحضرت بریلوی، صدر الافاضل، پیر جماعت علی شاہ کے کارناموں سے واقف ہوں گے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی مجاہدانہ یلغاروں سے انگریزی حکومت بوکھلا اُٹھی اور سامراجیت کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہوا![1]

واہ رے عرقوب عصر! جب تم یہ عبارت لکھ رہے۔ تمہارا ضمیر اگر کسی درجہ میں زندہ تھا تو تمہیں وہ اس وقت کیا کہہ رہا ہوگا۔ کچھ تو خیال کیا ہوتا! مولٰنا احمد رضا خاں اور انگریز کی مخالفت ـــ یہ اجتماع ضدین اعلیحضرت کی انگریزوں کے خلاف مجاہدانہ یلغار سرزمین ہند میں نہ کسی نے دیکھی، نہ کسی نے سُنی۔ آپ مدنی میاں کی بے چارگی کا اندازہ کریں اور اُن حالات پر غور کریں جو مولانا احمد رضا خاں کی وفات کے نصف صدی بعد اس قسم کے بیانات کا موجب ہوئے اور یہ لوگ اعلیحضرت کی مجاہدانہ یلغار تصنیف کرنے پر کمربستہ ہوئے۔ مدنی میاں کے چھوٹے بھائی ہاشمی میاں ترکی خلافت کی بربادی پر مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

> ۱۹۱۹ء میں خلیفہ عبد الحمید تختِ خلافت سے اُتار دیئے گئے اور اسی سال سنّیوں کی طاقت بھی ٹوٹنے لگی اور جب اعلیحضرت (احمد رضا خاں) دوبارہ ۱۹۲۱ء میں

---

[1] ماہنامہ المیزان بمبئی احمد رضا نمبر ص ۳۵۸

حج کو گئے تو آپ کو یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ علماء حرمین بھی خلافت کے ٹوٹنے سے یتیم اور ڈھیلے ہو گئے ہیں۔[۱]

تاریخ کے طالب علم بھی جانتے ہیں کہ جنگ یورپ میں انگریز اور ترک دو متحارب طاقتیں تھیں، مولانا احمد رضا خاں ترکی خلافت کے مخالف تھے۔ انگریزوں کی تعریف کرتے اور جہاد کو ناجائز بتلاتے تھے۔ مولانا شریف مکہ جس نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اس کے حق میں دُعاگو تھے۔ تاریخ سے یکسر آنکھیں بند کر کے محض فرقہ وارانہ دفاع کی خاطر پوری ڈھٹائی سے اس قسم کا کھلا جھوٹ بولنا اور مولانا احمد رضا کو ترکی خلافت کا خیر خواہ بنانا ایسی شرمناک حرکت ہے کہ کوئی شریف انسان اس کا ساتھ نہ دے سکے گا۔ شریف مکہ جس نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے جنگ یورپ میں انگریزوں کا شرمناک ساتھ دیا تھا اس سے ہمدردی کرتے ہوئے خلافتِ عثمانیہ کے ٹوٹنے کی ساری ذمہ داری سلطان ابن سعود پر ڈالنا ہاشمی میاں کا ہی تاریخی کمال ہے۔ ان کی جماعت کے مسعود احمد صاحب بھی لکھتے ہیں۔ آپ ان کے ضمیر کی بھی داد دیجیے۔ کس جرأت سے تاریخ مسخ کر رہے ہیں۔

جب حنفیوں کی خلافت ٹوٹ گئی۔ ابن سعود نے خلافت کے وکیل شریف مکہ کو مار بھگایا اور پورے حجاز پر قبضہ کر لیا۔[۲]

میاں برادران (مدنی میاں اور ہاشمی میاں) تاریخی معلومات میں عجیب شئے نکلے۔ ان کے خیال میں شریف مکہ ترکی خلافت کے وکیل تھے۔ بریلوی حضرات اس جھوٹ سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ ترکی خلافت کی تباہی پر مولانا احمد رضا خاں بھی غمناک تھے۔ ہاشمی میاں کو اور کوئی کتاب میسر نہ تھی تو مسعود احمد صاحب کی کتاب فاضل بریلوی اور ترک موالات ہی دیکھ لیتے ہم اس کی یہ عبارت پیش کر آئے ہیں۔

۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا۔ اس

---

[۱] ایضاً صفحہ ۶۱۵ [۲] فاضل بریلوی اور ترک موالات صفحہ ۳۷

مقصد کے لیئے مولانا محمود حسن حجاز گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ترکوں پر علماء حجاز اور علماء ہند کی طرف سے کُفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے۔ مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی۔ مگر اسی اثناء میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے۔ مگر وہ رُوپوش ہو گئے۔ جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے گئے ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔[۱]

ہاشمی میاں کو یہ کتابچہ بھی میسّر نہ تھا تو اس ماہنامہ المیزان کو ہی دیکھ لیتے اور تصحیح اغلاط کے طور پر ہی اپنی غلط بیانیوں سے رجُوع فرما لیتے۔ المیزان کے اسی نمبر میں مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھا ہے:۔

> تحریکِ خلافت کے خلاف آپ نے قلمی جہاد کیا اور اس کے مضمرات سے مسلمانوں کو آگاہ کیا۔[۲]

جہاد کن کے خلاف ہوتا ہے؛ جنہیں انسان کافر سمجھے اور غلط کار ٹھہرائے۔ معلوم ہوتا ہے مولانا احمد رضا خاں تحریکِ خلافت کے سب حامیوں کو کافر یا کم از کم غلط کار ضرور سمجھتے تھے۔ انگریزوں کے کسی درجہ میں خلاف نہ تھے۔ جہاد کی ممانعت کا فتوے دیتے تھے[۳] اور تحریکِ خلافت کے حُریت پسندوں کے خلاف خود جہاد کرتے تھے ———— ہمیں اس صُورت حال پر تعجب نہیں۔ تعجب ہاشمی میاں کی تاریخ دانی اور غلط بیانی پر ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو عثمانی خلافت کے خیر خواہوں میں بتلایا اور شریف مکہ کو ترکی خلافت کے وکیلوں میں لکھ مارا، جھُوٹ کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔

---

[۱] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص۳۷ [۲] المیزان احمد رضا نمبر ص۳۶۸ [۳] دوام العیش ص۱۴

مولوی احمد رضا خاں کو ترکی خلافت کا طرفدار بتانے والے نہیں جانتے کہ آستانۂ بریلی ترکی خلافت کے ٹوٹنے پر کس قدر مسرور و شاداں تھا۔ ہم یہاں اُن کی چند تحریریں ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ جن کے لفظ لفظ سے خلافتِ عثمانیہ کی بربادی پر ان کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن ہونے کا پتہ ملتا ہے۔ ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) میں مولوی احمد رضا خاں صاحب کی وفات ہوئی۔ ۱۳۴۱ھ میں ان کے صاحبزادے مصطفےٰ رضا خاں نے بربادی خلافت پر بہت خوش پیرائے میں لکھا۔ عبارت کی قافیہ بندی اور خلافت کے حامی اخبارات کا اس چلبلے انداز میں ذکر کرنا ان کی اندرونی شادمانی کا پتہ دیتا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

خلافت کے بڑے نامی، گرامی، حامی، کامی، ہمدرد و ہمراز و ہمدم و ہمساز اخبار بھی آج کل وہ خبریں شائع کر رہے ہیں۔ جن سے ان کی خود ساختہ خلافت کی رہی سہی جان پر بن گئی۔ نیم جان کے گلے پر چھری چل گئی۔ ہمدم کہتا ہے:۔

"انگورہ کی روش قطعی غیر مصالحانہ ہے اور اس نے عزم بالجزم کیا ہے۔ کہ حکومت آستانہ کا عدم و وجود برابر سمجھے۔ لہٰذا جمعیت عالیہ علیہ نے قصد کر لیا کہ وزیر اعظم کے تار کا کوئی جواب بھی نہ دیا جائے اور خیال کیا جائے کہ حکومت آستانہ صرف ولایت قسطنطنیہ کی انتظامی کونسل تک محدود ہے۔"

مسلمانو! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس عبارت کا ایک ایک فقرہ کس طرح خلافت کے دل پر تیز نشتر اور لفظ لفظ گلوئے خلافت پر خنجر کا کام کر رہا ہے۔[1]"

غور کیجئے کیا یہ تحریریں کسی ایسے شخص کی ہو سکتی ہے جو خلافت کا خیر خواہ رہا ہو ان کا لفظ لفظ ترکی خلافت پر تیر برسا رہا ہے اور اس کی بربادی و ناکامی پر مسکرا رہا ہے۔

؎ یہ کس کو قتل کر کے آ رہے ہو ٭ یہ دیکھو سُرخ چھینٹیں آستیں کی

مولانا احمد رضا خاں زندگی بھر انگریزوں کی خیر خواہی، اور ترکی خلافت کی مخالفت

---

[1] تمہید دوام العیش ص ۴ مصنفہ مولوی احمد رضا و تمہید از صاحبزادہ مصطفےٰ رضا خاں مطبوعہ حسنی پریس بریلی

کرتے رہے۔ اس لیئے کہ "تحریک خلافت کی اساس انگریز کی مخالفت پر تھی"۔ لہ
واضح رہے کہ خلافت کی یہ مخالفت محض انگریز کی رضا جوئی کے لیئے تھی۔ خلافت کے خیرخواہ کا اندازِ کلام دیکھنا ہو تو ڈاکٹر اقبال کا درد بھرا کلام دیکھیئے۔ اس میں آپ کو اچھے مستقبل کی جھلک حوصلہ دیتی دکھائی دے گی۔ ے

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے　　کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

شریف مکہ ہرگز خلافت کے وکیل نہ تھے۔ جیسا کہ ہاشمی میاں نے بنا رکھا ہے۔ اس شخص نے ترکوں کے خلاف انگریزوں کا شرمناک ساتھ دیا۔ ان کے خلاف بغاوت کی خلافت کے حامی اسے بڑا مفسد اور باغی جانتے ہیں۔ مگر بریلوی لوگ ہیں کہ اس کی تعریف کرتے ان کی زبان خشک نہیں ہوتی۔ مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مولوی مصطفیٰ رضا خاں لکھتے ہیں:۔

حضرت شریف زید مجدہٗ (اس کی شان زیادہ ہو) ودامت معالیہ (اور ان کی ترقیات دائمی ہوں) وبورکت ایامہ ولیالیہ (اور ان کے دن اور راتیں متبرک ہوں) اب خود بر سر حکومت آزاد ہیں اور بہت سے لوگوں نے انہیں خلیفہ مان لیا ہے۔ ۲ے

صاحبزادہ صاحب نے یہاں مولانا احمد رضا خاں کی پیروی کی ہے۔ شریف مکہ کے لیئے دعائیں کر رہے ہیں۔ اُن کے والد صاحب انہیں وصیت کر گئے تھے:۔

میرا دین و مذہب جو میری کتابوں سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ (دستخط) فقیر احمد رضا غفرلہٗ بقلم خود۔ ۳ے

مولانا احمد رضا خاں کے ہاں شریف کی یہ شان اور مرتبہ محض اس لیئے تھا کہ اس نے

لہ فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۴۵ ۲ے حجۃ واہرہ ص ۲۲ مطبوعہ حسنی پریس بریلی ۱۳۴۲ھ ۳ے وصایا شریف ص

جنگ یورپ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی مگر تحریک خلافت کے قائد، شریف کو باغی اور مفسد گردانتے تھے اور حق یہ ہے کہ وہ حجاز کا میر جعفر تھا اور تو اور خود مصطفےٰ رضا خاں سے ہی قائدین تحریک خلافت کی یہ رائے معلوم کر لیجئے قائدین تحریک

"شریف ملک الحجاز (حجاز کے بادشاہ) کی بابت اس لیئے کہ انہوں نے سلطان (ترکی) کی اطاعت سے خروج کیا۔ باغی، مفسد، واجب القتل اور کافر ہونے کا حکم لگا چکے ہیں"[1]

ابھی ابھی آپ شریف مکہ کو خلیفہ سن رہے تھے۔ اب یکایک وہ بادشاہ ہو گئے اور جب ملک عبدالعزیز بن سعود نے انہیں مار بھگایا تو وہ خلافت عثمانیہ کے وکیل بنا دیئے گئے[2] ہم ان مختلف بیانات سے تعرض نہیں کرتے۔ انگریز، شریف مکہ اور مولانا احمد رضا خاں سب ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں تھیں۔ تحریک خلافت کے قائدین جن میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی تھے۔ ان سب کی رائے تھی کہ آستانۂ بریلی کو انگریزوں کی طرف سے مالی امداد ملتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مولوی مصطفےٰ رضا خاں سے سُنئے اور آستانہ بریلی کی انگریز پرستی پر سر دھنیئے:

لیڈر (تحریک خلافت کے قائدین) تو ہم غربا۔ اہلسنت (مولانا احمد رضا کے پیرؤں) کو نصارے (انگریزوں) کا طرف دار و رشوت خوار (جنہیں مالی امداد ملتی ہو) اور ترکوں کا دشمن بناتے تھے[3] ـــــــــ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری۔

خلافت کی بربادی پر مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے اور کھل کر سامنے آ گئے۔ اب یہ بات ڈھکی چھپی نہ تھی کہ آستانۂ بریلی کو انگریزوں کی طرف سے امداد ملتی ہے۔ گھر کے ہی فرزند نے یہ راز فاش کر دیا اور اس پر قائدین تحریک خلافت کی تصدیق بھی پیش کر دی۔

؎ دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے ــ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

---

[1] تمہید دوام العیش ص۹ [2] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص۳۷ [3] تمہید دوام العیش ص۱۱ مطبوعہ بریلی

مولوی مصطفیٰ رضا خاں صاحب شریف مکہ اور انگریزوں کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

"دُنیا کو اگر معلوم ہے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ شریف مکہ نے ترکوں کی غلامی سے نکل کر اپنی حکومت ان سے آزاد کرالی۔ شریف نے یہ کیوں کیا؟ کیوں نہیں ممکن کہ یوں کیا ہو کہ ترکوں میں کوئی قوت باقی نہیں رہی تھی...... جب ترکی قوم بھوکی مر رہی تھی اور سلطنت اس کی خبر نہ لے سکتی تھی۔ جو بہ نسبت حجاز ان سے بہت زیادہ قریب اور ہاتھ کے نیچے تھے۔ ایسے سخت وقت اور اس سقیم حالت میں کہ حجاز میں قحط کی یہ کیفیت تھی کہ لحم میتۃ (مردار گوشت) بھی باقی نہ رہا تھا اور لوگوں کو تلاش پر وہ بھی دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔ نصاریٰ ہندوستان سے اناج کے جہاز بھر کر لے جاتے اور یہاں چار سیر بکتا تھا وہاں دس سیر کا فروخت کرتے بلکہ مفت بانٹتے تھے۔"[1]

ترکی حکومت میں عرب اپنے ملکوں میں غلام ہرگز نہ تھے۔ جس طرح حضرت عمرؓ کے وقت ایرانی غلام نہ تھے۔ پرچم خلافت کے تحت سب مسلمان ملک ایک سے تھے۔ عرب دُنیا کی مانی ہوئی بہادر قوم ہیں۔ ان کے بارے میں یہ اندازِ فکر کہ انہیں ترکوں نے غلام بنا لیا ہوا تھا۔ انگریزوں کا تصنیف کردہ ہے اور بہت گھٹیا انداز فکر ہے۔ ملی وحدت کے تحت ماتحت حکومتیں غلام نہیں ہوتیں۔ مسلمان اُس وقت جغرافیائی حدود سے بالا ایک عالمی قوت تھے۔ ترکوں کے مرکزی اقتدار اور وحدت ملی کو دوسروں کی غلامی سے تعبیر کرنا اور پھر ان کی کس مپرسی اور تنگ دامانی کو اس انتہا پر لے جانا کہ ان کے لیئے انگریزوں کے سایۂ رحمت کے سوا اور کوئی جائے پناہ نہ رہی تھی۔ یہ حالات پتہ دیتے ہیں کہ آستانۂ بریلی اس وقت قادیان کی طرح برطانوی سامراج کی ایجنسی بنا ہُوا تھا۔ آپ اس عبارت کے لفظ لفظ پر غور فرمائیں۔ یہ حقیقت ازخود عیاں ہوتی جائے گی۔ کہ رضاخانی اور قادیانی ہر دو تحریکوں کے پیچھے ایک ہی قوت کارفرما

---

[1] حجۃ واہرہ صہ ۹ مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔ ٹائیٹل پر حضرت شریف بُزرگ نی شرفہ لکھا ہے۔

تھی. دونوں کا مقصد حکومتِ برطانیہ کا استحکام اور مسلمانوں کی باہمی تفریق تھی مولانا مصطفےٰ رضا خاں انگریزوں کی حمایت میں جو دلائل دے رہے ہیں. ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان میں کچھ جان نہیں رہتی. نصاریٰ اگر ہندوستان سے اناج کے جہاز بھر کر لا سکتے تھے. تو ہندوستان اگر برطانیہ کے زیرِ حکومت نہ ہوتا تو کیا یہ کام ترک اور پھر ہندوستان کے مسلمان کیا خود نہیں کر سکتے تھے؟ ہندوستان کا اناج لا کر حجاز میں تقسیم کرنا اور اس کی قیمت ترکوں کی مخالفت ٹھہرانا، انگریزوں کا کوئی قابلِ فخر کارنامہ نہیں ہے جس پر یہ بریلوی حضرات فخر کر رہے ہیں. انگریز یہ اناج لندن سے نہیں لا رہے تھے کہ اسے خدمتِ خلق شمار کیا جائے. نہ یہ بلا قیمت بخشش تھی. کہ اسے انسانی ہمدردی قرار دیا جائے. دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر ان سے اپنے ہی بھائیوں کے خلاف بغاوت کرانا یہ کہاں کی شرافت تھی. یہ برطانوی سیاست کا وہ سیاہ باب ہے جس پر آستانۂ بریلی کے سوا کوئی غیرت مند مسلمان کلماتِ تحسین نہ کہہ سکے گا. ہمیں افسوس ہے کہ ہم مولانا مصطفےٰ رضا خاں کے اس بیان کی نہ تائید کر سکتے ہیں اور نہ انگریزوں کی اس کارروائی کو کسی درجہ میں لائقِ مدح سمجھتے ہیں.

مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے ترکی کی یہ حالت بتائی کہ قوم بھوکی مر رہی تھی. اس سے پتہ چلتا ہے کہ ترکی اور حجاز ایک حالت میں تھے. عرب اگر واقعی غلام بنائے گئے ہوتے تو دونوں ملکوں کی حالت مختلف ہوتی. ہندوستان اور انگلستان کبھی ایک حالت میں نہیں رہے. کیوں کہ ایک غلام اور دوسرا فرمانروا تھا. اسلامی نظامِ خلافت میں حکومت تمام ماتحت ممالک میں خدا تعالیٰ کی نیابت میں کام کرتی ہے. وہاں جغرافیائی فاصلے اور نسلی امتیازات یکسر مٹے ہوتے ہیں. آستانۂ بریلی کا ترکی خلافت کو ماتحت ممالک کے لیئے غلامی قرار دینا خلافت کو توڑنے اور انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے تھا اور حجاز کی حالت کو اس درجہ گری ہوئی تبلانا بھی اس لیئے تھا کہ انگریزوں کی مداخلت کے لیئے کوئی وجہ جواز پیدا کی جائے.

انگریز پرستی کی انتہا تھی کہ مولانا احمد رضا خاں بغیر کسی وجہ کے بھی ترکوں کے خلاف بغاوت

کو جائز سمجھتے تھے۔ مولانا مصطفیٰ رضا خاں لکھتے ہیں :۔

بفرض غلط اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ شریف نے محض بے وجہ ترکوں کو نکالا۔ اور اپنے آپ حاکم بن بیٹھے اور انگریزوں سے ساز باز کر لیا۔ تو اس پر یہ کہنا کہ انہوں نے اپنی آخرت کو برباد کر لیا کیا ستم ہے۔ کیا ترکوں کو نکال دینا کفر ہے؟[1]

مسلمانو! کچھ خیال کرو۔ آستانۂ بریلی کس ڈھٹائی سے کہہ رہا ہے کہ انگریزوں سے ساز باز کرنے سے آخرت تباہ نہیں ہوتی۔ ہم پوچھتے ہیں تو پھر کیا انگریزوں کی مخالفت سے آخرت تباہ ہوتی ہے ؟ مولانا مصطفےٰ رضا خاں کس طمطراق سے پوچھتے ہیں " کیا ترکوں کو نکال دینا کفر ہے "؟ مولانا کو کیا معلوم نہیں کہ شریف نے بغاوت کر کے ترکوں کے خلاف جنگ و قتال کیا تھا۔ وہ کیا مسلمان کا مسلمان سے قتال نہ تھا ؟ اور کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔[2] کیا اتنی بات بھی مولانا مصطفےٰ رضا کو معلوم نہ تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ انگریز شریف کے ساتھ تھے۔ انگریزوں کے حکم سے ہی کعبہ پر گولیاں چلیں۔ افسوس کہ آستانۂ بریلی نے اس کی ذمہ داری بھی ترکوں پر ڈالی۔ مبادا انگریزوں کے خلاف مسلمان نہ بھڑک اٹھیں۔ ترکوں کے خلاف بغض کی یہ انتہا ہے مصطفےٰ رضا خاں لکھتے ہیں :۔

کسوت کعبہ ترکی گولی سے جلی۔ ترکوں نے قلعہ سے شریف کے مکان پر گولہ باری کی انہیں کے گولہ سے کسوت کعبہ معظمہ (غلاف کعبہ) کی یہ توہین ہوئی۔[3]

ترکی کے شیخ الاسلام شیخ رابق شہید ہوئے، انگریزی مظالم کا نشانہ بنے۔ ہر قلب مومن اس پر حزیں تھا۔ مگر افسوس کہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب نے اس پر بھی انگریزوں کی ہی تائید کی۔

شیخ رابق کے قتل کا ثبوت بھی شرعی درکار، اور بالفرض ایسا ہوا بھی ہو تو اس کا ثبوت لاؤ کہ وہ قتل قتل ناحق تھا۔[4]

---

[1] حجۃ واہرہ صفحہ ۱۰ [2] سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر [3] حجۃ واہرہ صفحہ ۱۲ [4] ایضاً صفحہ ۱۳

آہ! اسلامی غیرت کہاں گئی۔ ایک عالم کے قتل پر دوسرے عالم کی خوشی دیکھیے۔ آستانہ بریلی کا انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ کس انتہا کو پہنچا ہوا تھا کہ شیخ الاسلام شیخ رابق کے قتل کو قتل برحق کہہ رہے ہیں ——— انگریزوں کی حمایت کا یہ گھناؤنا انداز آپ کو کسی مسلمان کے ہاں نہ ملے گا۔ شریف مکہ جس نے جنگ یورپ میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اس کے حق میں آستانۂ بریلی کے الفاظ کی لذت ملاحظہ کیجیے:۔

حضرت شریف زید مجدہٗ (ان کی بزرگی میں اضافہ ہو) ودامت معالیہ (ان کی بلندیاں ہمیشہ رہیں) وبورکت ایامہٗ ولیالیہٗ (اور ان کے دنوں اور راتوں میں برکت ہو) اب خود برسر حکومت ہیں۔[1]

شریف کے اس کردار پر مسلمان اس سے بین الاقوامی طور پر ناراض تھے۔ عالم اسلام میر جعفر (بنگال)، صادق (دکن)، اور شریف (مکہ) سب کے کردار پر نفرین کر رہا تھا۔ مگر آستانۂ بریلی کے سامنے صرف شریف اور انگریزوں کی عزت تھی۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے شریف کی عزت کو بچانے کے لئے کعبہ شریف کے دروازے کے بارے میں جو شرمناک زبان اختیار کی ہے۔ اس کی نقل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ "نقل کفر کفر نباشد"، کے طور پر یہ سطور ملاحظہ ہوں:۔

شریف نے باب مکہ معظمہ پر اپنے گھوڑے کو سیٹی دے کر کب پیشاب پاخانہ کرایا؟ شریف نے باب کعبہ کب ڈھایا؟ شریف نے کیا ان میں سے کسی سے کہا کہ گدھو! تم تو کہتے تھے حرم میں جو داخل ہوا وہ امن والا ہے۔ اب تمہاری امان کہاں گئی۔[2]

کعبہ مکرمہ کے ذکر کے ساتھ یہ زبان، لفظ لفظ سے لکھنے والے کے اندرونی بغض کا پتہ دے رہی ہے۔ مولانا مصطفےٰ رضا خاں جب یہ الفاظ لکھ رہے تھے ان کی غیرت کہاں سو گئی تھی؟

---

[1] حجۃ داہرہ ص۲۲ [2] ایضاً ص۲۸

یہ سب کچھ کیوں ہو رہا تھا؟ یہ انگریزی سیاست کے کڑوے پھل تھے جو حکومت کے مراحم خسروانہ کے زیر سایہ انہیں کھانے ہی تھے، پھر جو شخص بھی آزادی کے لیئے اٹھا۔ قادیان اور بریلی دونوں اس پر برسے اور دونوں نے برطانوی سامراج کے استحکام کے لیئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی کے خلیفہ شاہ ہدایت اللہ نے بجا پیشینگوئی کی تھی۔

دو کس بنام احمد دوست داند فرنگ   از قادیان مرزا دگر آید از بریلی

ترجمہ۔ دو شخص جن کے نام میں احمد آئے گا انگریزوں کے حامی ہوں گے۔
قادیان سے آنے والا مغل خاندان سے ہوگا اور دوسرا بریلی سے اُٹھے گا۔

قادیانیوں اور رضاخانیوں کے مشترکات

قادیانی اور رضاخانی دونوں تحریکوں کا سرچشمہ ایک تھا اور دونوں کے پیچھے انگریز کارفرما تھے جن کی ان دو اصولوں پر بناء تھی:۔

(۱) برصغیر پاک و ہند میں انگریزی اقتدار کو استحکام بہم پہنچانا، تحریکات آزادی کی مخالفت کرنا اور مسلمانوں کو کمزوری کا احساس دلا کر جہاد کے انکار پر لانا اور انگریزوں سے صلح پر آمادہ کرنا۔

(۲) مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانا کہ یہ اپنے سوا دوسروں کو کافر سمجھیں اور ایسی علیحدگی عمل میں لانا کہ یہ فاصلے پھر کبھی نہ مٹ سکیں۔ قوم مستقل طور پر دو ٹکڑوں میں بٹ جائے۔

انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا۔ اس لیئے ان کی فکری سیاست یہ تھی کہ جہاں تک ہو سکے اس قوم کو مفلوج کیا جائے۔ مرزا غلام احمد نے آسمانی دعووں سے انگریزوں کی خیر خواہی کی مسلمان سمجھنے کی کوشش کرتے اور اصلاحی تحریکیں اُٹھتیں تو مولانا احمد رضا خاں ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے۔ انگریزی سیاست نے مسلمانوں کا عجیب حال کر رکھا تھا۔ مشہور مؤرخ مولانا عبدالحئی لکھنوی علماء ہند کے تراجم و احوال میں مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"دشمنی و خصومت میں بہت ہی زیادہ سخت تھے۔ اپنی ذات اور اپنے علم پر گھمنڈ کرتے تھے۔ ہر اصلاحی تحریک کے پیچھے پڑ جاتے تھے"[1]

علماء فرنگی محل میں حضرت مولانا عبد الباری ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ علماء فرنگی محل گو چند ذیلی مسائل میں علماء دیوبند سے اختلاف رکھتے تھے۔ مگر وہ مولانا احمد رضا خاں کے تکفیری فتوؤں سے بھی متفق نہ تھے۔ مولانا احمد رضا نے ان پر بہت دباؤ ڈالا کہ کسی طرح وہ بھی ان کی ہمنوائی کریں۔ مگر آپ نے ان کی پوری مزاحمت کی۔ مولانا عبد الباری ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

جو متکبرانہ انداز مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ہم لوگوں کے ساتھ اختیار کیا ہے اس سے مرعوب ہو کر میں کچھ کرنے کو اپنے اوپر ناجائز سمجھتا ہوں۔ بلکہ التکبر علی المتکبر صدقۃ (متکبر سے تکبر کے ساتھ پیش آنا نیکی ہے) کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اعتنا کرنا نہیں چاہتا۔[2]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مولانا عبد الحی لکھنوی کی مذکورہ سابقہ رائے کہ مولانا احمد رضا کو اپنے علم پر بہت گھمنڈ تھا۔ صرف انہی کی رائے نہ تھی۔ مولانا عبد الباری کی رائے بھی مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں یہی تھی۔

مولانا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی میں انگریز دوستی کی بنا پر اصلاحی تحریکوں کی مخالفت قدرِ مشترک تھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رضا خانی اور قادیانی نظریات کا مندرجہ ذیل عنوانوں کے تحت تقابلی مطالعہ کیا جائے۔

(۱) انگریزوں سے خاندانی وفاداری (۲) انگریزوں کی تعریف (۳) جہاد کی ممانعت (۴) ترکِ موالات کی مخالفت (۵) ماموریت کا دعوے (۶) مسلمانوں کی عام تکفیر (۷) مکہ و مدینہ کے اماموں کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینا (۸) تحریک خلافت کی مخالفت (۹) انگریزی حکومت سے امیدیں۔ (۱۰) اور قرآن کریم میں تحریف لفظی کی کوشش۔

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ص [2] الطاری الداری بہفوات عبد الباری حصہ دوم ص مطبوعہ حسنی پریس بریلی۔

قادیانیوں اور رضائیوں کی مشترکہ اساس

① انگریزوں سے خاندانی وفاداری

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے پچاس سوار اور پچاس گھوڑے سرکار انگلشیہ کو پیش کیے تھے کہ وہ برطانیہ کی حمایت میں اہل ہند کو کچلیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے والد مولانا نقی علی خاں اور دادا مولانا رضا علی خاں ان دنوں بریلی میں بڑے سکون و اطمینان سے ذخیرہ میں تشریف فرما تھے۔ جرنیل بخت خاں سادات نومحلہ بریلی اور عام غریب مسلمان اسلام کی عزت اور آزادئ وطن کے لیے سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے اور مولانا رضا علی انگریزوں کے سایۂ اعتماد میں مطمئن بیٹھے تھے۔

رضاخانی فکر و عمل

مولانا احمد رضا خاں کے معتقد سوانح نگار شاہ ماناں میاں قادری مولانا احمد رضا خاں کے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> مسلمانوں کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر چڑھایا جا رہا تھا۔ مولانا رضا علی خاں اس زمانہ میں بریلی میں محلہ ذخیرہ[1] میں قیام فرما تھے۔ شہر کے بڑے بڑے بااثر لوگوں نے گھروں کو خیرباد کہہ دیا تھا اور دیہاتوں میں جا کر روپوش ہو گئے تھے۔ مولانا صاحب نے باوجود لوگوں کے اصرار کے بریلی نہ چھوڑی[2]

معلوم ہوا بڑے حضرت کے حکومت سے پورے اعتماد کے تعلقات تھے۔ مگر لوگ یونہی اصرار کر رہے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ حکومت سے تعلقات رکھنے والے بڑے بڑے بااثر لوگ اپنے آپ کو خطرے میں سمجھتے تھے۔ لیکن مولانا رضا علی کو برطانیہ سے بہت ہی گہرا اعتماد حاصل تھا۔ مولانا احمد رضا کی یہ جدی نسبت کا حال ہے۔ اب ذرا صہری نسبت کے بارے میں بھی سنیئے:

---

[1] گورا فوج لوٹ مار کا مال اس محلے میں جمع کرتی تھی اور یہ جگہ ان کا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ "ذخیرہ"

[2] سوانح اعلیٰحضرت صہ ۲۰

اعلیٰحضرت کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم ریاست رامپور میں نواب کلب علی خاں کے (سیاسی) مشیروں میں ممتاز درجہ پر فائز تھے۔[1]

قادیانی فکر و عمل

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:۔

میں ایسے خاندان سے ہوں جس کی نسبت گورنمنٹ نے ایک مدت دراز سے قبول کیا ہوا ہے کہ وہ ——— اول درجہ پر سرکار انگریزی کا خیر خواہ ہے۔[2]

میرا باپ سرکار انگریزی کے مراحم کا ہمیشہ امیدوار رہا اور عندالضرورت خدمتیں بھی بجالاتا رہا۔[3]

۲ انگریزوں کی مدح و تعریف

رضاخانی فکر و عمل

مولانا مصطفےٰ رضا خاں جانشین صاحبزادہ مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کی تعریف میں لکھتے ہیں:۔

حجاز میں قحط کی یہ کیفیت تھی کہ لحم میتۃ (مردار گوشت) بھی باقی نہ رہا تھا اور لوگوں کو تلاش پر وہ بھی دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔ نصاریٰ (انگریز) ہندوستان سے اناج کے جہاز بھر کر لے جاتے اور یہاں چار سیر بکتا تھا وہاں وہ دس سیر کا فروخت کرتے بلکہ مفت بانٹتے تھے۔[4]

قادیانی فکر و عمل

مرزا غلام احمد نے ۷ مئی ۱۸۹۸ء کو انگریزوں کی تعریف کرتے ہوئے یہ اعلان کیا:۔

کیا تم سلطان روم کی عملداری میں رہ کر یا مکہ اور مدینہ میں اپنا گھر بنا کر شریر لوگوں کے حملوں سے بچ سکتے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ہفتہ ہی میں تم تلوار سے ٹکڑے

---

[1] ایضاً ص ۵ [2] تبلیغ رسالت حصہ ہفتم ص ۸ [3] نور الحق حصہ اول ص ۲۸ [4] حجۃ واہرہ ص ۹

ٹکڑے کیئے جاؤ گے۔[۱]

(۳) جہاد کی ممانعت کا فتوئے

جب ہندوستان میں انگریزی عملداری کے خلاف تحریکیں اُٹھ رہی تھیں اور مسلمان انگریزوں کی مخالفت کرنے کو جہاد سمجھتے تھے۔ تو مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان نے اُن کی روک تھام کے لیئے ممانعت جہاد کے فتوے جاری کیئے۔ تاکہ مسلمان جو مذہب کے نام پر انتہائی قربانی کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں ان کے جوش کو ٹھنڈا کیا جائے۔

رضاخانی فکر و نظر

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔[۲]

مولانا مصطفےٰ رضا خاں ایک مقام پر انگریزوں کے حلیف شریف مکہ کی حمایت کرتے ہوئے انگریزوں کے خلاف فتوئے جہاد پر یوں طنز کرتے ہیں:۔

ہندوستان میں فرضیتِ جہاد کے فتوے دینے والے اور جو اُن میں شریک نہ ہوں انہیں نامرد بتانے والے شریف سے کیوں اتنے خائف ہیں۔[۳]

اس عبارت کا لفظ لفظ بتا رہا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں اور ان کے حلقے کے لوگ انگریزوں کے ساتھ تھے اور مجاہدین آزادی پر آوازے کستے تھے۔

قادیانی فکر و عمل

مرزا غلام احمد لکھتا ہے:۔

گورنمنٹ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد میں لکھیں۔[۴]

۵ اے دوستو! جہاد کا اب چھوڑ دو خیال — دیں کے لیئے حرام ہے اب جنگ اور قتال[۵]

---

[۱] تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صد ۱۲۳ [۲] دوام العیش صد ۱۴ مطبوعہ حسنی پریس بریلی [۳] حجۃ واہرہ صد ۲۱
[۴] تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صد ۲۸ [۵] تحفہ گولڑویہ صد

④ ترکِ موالات کی مخالفت

جہاد کی کمزور ترین صورت یہ تھی کہ انگریزوں سے موالات اور دوستی کا تعلق نہ رکھا جائے ہندوستان پر ان کے شاطرانہ اور جابرانہ قبضے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اس طرح ان سے بائیکاٹ کیا جائے کہ انگریزوں کو محسوس ہونے لگے۔ کہ لوگ انہیں نہیں چاہتے اور ان کے حکومت پر جبری قبضہ سے نالاں ہیں۔ بجوی جہاد کے لیئے تو قوت و بے چارگی کا سوال ہو سکتا تھا۔ لیکن ترکِ موالات تو جہاد کی کمزور ترین صورت تھی۔ اس میں قوت و بے چارگی زیرِ بحث نہ تھی۔ جو لوگ اس درجے میں بھی اسلام کی غیرت نہ رکھتے ہوں۔ اس کے دہے ان کے اسلام کی کیا صُورت ہوگی۔

رضاخانی فکر و عمل مولانا احمد رضا خاں نے ترکِ موالات کی بھی پُوری مخالفت کی۔ جناب مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

> یہ وہ زمانہ تھا جب ترکِ موالات کے خلاف آواز اٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف تھا۔ مگر فاضل بریلوی نے اظہارِ حق (حق کو غالب رکھنے) میں ملامت کرنے والوں کی پرواہ نہ کی اور فقیہانہ شان کیا تم فیصلے صادر فرمائے۔[1]

کیا انگریز حق پر تھے؟ اظہارِ حق کی کیا یہی صورت تھی کہ فقہی جزئیات سے مضمون کھینچ کھینچ کر انگریزوں کی حمایت کی جائے اور جس طرح بھی بن پڑے جذبۂ جہاد کو دبایا جائے جب یہ کہا گیا کہ کم از کم انگریزوں سے مالی مدد لینا تو چھوڑ دو۔ تو مولانا احمد رضا خاں نے کہا۔

> تعلیمِ دین کے لیئے گورنمنٹ (برطانیہ) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو۔ یہ تو نفع بے غائلہ ہے[2]

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات صد ۴۱ [2] المحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ صد ۹ مصنفہ احمد رضا خاں

قادیانی فکر و عمل

مرزا غلام احمد ترک موالات تو در کنار موالات برطانیہ کے آسمانی داعی تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کی زندگی ہی موالات پر تھی۔

خود لکھتے ہیں :۔

گورنمنٹ برطانیہ میری وہ تلوار ہے جس کے مقابلہ میں ان علماء کی کچھ پیش نہیں جاتی۔[۱]

مرزا بشیر الدین محمود نے بھی مولانا احمد رضا خاں کی طرح تحریک ترک موالات کے خلاف بہت کام کیا۔ لکھتے ہیں :۔

جماعت احمدیہ کی مذہبی تعلیم یہ ہے کہ حکومت کی فرمانبرداری کی جائے تو پھر جماعت احمدیہ گورنمنٹ کی مخالف کس طرح ہو سکتی ہے۔[۲]

(۵) ماموریت کا دعوے

قادیانی لوگ مرزا غلام احمد کو خدا کی طرف سے مقرر کردہ سمجھتے ہیں اور اسے مہدی اور مسیح کہتے ہیں۔ بریلوی جماعت کے لوگ بھی مولانا احمد رضا خاں کو مامور من اللہ (خدا کی طرف سے مقرر کردہ) کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدہ میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی مامور من اللہ کے منصب پر نہیں ہو سکتا۔ جس کا ماننا فرض اور نہ ماننا کفر ہو۔ آدمی مامور من اللہ کے انکار سے بے شک کافر ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لوگ دل سے نہ مانتے تھے ان کے بارے میں ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا۔ لیکن کسی مولوی یا مولانا کے مخالفین کو ہم فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا نہیں کہہ سکتے۔ قرآن کریم میں یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کے بارے میں وارد ہے اور یہ حکم یقینی طور پر صرف مامور من اللہ کے نہ ماننے پر ہی لگ سکتا ہے اب اس باب میں رضا خانی عقیدہ دیکھیے۔ خان صاحب لکھتے ہیں :۔

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولاھل السنۃ من اللہ احمد رضا۔ آمین[۳]

---

[۱] تذکرہ ۱۹۱۰ء [۲] الفضل ۳۱ جولائی ۱۹۲۵ء [۳] خالص الاعتقاد ص ۶

ترجمہ۔ وہابیوں کے دلوں میں روگ ہے۔ سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور اہل السنۃ کے لیئے خدا کی طرف سے احمد رضا مقرر ہوا ہے۔ آمین

مولانا احمد رضا خاں اپنی کتاب خالص الاعتقاد کے خود مصنف ہیں اور یہ کتاب اُردو میں ہے۔ اس میں آپ نے یہ فقرہ عربی زبان میں لکھا ہے اور اس کے آخر میں آمین کہی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس فقرے کو ایک آسمانی الہام سمجھتے تھے۔ ورنہ اپنی زبان میں ہی لکھ دیتے۔ قرآن کریم کی آیت کے ساتھ اپنے بنائے ہوئے فقرے کو ہموزن بنانا اچھی بات نہ تھی ختم نبوت پر عقیدہ رکھنے والا کوئی شخص اپنے آپ کو مامور من اللہ نہیں کہہ سکتا۔ مامور وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں آخرت میں پوچھا جائے کہ تم نے اسے قبول کیا؟ اور وہاں جواب دہ ہونا پڑے۔

بریلوی لوگ مولانا احمد رضا خاں کو مامور من اللہ سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قبر میں جب پوچھا جائے گا کہ تم کس کی جماعت ہو تو وہاں انہیں مولانا احمد رضا خاں کا نام بتانا ہو گا۔ سید ایوب علی بریلوی نے رضوی کتب خانہ بریلی سے ۱۹۲۷ء میں ایک رسالہ مدائح اعلیحضرت شائع کیا تھا۔ اس میں ایک قصیدہ نغمۃ الروح بھی ہے۔ یہ کتاب حسنی پریس بریلی میں طبع ہوئی۔ اس میں مولانا احمد رضا خاں کے دعوے من اللہ احمد رضا (مولانا احمد رضا خاں خدا کی طرف سے آئے ہوئے ہیں) کی پوری تصدیق ملتی ہے۔ نغمۃ الروح ص۲۵ میں ہے۔

نکیرین آ کے مرقد پر جو پوچھیں گے تو کس کا ہے

ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا

(سلیس) قبر میں دو فرشتے منکر اور نکیر آکر مجھ سے پوچھیں گے تو کس کا آدمی ہے؟ میں وہاں سر جھکا کر بڑے ادب سے مولانا احمد رضا خاں کا نام لوں گا۔

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہو گا اور مومن اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا۔ حضورؐ کے بعد اور کوئی مامور من اللہ پیدا

نہ ہوگا جس کے بارے میں آخرت میں سوال و جواب ہو سکے. یہ عقیدہ ہرگز درست نہیں کہ وہاں مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں سوال ہوگا. نہ من اللہ احمد رضا کا عقیدہ درست ہے کہ مولانا احمد رضا خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے تھے.

قادیانی فکر و نظر

مرزا غلام احمد کا دعوئے تھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے:۔

"خدا نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں. اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ وہ اگر ہزار نبی پر تقسیم کیئے جائیں تو ان کی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے."

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ خدا کی طرف سے ہونے کا مطلق دعوئے دراصل اپنی نبوۃ کا اعلان ہے اور جب قبر میں پوچھا جائے کہ تمہارا نبی کون ہے؛ تو وہاں اس ماموُر کا نام لینا ہوگا جس کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے کسی کو ہدایت بخشی ہو. وہاں مولانا احمد رضا خان کا نام لینا رضا خانی فکر و نظر کی رو سے ہی درست ہو سکتا ہے.

⑥ مسلمانوں کی تکفیر عام

یہ مرتبہ صرف پیغمبر کا ہے کہ اس کے ماننے اور نہ ماننے سے اسلام و کفر کے فاصلے قائم ہو جائیں اور کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا. کہ لوگوں کو کہے میرا دین و مذہب مانو، دین و مذہب خدا اور اس کے رسول کا ہے. اپنے ماننے والوں کے سوا باقی سب کی تکفیر کرنا یہ کسی کو زیبا نہیں. نہ یہ درست ہے کہ انسان اپنے فرقہ کے سوا باقی سب کو کافر کہے. علمی اور عملی اختلافات ہو سکتے ہیں. لیکن ہر فرقے سے اختلاف کو کفر و اسلام کے فاصلے قرار دینا ایسی تھوک تکفیر ہے جس کی کوئی غیرت مند مسلمان اجازت نہ دے گا

رضا خانی فکر و نظر

مولانا احمد رضا خاں اپنے سوا باقی سب کی تکفیر کرتے ہیں:۔

رافضی، تبرائی، وہابی دیوبندی، وہابی غیر مقلد،

قادیانی، چکڑالوی، نیچری، ان سب کے ذبیحے محض نجس و مُردار قطعی ہیں۔ اگرچہ لاکھ بار نامِ الٰہی لیں اور کیسے ہی متقی پرہیزگار بنتے ہوں کہ یہ سب مرتدین ہیں[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں۔ باجماعِ امت اسلام سے خارج ہیں[2]

دیوبندیوں کی نسبت صاف صریح تصریح ہے کہ من شك فی کفرہ فقد کفر جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے[3]

اس فتوے کی رو سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت شاہ کرامت علی جونپوری، مولانا عبدالباری، اور دیگر علماء فرنگی محل لکھنؤ، حضرت مولانا شاہ محمد علی مونگیری خلیفہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، حضرت شاہ معین الدین اجمیری اور دیگر علماءِ سلسلۂ خیرآبادیہ، علماء دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر، سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج، حکیم محمد اجمل خاں، مولانا حالی، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر حسن نظامی، ڈاکٹر علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح یہ سب حضرات جو علماء دیوبند میں سے نہ تھے لیکن علماء دیوبند کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔ سب کے سب کافر ہو گئے۔ کیونکہ مولانا احمد رضا خاں کا فتویٰ ہے کہ جو علماء دیوبند کے کفر میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے تو جو لوگ صراحۃً کہیں کہ انہیں کافر کہنا غلط ہے۔ وہ بریلویوں کے نزدیک کیسے مسلمان رہ سکتے تھے اور بریلویوں کے اس فتوے کی رُو سے آج کون ہے جو کافر نہ ہو گا۔ بریلوی جماعت کے مولانا ابوالطاہر محمد طیب داناپوری نے ایک ہی فقرے میں بات طے کر دی:۔

سنی مسلمانوں (رضا خانیوں) کے سوا یہ تمام مدعیانِ اسلام بحکمِ شریعت مطہرہ کفار و مرتدین لئام ہیں[4]

---

[1] احکامِ شریعت صد ۱۲۲ [2] حسام الحرمین صد ۱۱۳ [3] عرفانِ شریعت جلد ا صد ۲۴

[4] تجانب اہل السنۃ صد ۱۱۲ بریلی الیکٹرک پریس طبع ۱۳۶۱ھ شائع شدہ از پیلی بھیت

ڈاکٹر علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھتے ہیں :۔
ڈاکٹر صاحب کے اسلام کی حقیقت ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر ان اعتقادات کے باوجود بھی ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی اور اسلام گھڑ لیا ہے۔[1]
بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ خبیثہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے باوجود اس کو مسلمان جانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شر اللئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام۔[2]
قائداعظم کے جنازہ کے وقت اتفاق سے مولوی سردار احمد (لائلپور) مولوی ابوالبرکات (لاہور) اور مولوی محمد عمر اچھروی (لاہور) کراچی پہنچے ہوئے تھے۔ انہوں نے قائداعظم کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کی اور چودھری ظفراللہ خاں قادیانی کی طرح علیحدہ کھڑے امت کے لیئے تماشا بنے رہے۔ انہی دانا پوری صاحب کی تھوک تکفیر کی ایک اور جھلک دیکھئے :۔
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس[1] و ندوۃ العلماء[2] و خدام کعبہ[3] و خلافت کمیٹی[4] و جمعیۃ علماء ہند[5] و خدام الحرمین[6] و اتحاد ملت[7] و مجلس احرار[8] و مسلم لیگ[9] و اتحاد کانفرنس[10] و مسلم آزاد کانفرنس[11] و نوجوان کانفرنس[12] و غازی فوج[13] و جمعیت تبلیغ الاسلام[14] انبالہ و سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور[15] و امارت شرعیہ بہار[16] و آل پارٹیز کانفرنس[17] و مومن کانفرنس[18]، و جمعیۃ المومنین[19] و جمعیت الانصار[20] و روئی دھننے والے جمعیۃ المنصور[21] و کپڑا سینے والے جمعیۃ الادریس[22] و جمعیۃ القریش[23] و سبزی فروشوں کی جمعیۃ الراعین[24] و پٹھانوں کی افغان کانفرنس[25] و میمن کانفرنس[26] وغیرہ کمیٹیاں اسی مقصد کے لیئے انہیں کفرہ نیاچرہ (نیچری کافروں) نے گھڑی ہیں۔[3]

---

[1] تجانب اہل السنۃ ص ۲۴۵ [2] ایضاً ص ۱۲۲ [3] ایضاً ص ۹۰

بریلویوں کو مسلمانوں کی اس تکفیرِ عام سے کیا ملا؟

سی آئی ڈی سے کہنہ روابط کی آڑ میں | پاتے تھے خاندان حکومت سے رہبری
کب تک ہے تحفیہ وظیفہ سے فیضیاب | کس نے سکھادیئے تمہیں آداب کافری

قادیانی فکر و نظر

مرزا غلام احمد کا بیٹا دوسرا خلیفہ بشیرالدین محمود لکھتا ہے:۔
کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے. خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا. کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں. میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں۔[1]

مرزا بشیرالدین محمود ایک دوسرے مقام پر اپنے باپ کے بارے میں لکھتا ہے:۔
آپ کا ایک بیٹا (فضل احمد) فوت ہوگیا. جو آپ کی زبانی طور پر تصدیق نہ کرتا تھا ..... جب وہ مرا تو آپ نے اس کا جنازہ نہ پڑھا۔[2]

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خاں کے پیرو دوسروں کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے. قائداعظم کی نماز جنازہ میں اگرچہ چودھری ظفراللہ شریک نہ تھے تو مولوی سردار احمد لائلپوری بھی کنارے پر کھڑے تھے۔

(۷) مکہ و مدینہ کے اماموں کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینا۔

مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مرکز اسلام ہیں. قیامت تک وہاں کفار کا قبضہ نہ ہو سکے گا. نہ وہاں سے کبھی ہجرت کی ضرورت ہوگی. ہجرت کا سوال وہیں پیدا ہوتا ہے جہاں کفر کا قبضہ ہو. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا. کہ فتح مکہ کے بعد وہاں سے کبھی ہجرت نہ ہوگی. مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں:۔[3]

حرمین طیبین ..... سے دین کا آغاز ہوا اور بحکم احادیث صحیحہ کبھی وہاں شیطان کا دور دورہ نہ ہوگا۔

---

[1] آئینہ صداقت مصنفہ مرزا محمود ص۳۵ [2] انوار خلافت ص۹۱ [3] تمہید ایمان ص۲۶

مدینہ طیبہ کے حکام، علماء، ائمہ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو یکسر کافر بتلانے والے اور اس طرح ان سب کو ایذاء دینے والے کیا ان احادیث پر غور نہیں کرتے جن میں اہل مدینہ کے ساتھ بغض و بدخواہی کو بُرا کہا گیا ہے۔ مدینہ طیبہ کو جس طرح دوسری جگہوں پر فضیلت ہے اہل مدینہ کی بدخواہی اور ان کو کافر کہنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے مولانا احمد رضا خاں خود لکھتے ہیں:-

> مدینہ طیبہ کو جزیرہ عرب پر جس قدر فضیلت ہے اسی قدر ان کی عداوت و بدخواہی اہل مدینہ کے ساتھ زیادت ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اہل مدینہ کے ساتھ بداندیشہ نہ کرے گا۔ مگر یہ کہ ایسا گل جائے گا جیسے نمک پانی میں...... جو مدینہ والوں کو ایذا دے اللہ تعالیٰ اسے مصیبت میں ڈالے اور اس پر خدا اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا نفل قبول کرے نہ فرض۔[1]

اسی اُصول پر پھر آگے لکھتے ہیں:-

> ہم اور تم سب مل کر مہر کر دیں کہ جو مسلک علمائے حرمین طیبین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کا ہے فریقین کو مقبول ہو گا۔ اگر بے تکلف اس پر راضی ہو جائیں فبہا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی یہ فضیلت ہمیشہ کے لیئے بیان کی تھی۔ آخری زمانے کے حالات بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ ان الایمان لیأرز الی المدینة (بیشک ایمان مدینہ میں پناہ لے گا) پس یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قیامت تک کفار کا قبضہ نہ ہو سکے گا۔

مگر افسوس کہ انگریزوں کے خود کاشتہ پودے مکہ و مدینہ کو مرکز اسلام تسلیم کرنے سے پھر گئے۔ انہوں نے عقیدہ بنا لیا کہ آل سعود کافر ہیں، وہابی مرتد ہیں اور حرمین پر اب کفار کا قبضہ ہے۔ (معاذ اللہ) اس بات کو کہ وہابی کافر ہیں اور مکہ و مدینہ پر کفار کا قبضہ ہے۔ صرف انگریزوں

---

[1] النہی الاکید صفحہ ۲۹ مطبوعہ بریلی طبع سوم [2] ایضاً صفحہ ۳۰

کے ایجنٹ ہی گوارا کر سکتے تھے۔ دنیا کے مسلمانوں پر اس غلط فتوے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ موسم حج میں سب ان کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور سب ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ ان ائمہ سے مسائل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم میں اور ان میں کفر و اسلام کے فاصلے ہرگز نہیں ہیں۔

رضاخانی فکر و نظر

مولانا احمد رضا خان نے جب اپنے عقائد میں تبدیلی کی تو وہابیہ اور جملہ علماء آل سعود کے بارے میں کہا:۔

> نہ اُن کی نماز نماز ہے، نہ ان کے پیچھے نماز نماز۔ بالفرض وہی جمعہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت کے لیئے نہ مل سکے۔ تو جمعہ و عیدین کا ترک فرض ہے۔[1]

جو شخص وہابیوں کے کفر میں شک بھی کرے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

> مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت، اسے مسلمانوں کا سا غسل کفن دینا حرام اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر۔ اس کا جنازہ اپنے کندھے پر اُٹھانا اس کے جنازے کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام۔[2]

بریلویوں کے اس قسم کے فتووں سے پوری امت گھائل ہے۔ پوری امت کی تکفیر کرنے سے مکہ و مدینہ کہاں تک مرکز اسلام سمجھے جا سکتے ہیں۔ یہ بات اہل خبرت پر مخفی نہیں۔ یہ لوگ وہاں جا کر وہاں کے اماموں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور ان عظیم مراکز اسلام کی باجماعت نمازوں سے محروم واپس لوٹتے ہیں اور نصف صدی سے ان میں سے کسی کو مکہ یا مدینہ کی نماز جمعہ نصیب نہیں ہوئی۔ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی اپنے ان لوگوں کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

> میرے ہم خیال ساتھی پچیس کی تعداد میں تھے۔ جنہوں نے ان کے پیچھے اقتدا نہیں کی۔ بلکہ تتبع سے ثابت ہوا کہ اکثر مقلدین علیحدہ جماعت کرواتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارا

---

[1] احکام شریعت حصہ اوّل ص ۱۳۹ [2] عرفان شریعت ص ۲۹

بھی یہی وطیرہ رہا اور وہاں کے متعین احناف کو میں نے اپنے گھروں میں نماز گزارتے دیکھا۔ سوال کرنے پر یہی جواب ملتا کہ نجدیوں کی اقتدار ہمارے علماء کے فتوے سے از رُوے احادیثِ صحیحہ کسی صورت میں صحیح نہیں[1]

قادیانی فکر و نظر

مرزا غلام احمد لکھتا ہے :۔

خدا نے مجھے اطلاع دی ہے تمہارے پر حرام ہے۔
اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفّر اور مکذب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو[2]

مرزا بشیرالدین محمود نے بھی لکھا ہے :۔
ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں[3]
غیر احمدی بچے کا جنازہ پڑھنا درست نہیں[4]

(۸) تحریکِ خلافت کی مخالفت

خلیفۂ وقت ابوالعز یعقوب بن متوکل نے ۹۲۳ھ میں محسوس کیا کہ خلافت کا صرف تقدس باقی رہ گیا ہے۔ طاقتور امراء خود مختار ہوتے جا رہے ہیں۔ خلیفہ نے قوت اسلامی یکجا رکھنے کی خاطر کل حقوق خلافت ترکی سلطان سلیم خاں کو تفویض کر دیئے اور خود خلافت سے دستبردار ہوگیا۔ ترک ان دنوں مسلمانوں کی عظیم قوت تھے اور بجا طور پر امید کی جا سکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر کسی درجہ میں جمع کرلیں۔

سلطان سلیم خاں نے اہل حل وعقد اور علماء ازہر سے اس کی قانونی اور شرعی منظوری بھی لے لی اور خلافت عثمانیہ کا آغاز ہوگیا۔ آل عثمان نے چار سو سال تک قلمرو اسلامی میں کام کیا۔ بڑے بڑے علماء کبار اس دور میں گزرے۔ کسی نے خلافت عثمانی کی قانونی حیثیت کا انکار نہ کیا اور یورپ کا یہ مرد بیمار سالہا سال تک کفریہ طاقتوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ ترک گو قریش میں

---

[1] مقیاس حنفیت صفحہ ۴۴ [2] اربعین حصہ سوم صفحہ ۳۴ حاشیہ [3] انوار خلافت صفحہ ۹۰ [4] الفضل قادیان مئی ۱۹۲۲ء

سے نہ تھے۔ لیکن قریشی خلیفہ کی نامزدگی آل عثمان کو قانونی خلافت تفویض کر چکی تھی۔ ترکوں نے اپنے اس دور میں عظیم قربانیوں سے اسلام کی حفاظت کی اور اس پر تاریخ گواہ ہے اقبال مرحوم نے بجا کہا تھا۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے ۔۔۔ پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

برطانیہ کو ترکوں کی یہ شوکت اور مرکزی قوت ہرگز گوارا نہ تھی۔ وہ کبھی برداشت نہ کر سکتے تھے کہ مسلمان ایک مرکز پر جمع رہیں۔ اتفاق سے پہلی جنگ عظیم میں ترک جرمنی کے حلیف تھے۔ انگریزوں کو اب کھل کر سامنے آنے کا موقعہ مل گیا۔ انہوں نے حجاز (عرب) میں شریف مکہ سے ترکوں کے خلاف بغاوت کرادی۔ مسلمانان ہند نے جب دیکھا کہ نصاریٰ اپنا اثر و نفوذ حجاز میں بڑھا رہے ہیں۔ انہوں نے آنے والے خطرات کو محسوس کر لیا اور ہندوستان میں ترکی خلافت کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ انگریز ہندوستان اور عرب دونوں ملکوں کے علماء سے ترکوں کے خلاف فتوؤں کے طلب گار تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے ثابت قدمی دکھائی اور انگریز کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن عزم و استقلال کا کوہِ گراں اپنے مقام پر پوری ہمت سے ثابت قدم رہا۔

رضاخانی فکر و عمل

مولانا احمد رضا خاں نے اس کشمکش میں شریف مکہ کا ساتھ دیا۔ شریف نے جنگ یورپ میں انگریزوں کی شہ پہ ترکوں کے خلاف بغاوت کی ۔ آستانۂ بریلی نے خلافت ٹوٹنے پر اپنی کامیابی کے اعلانات شائع کیے۔ مولانا احمد رضا خاں نے شرعی دلائل سے ثابت کیا کہ ترک خلافت کے حقدار نہیں اور یہ کہ چار سو سال تک مسلمانوں کو یہ لوگ ظالمانہ طور پر غلام بناتے رہے ہیں۔ شریف مکہ نے بہت ہمت دکھائی ہے قوم کو ترکوں کی غلامی سے نجات دلائی ہے تاریخ کے اس نازک موڑ پر اقبال نے کہا

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ ۔۔۔ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

مگر مولانا احمد رضا خاں نے ترکی خلافت کے خلاف ایک کتاب دوام العیش تالیف فرمائی۔ آپ نے لکھا کہ ترک خلافت کے حق دار نہیں۔

شرعی خلافت قریش میں منحصر ہے۔ دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا اور قریش جب تک دین قائم رکھیں گے ان کا مخالف ذلیل و رسوا ہو گا۔[1]

ان کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے بڑے تزک و احتشام سے اس کتاب کی تمہید لکھی اور انگریزی عملداری میں اس کتاب کی وسیع نشر و اشاعت کی گئی۔ وہ ترک جن کی شمشیر آبدار چار سو سال تک اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتی رہی تھی۔ انگریز کی شاطرانہ سیاست سے اس وقت اپنے بھائیوں سے ہی پٹنے لگے ۔۔۔ خلافت ٹوٹنے پر مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے بڑے طنز و ادا سے لکھا:۔

اخبار بھی آج کل وہ خبریں شائع کر رہے ہیں۔ جن سے ان کی خود ساختہ خلافت کی رہی سہی جان پر بن گئی۔ نیم جان کے گلے پر چھری چل گئی۔[2]

مسلمانو! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس عبارت کا فقرہ فقرہ خلافت کے دل پر تیز نشتر اور لفظ لفظ گلوئے خلافت پر خنجر کا کام کر رہا ہے۔[2]

مولانا مصطفےٰ رضا خاں خوش تھے کہ ان کے والد کی پیش گوئی کہ ترک ذلیل و خوار ہوں گے ان کی محنت سے پوری ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قادیانی فکر و عمل

مرزا بشیر الدین محمود نے اعلان کیا:۔

پبلک کو مطلع کیا جاتا ہے کہ قادیان سے تعلق رکھنے والے کسی احمدی کا یہ عقیدہ نہیں کہ سلطان ترکی خلیفۃ المسلمین ہے۔[3]

ہمارے نزدیک اگر ترکوں کے بادشاہ خلیفہ تھے بھی تو جس وقت مسیح موعود کو خدا تعالیٰ نے مامور کیا۔ اس وقت سے ان کی خلافت باطل ہو گئی۔ جب کوئی انسان مامور ہو کر آئے تو پھر وہی خلیفہ ہوتا ہے۔[4]

---

[1] دوام العیش ص ۲۲۔ [2] تمہید دوام العیش ص ۲ مطبوعہ حسنی پریس بریلی [3] الفضل قادیان فروری ۱۹۲۰ء جلد ۷، ص ۱۶ [4] الفضل ۲۲ نومبر ۱۹۱۴ء

یہی وجہ ہے کہ تحریک خلافت کی ناکامی پر قادیانیوں نے اپنے مکانوں پر چراغ بھی روشن کیئے۔ الفضل قادیان کی رپورٹ ملاحظہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور خاندان مسیح موعود کے مکانات پر بھی چراغ روشن کیئے گئے۔ اس کے علاوہ تمام احمدی اصحاب نے اپنے اپنے مکانات پر خوب روشنی کی۔[1]

نہ خوش ہو دیکھ کر آوارہ پروانوں کی لاشوں کو
کبھی اے شمع تیری لاش بھی محفل سے نکلے گی

قادیانی اور رضا خانی دونوں حلقے خلافت عثمانی کی ناکامی پر خوش اور شاداں ہوئے۔ انگریز حکومت مطمئن تھی کہ ان کے ایجنٹ حق نمک ادا کر رہے ہیں۔

کاسہ لیسان فرنگی کے نمک خوار قدیم — جشن بربادیٔ اسلام منانے والے
باندھ کر پٹکا نصاریٰ کی رضا جوئی کا — گولیاں ترک جوانوں پہ چلانے والے

ان دونوں کی یہ مخالفت صرف تحریک خلافت سے اختلاف نہ تھا۔ یہ ترکی سلطنت کو بھی کوئی وزن دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

(۹) ترکی سلطنت سے بغض و نفرت

مولانا احمد رضا خاں صاحب جب حامیان خلافت کے ذلیل و رسوا ہونے کی اُمیدیں لگائے ہوئے تھے۔ تو قادیان بھی انہی امیدوں کے سہارے جی رہا تھا۔ الفضل نے لکھا تھا۔

ہماری خواہش ہے کہ اگر بہادر عثمانی دستبردار ہونے پر مجبور ہوں تو پھر یہ منصب برطانیہ کے حریت پسند صداقت شعار فرزندوں کے ہاتھ آئے۔[2]

قادیانیوں نے ترکوں کی بے بسی جن الفاظ میں ذکر کی ان کا حرف حرف ترکی سلطنت سے بغض و نفرت کی غمازی کر رہا ہے۔ یہ قادیانیوں کی طرف سے فرزندان برطانیہ کو قبضے کی

---

[1] الفضل ۳؍دسمبر ۱۹۱۸ء [2] الفضل ۱۶؍مارچ ۱۹۱۵ء

کملی دعوت تھی. الفضل پھر یہ بھی لکھتا ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ آل عثمان کی سلطنت زندہ یا زندہ رہنے کے قابل ہے۔[1]

آستانۂ بریلی بھی حالات کا یہی نقشہ کھینچ رہا تھا اور فرزندانِ برطانیہ کو اپنی جملہ مشکلات کا حل سمجھتا تھا. مولانا احمد رضا خاں کے صاحبزادے مصطفیٰ رضا خاں نے لکھا۔

ترکی کا بادشاہ شطرنج کا بادشاہ رہ گیا تھا. کسے معلوم نہیں کہ درہ دانیال پر انگریزی قبضہ تھا۔ کسے معلوم نہیں کہ خود قسطنطنیہ میں نصاریٰ متسلط تھے...

... حجاز میں قحط کی یہ حالت تھی کہ لحم میتہ (مردار گوشت) بھی باقی نہ رہا تھا. اور لوگوں کو تلاش پر وہ بھی دستیاب نہ ہو سکتا تھا. نصاریٰ ہندوستان سے اناج بھر کر لے جاتے اور یہاں چار سیر کا بکتا تھا وہاں دس سیر کا فروخت کرتے بلکہ مفت بانٹتے تھے۔[2]

آستانہ بریلی ترکوں کی حالت زار بیان کر کے یہ تجویز سامنے لا رہا ہے کہ ان حالات میں انگریزوں کا وہاں تصرف کرنا مسلمانوں کے لیے واقعی سایۂ رحمت ہے. ترک حجاز کو سنبھالنے کے لائق نہیں رہے. اور اب یہ منصب برطانیہ کے صداقت شعار فرزندوں کے ہاتھ آنا چاہیے قادیانیوں کی تجویز بھی یہی تھی. اس سے پتہ چلتا ہے کہ قادیانیوں اور رضاخانیوں دونوں کا چشمۂ فکر ایک تھا اور دونوں انگریزوں کو اپنا قبلۂ حاجات سمجھتے تھے اور انہی کے سیاسی ایجنٹ تھے

(۱۰) انگریزی حکومت سے امیدیں

سلطنت غالب قوموں کے کھیل کا نام ہے. محکوم قومیں ذرا بیدار ہونے لگیں تو حکومت کی ڈپلومیسی عمل میں اور مشینری حرکت میں آجاتی ہے. عزم و حزم کے لوگ قید و بند کا استقبال

---

[1] الفضل ۲۳، مارچ ۱۹۱۵ء [2] الحجۃ الواہرہ ص۹ مطبوعہ بریلی۔

کرتے ہیں اور کاسہ لیسان حکومت داد و دہش اور آئندہ امیدوں میں کھو جاتے ہیں ـــــ قرآن کریم کہتا ہے:۔

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة و كذلك يفعلون۔ (پ ۱۹ النمل آیت ۳۴)

ترجمہ۔ حکمران جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے بگاڑ دیتے ہیں۔ اس کے عزیز لوگوں کو عاجز کر دیتے ہیں اور یہی ان کی روش چلی آتی ہے۔

اقبال مرحوم نے بجا کہا تھا:۔

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیت ان الملوک ۔ سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر ۔ پھر سُلا دیتی ہے اس کو حکمران کی ساحری

برطانوی استعمار میں اہل ہند پر کیا گزری؟ ماسوائے چند علماء حق کے سب نے خاموشی اختیار کرلی یا انگریز حکومت سے سمجھوتہ کرلیا۔ جناب مسعود احمد صاحب اقرار کرتے ہیں:۔

ماسوائے چند علماء کے مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔[1]

ہم مسعود صاحب کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ کہ اکثر علماء انگریزوں کے ساتھ ہو گئے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ اکثر نے خاموشی اختیار کرلی تھی۔ چند ضمیر فروش تھے جو انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھتے تھے۔ مسعود صاحب اس آئینے میں سب کو اتار رہے ہیں۔ ان کا یہ غلط نقطۂ نظر مولانا احمد رضا خاں کیلئے دفاع مہیا کرتا ہے۔

وہ علماء کون تھے جو عزم و استقلال کا پہاڑ بنے رہے اور اپنے گرد ایسا حلقہ جمع کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ جن کی قربانیوں اور کشاکش سے کاروانِ آزادی کچھ آگے بڑھتا رہا۔ اس پر مسعود صاحب سے ہی سنیئے:۔

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات صہ ۳۵

انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ترکوں پر علمار حجاز اور علمار ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے

مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی۔ مگر اسی اثنار میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے مگر وہ رُوپوش ہو گئے جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔[۱]

مولانا احمد رضا خاں ان دنوں دوام العیش لکھ رہے تھے۔ ان کا مؤقف یہ تھا۔ کہ ترک خلافت کے حقدار نہیں۔ ترکوں نے عربوں کو یونہی غلام بنا رکھا ہے۔ عرب آزادی حاصل کر کے رہیں گے اور ان کا فتویٰ یہ تھا۔ کہ مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں[۲]۔ ان کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے شریف مکہ کی مدح و ثنا اور خوشامد و دعا میں بہت شرمناک انداز اختیار کر رکھا تھا۔ آستانۂ بریلی اس طریق سے انگریزوں کی حمایت کی خدمت بجا لا رہا تھا۔ یہ بات سب کو معلوم ہے۔ کہ ان دنوں شریف کی حمایت انگریزوں کی سیاسی خدمت تھی۔ امیدوں کی دنیا بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ لمبی اُمیدوں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

رضاخانی فکر و عمل

مولانا احمد رضا خاں ان دنوں کن اُمیدوں سے تھے۔ اسے انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ شاعر تھے بات اُگل دی۔

ہ کافی سلطاں نعت گویاں ہے رضاؔ انشار اللہ میں وزیر اعظم[۳]

(سلیس) اے رضا ہم نعت خوانوں (بریلویوں) کو حکومت کی سرپرستی کافی ہے۔ انشار اللہ کسی نہ کسی وقت ضرور وزیر اعظم بنوں گا۔

ہم نے تاویل کرنے کی کوشش کی۔ ہو سکتا ہے شاعری کی وزارت عظمیٰ مراد ہو۔ مگر معلوم

---

[۱] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات صہ۲۷ [۲] دوام العیش صہ [۳] حدائق بخشش حصہ سوم صہ۱۰۰

ہوا کہ شاعری میں تو آپ اپنے آپ کو وزیر نہیں بادشاہ سمجھتے تھے۔ جو شخص اپنے آپ کو بالفعل بادشاہ سمجھتا ہو وہ وزارت کی تمنا کیسے کرے گا؟ پس انشاء اللہ کے ساتھ جس وزارت کی امید تھی وہ شریف کی حمایت اور انگریزوں کی خدمات کے صلہ میں ملکی وزارت تھی اور آپ اس امید میں اتنے گہرے چلے گئے تھے کہ بات خود ہی کھول دی۔

؎ کتنی درد انگیز ہے جوشِ جنوں کی داستان
آبلے خود پھوٹ کر کہتے ہیں دیوانے کا حال

مولانا احمد رضا خاں شعر کے ہر صنف میں اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتے تھے خود لکھتے ہیں :-

؎ ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم   جس سمت چل دیئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں[۱]

(سلیس) اے رضا شعروں کی دنیا میں تمہاری بادشاہی مسلّمہ ہے۔ جس سمت سخن میں بھی تم چلے تمہاری شاہی سکہ بند رہی۔

قادیانی فکر وعمل

مرزا غلام احمد قادیانی بھی انگریزوں کی خدمات کے صلہ میں مراحم خسروانہ کے اُمیدوار رہتے تھے ۱۹۰۱ء کی ایک تحریر ملاحظہ ہو :-

میں انگریزی حکومت کے ماتحت مبعوث کیا گیا اور یہ سلطنت رومی سلطنت کے مشابہ ہے اور مجھے اُمید ہے کہ اس سلطنت کے میرے ساتھ شاہانہ اخلاق رُومی سلطنت سے بہتر ظاہر ہوں گے۔[۲]

مرزا بشیر الدین محمود نے ان الفاظ میں سرکاری عہدوں کی طلب کی تھی :-

گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی کہ وفادار جماعتوں کو اعلیٰ عہدوں پر پہنچائے۔ اگر اعلیٰ عہدوں پر اس کی وفادار جماعت کے ارکان ہوں تو اس کے راز مخفی رہیں اور کبھی وہ حالت نہ ہو جو آجکل ہے۔[۳]

---

[۱] حدائق بخشش ص   [۲] اشتہار واجب الاظہار ملحق تریاق القلوب ص ۳۳۵ طبع سوم
[۳] الفضل ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء

قرآن میں تحریف لفظی کر کے آیتیں غلط لکھنا

مولانا احمد رضا خاں

۱۔ قرآن کریم میں ہے...... یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم[۱]

مولانا احمد رضا خاں نے اسے یوں لکھا ہے:۔

قل اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم[۲] اور قل اپنی طرف سے ڈال دیا

۲۔ قرآن کریم میں ہے...... وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم[۳]

مولانا احمد رضا خاں نے اس کے لفظ من امرھم کو من انفسھم سے بدل دیا اور لکھا۔

ان یکون لھم الخیرة من انفسھم[۴] اور ترجمہ بھی یہ کیا ہے انہیں کچھ اختیار ہے۔ اپنی جانوں کا۔ (سو یہ کاتب کی غلطی بھی نہیں لفظ عمداً بدلے ہیں)

۳۔ قرآن کریم میں ہے...... لقد کان لکھم فیھم اسوة حسنة...... ومن یتول فان اللہ ھو الغنی الحمید[۵]

مولانا احمد رضا خاں نے اس آیت کے آخری حصے کو یوں کر دیا ہے:۔

ومن یتول عن امرنا فان اللہ ھو الغنی الحمید[۶]

اور آخر میں فرما دیا کہ جو ہمارے حکم سے پھرے تو اللہ بے نیاز بے پرواہ ہے[۷]

یہ عن امرنا کا ترجمہ ہے۔ اسے کاتب کی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔

۴۔ قرآن کریم میں ہے...... قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم[۸]

---

۱ پ ۵ سورة النساء آیت ۵۹ ۲ لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحی ص ۱۵ / مطبوعہ ۱۳۱۵ھ ۳ پ ۲۲ سورة احزاب آیت ۳۶ ۴ احکام شریعت ص ۴۸ ۵ پ ۲۸ الممتحنہ آیت ۶ ۶ لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحی ص ۲۰ / ۷ ایضاً ص ۲۰ ۸ پ ۲۸ / الممتحنہ آیت ۷

مولانا احمد رضا خاں نے اُسے والذین معہ من المؤمنین کر دیا۔ الفاظ من المؤمنین اپنی طرف سے ڈال دیئے۔[۳] کاتب اپنی طرف سے یہ الفاظ نہ لکھ سکتا تھا۔

(۵) قرآن کریم میں ہے ــــ وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ۔[۴] اب اس کی تحریف ملاحظہ ہو:۔

اینما کنتم فولوا وجوھکم شطرکا ہے۔[۵] حیث ما کو اینما سے بدل دیا ہے۔ (استغفراللہ)

(۶) قرآن کریم میں ہے ــــ وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط۔[۶] اس میں بھی تحریف کر دی۔ اسے یوں کر دیا ہے۔ وان حکمت بینھم فاحکم بالقسط۔[۵] فاحکم اور بینھم کو آگے پیچھے کر دیا ہے۔ یہود بھی اتنی جلی تحریف نہ کرتے تھے۔

(۷) قرآن کریم میں ہے ــــ ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان۔[۷] اس میں یوں تحریف کی ہے:۔

ھم للکفر اقرب منھم یومئذ للایمان[۸] ــــ کس دلیری سے یومئذ کو آگے کر دیا ہے

(۸) قرآن کریم میں ہے ــــ کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی۔[۸] اس میں یہ تحریف کی:۔

ختم اللہ لاغلبن انا و رسلی[۹] ــــ لفظ کتب کو ختم سے بدل دیا ہے۔ (استغفراللہ)

(۹) قرآن کریم میں ہے۔ فرعون جب ڈوبنے لگا تو اس نے کلمہ پڑھا تھا اور کہا تھا:۔

اٰمنت انہ لا الٰہ الا الذی اٰمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین۔[۱۰]

مولانا احمد رضا خاں نے اس آیت کو یوں بدل دیا۔ اٰمنت بالذی اٰمنت بہ بنو اسرائیل۔[۱۱] ــــ کیا اعلیحضرت کو کلمہ بُرا لگتا تھا؟ یا وہ کھلم کھلا توحید کا اقرار نہ کرنا چاہتے تھے۔

(۱۰) قرآن کریم میں ہے ــــ واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم[۱۲]

---

[۱] لمعۃ الضحیٰ ص۲۰ [۲] پ۲ البقرہ آیت ۱۴۴ [۳] الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ [۴] پ۶ المائدہ آیت ۴۲
[۵] تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ص۸ مطبوعہ لائلپور [۶] پ۴ آل عمران آیت ۱۶۷ [۷] الزبدۃ الزکیہ ص۹ مطبوعہ لائلپور
[۸] پ۲۸ المجادلہ آیت ۲۱ [۹] ملفوظات احمد رضا خاں حصہ۴ ص۲۵ [۱۰] پ۱۱ یونس آیت ۹۰ [۱۱] ملفوظات حصہ ۳ ص۴۲
[۱۲] پ۱۳ ابراہیم آیت ۷۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس پر بھی واؤ زیادہ کر دی۔ واذ تاذن ربکم ولئن شکرتم لازیدنکم[1]
اس کے ترجمہ میں بھی واؤ کا ترجمہ کیا ہے۔ "اور بے شک اگر تم شکر کرو گے میں تمہیں زیادہ دوں گا"

مرزا غلام احمد قادیانی

اب دیکھئے مرزا غلام احمد قادیانی نے کس بے دردی سے قرآن کریم میں تحریف کی ہے۔

(۱) قرآن کریم میں ہے عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للکفرین حصیرا۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱) مرزا غلام احمد نے اس آیت کو اس طرح بدلا ہے۔
عسیٰ ربکم ان یرحم علیکم وان عدتم عدنا۔[2] خط کشیدہ الفاظ علیکم قرآن پاک میں نہیں ہیں مرزا صاحب کا اپنا اضافہ ہیں۔ انہوں نے یہاں عربی کو اردو محاورے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اردو میں کہتے ہیں وہ تم پر رحم کرے پر کو یہاں علیکم سے واضح کیا ہے۔

(۲) قرآن کریم سورۂ حج میں ہے ـــــ وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته (پ ۱۷ ع ۷، آیت ۵۲) مگر مرزا غلام احمد نے اس میں سے من قبلك اور الا کے الفاظ اڑا دیئے ہیں۔[3]

(۳) پھر اسی سورۂ حج میں ہے ـــــ یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا۔ (ع ۱۔ آیت ۶) مگر غلام احمد نے اس میں سے لفظ من اڑا دیا ہے۔[4]

(۴) سورۂ توبہ میں ہے ـــــ انه من یحادد الله ورسوله فان له نار جهنم خالدا فیها (ع ۸ آیت ۶۳) مگر غلام احمد لکھتا ہے ـــــ انه من یحادد الله ورسوله یدخله نارا خالدا فیها۔[5] یہاں خط کشیدہ الفاظ فان له نار جهنم کو بدل کر یدخله نارا کر دیا ہے۔

---

[1] ذیل المدعا لاحسن الوعا صد ۳۱ مطبوعہ بریلی [2] براہین احمدیہ حصہ ۴ صد ۵۰۵ [3] دیکھئے ازالہ اوہام تقطیع خورد صد ۶۲۹ تقطیع کلاں صد ۲۵۷ [4] ازالہ اوہام خورد صد ۶۰۸ کلاں صد ۲۵۰ [5] حقیقۃ الوحی صد ۳۰

(۵) پھر اسی سورۂ توبہ کی آیت وجاھدوا فی سبیل اللہ (ع ۴ آیت ۲۰) کو بدل کر بجاھدوا فی سبیل اللہ کر دیا ہے[1]۔ کیا اسے کاتب کی غلطی کہا جا سکتا ہے؟

(۶) سورۃ البقرہ میں ہے۔ ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام (ع ۲۵ آیت ۲۱۰) مگر غلام احمد نے اسے اس طرح بدل دیا ہے۔ یوم یأتی ربك فی ظلل من الغمام[2]۔ اس میں اس نے ان یأتیھم اللہ کے الفاظ یوم یأتی ربك سے بدلے ہیں۔

(۷) قرآن کریم سورۃ حجر میں ہے۔ ولقد اتیناك سبعًا من المثانی (ع ۶ آیت ۸۸) مگر غلام احمد نے اسے اس طرح کر دیا ہے۔ انا أتیناك سبعًا من المثانی[3]۔

(۸) قرآن کریم سورۂ سجدہ میں ہے۔ انه لکتٰب عزیز o لا یاتیه الباطل من بین یدیه (ع ۵ آیت ۴۲) مگر غلام احمد لکھتا ہے۔ والقراٰن الحکیم لا یاتیه الباطل من بین یدیه[4]

(۹) قرآن کریم سورۂ تحریم میں ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرًا رسولا۔ مگر غلام احمد اسے لکھتا ہے انزل ذکرًا رسولا[5]۔ اللہ الیکم کے الفاظ نکال دیئے۔

(۱۰) قرآن مجید سورۃ الرحمٰن میں ہے۔ کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام۔ مگر مرزا غلام احمد نے اسے یوں کر دیا۔ کل شیٔ فان[6]۔ من علیھا کو لفظ شیٔ سے بدل دیا۔

(۱۱) قرآن مجید سورہ انفال میں ہے۔ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانًا ویکفر عنکم سیاتکم۔ مگر غلام احمد نے اسے یوں لکھا۔ یجعل لکم فرقانًا ویجعل لکم نورًا تمشون بہ کر دیا اور کہا کہ یہ ایک آیت ہے[7]۔

ایک احتمال کا جواب

ممکن ہے کوئی ضعیف العقل کہے کہ مولانا احمد رضا خان اور مرزا غلام احمد نے قرآن پاک کی آیات کو جہاں جہاں بدلا ہے وہاں مضمون تبدیل نہیں کیا۔ صرف لفظ بدلے ہیں۔ ہم عرض کریں گے قرآن

---

[1] دیکھئے جنگ مقدس صہ ۱۹۴ [2] حقیقت الوحی صہ ۱۵۴ [3] براہین احمدیہ صہ ۴۸۸ طبع چہارم [4] براہین احمدیہ صہ ۲۸۲ [5] ازالہ اوہام طبع اول خورد صہ ۳۴۹ [6] ایضاً صہ ۱۳۶ [7] آئینہ کمالات اسلام صہ ۹۷

کے ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے۔ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد اجمع المسلمون ان القرآن المتلو فی جمیع اقطار الارض المکتوب فی المصحف بایدی المسلمین مما جمعہ الدفتان من اول الحمد للہ رب العٰلمین، الیٰ اخر، قل اعوذ برب الناس، انہ کلام اللہ ووحیہ المنزل علیٰ نبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما فیہ حق وان من نقص منہ حرفاً قاصداً لذلک او بدلہ بحرف اٰخر مکانہ اوزاد فیہ حرفاً مما لم یشتمل علیہ المصحف الذی وقع الاجماع علیہ واجمع علیٰ انہ لیس من القرآن عامداً لکل ھذا انہ کافر۔[1]

(ترجمہ) تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم جو تمام دنیا میں پڑھا جا رہا ہے اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں الحمد شریف کے اول سے قل اعوذ برب الناس کے آخر تک لکھا ہوا دو دفتین میں موجود ہے وہی کلام اللہ ہے اور یہ خدا کی وہی وحی ہے جو اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری اور یہ کہ جو کچھ اس میں ہے وہ حق ہے اور اس پر بھی سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو اس میں سے قصداً ایک حرف کم کرے یا اسے کسی دوسرے حرف سے بدلے یا اس میں کوئی ایسا حرف بڑھائے جو اس قرآن کا جس پر سب کا اتفاق ہے نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ وہ قرآن کا نہیں اور وہ یہ سب کچھ قصداً کر رہا ہو تو وہ بے شک کافر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی فرماتے ہیں:۔

من کفر بآیۃ من القرآن فقد کفر بہ کلہ ۔ ۔ ۔ ۔ ومن کفر بہ فقد کفر باللہ۔[2]

---

[1] الشفاء صفحہ ۳۰۵ جلد دوم [2] الشفاء صفحہ

(ترجمہ) جس نے ایک آیت کا بھی انکار کیا اس نے سارے قرآن کا انکار کیا۔ اور جس نے قرآن کا انکار کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

من جحد اٰیۃ من کتاب اللہ من المسلمین فقدحل ضرب عنقہ[1]

(ترجمہ) مسلمانوں میں سے جس نے قرآن کریم کی ایک آیت کا بھی انکار کیا۔ وہ گردن زدنی ہے۔

رضاخانیوں اور قادیانیوں کا عذرِ لنگ

مولانا احمد رضا خاں اور مرزا غلام احمد کے حامی یہ کہتے ہیں کہ خان صاحب اور مرزا صاحب نے قرآن کریم میں یہ تبدیلیاں جان کر نہیں کہیں۔ انہیں بھول پر کیوں نہ محمول کیا جائے۔ جواباً عرض ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے پیرو یہ عذر پیش نہیں کر سکتے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مولانا کی قوت حافظہ کبھی غلطی نہیں کرتی تھی۔ احکام شریعت کے دیباچہ نگار لکھتے ہیں:۔

جزئیاتِ فقہ کی تلاش میں جو لوگ تھک جاتے تو عرض کرتے ... اسی وقت فرما دیتے کہ ردالمحتار جلد فلاں کے صفحہ فلاں کی سطر فلاں میں ان لفظوں کے ساتھ جزئیہ موجود ہے..... اب جو کتابوں میں جاکر دیکھتے ہیں تو صفحہ وسطر وعبارت وہی پاتے ہیں جو زبان اعلیحضرت نے فرمایا تھا۔ اس کو آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوتِ حافظہ سے ساری چودہ سو برس کی کتابیں حفظ تھیں[2]

اب آپ ہی غور فرمائیں جسے سب کتابیں اس طرح حفظ اور یاد ہوں۔ کیا وہ قرآن کریم کی آیات میں اس قسم کی کھلی غلطیاں کر سکتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے معتقد خاص گل محمد فیضی

---

[1] الشفاء ص ۔ [2] احکام شریعت ص۵ مطبوعہ کراچی

لکھتے ہیں :۔

آپ کو چودہ سو برس کی ساری متداولہ اور غیر متداولہ کتب یاد تھیں بلکہ ان کے صفحہ و سطر کی تلاش میں بھی کبھی خطا نہ ہوئی۔[1]

جناب سید محمد کچھوچھوی کی شہادت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کی ان تبدیلیوں کو اُن کی قوتِ حافظہ کی کمزوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ موصوف لکھتے ہیں :۔

اب جو کتابوں کو کھولا تو صفحہ سطر اور بتائی ہوئی عبارت میں ایک نقطہ کا فرق نہیں۔[2]

جب قرآن کریم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ایک نقطہ کا فرق نہیں پڑتا تھا تو قرآن کریم کی آیات میں یہ تبدیلیاں بھول سے کیسے ہو سکتی تھیں معلوم ہوا آپ یہ سب کچھ عمداً کرتے تھے۔ اب آپ ہی سوچیں کیا یہ سب کچھ انگریز کے اشارے پر نہیں ہو رہا تھا جو بائیبل میں تبدیلیوں کا جواب قرآن کی تبدیلیوں سے دینا چاہتے تھے۔

قادیانیوں کا بھی یہ عذر لائق پذیرائی نہیں کہ مرزا غلام احمد سے یہ غلطیاں محض بھول کر ہوئیں قصداً نہ تھیں۔ اوّلاً یہ کہ نبی خدا کے بغیر بُھلائے بھولتا نہیں۔ اسے نسخ بھی کہتے ہیں۔ ثانیاً قادیانیوں نے ان غلط لکھی آیات کو اب تک اسی حالت میں رکھا ہوا ہے۔ انہیں نئی اڈیشنوں میں درست نہیں کیا۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے دیکھو امتیوں نے اپنے پیغمبر کی اصلاح کر ڈالی۔

جہاں تک حدیث میں اپنی باتیں ملانے کا تعلق ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر موضوع روایات کے بیان کی جرأت ہے اس میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا احمد رضا خان پیچھے نہیں رہے۔ اسکی تفصیل آپ کو ہمارے رسالہ "علم حدیث عہدِ جدید کی زد میں" میں ملے گی۔ اسکے علاوہ جو چیز ان دو شخصوں میں مشترک ہے وہ فحش گوئی اور بازاری زبان ہے۔ جس کی ایک جھلک آپ رسالہ "پڑھتا جا شرماتا جا" میں دیکھ چکے ہیں۔

---

[1] آزادی کی اَن کہی کہانی صفحہ ۱۴۰ مطبوعہ سرگودھا [2] حیاتِ اعلیحضرت جلد ا صفحہ ۲۲ مطبوعہ کراچی

یہ چند جہات سے قادیانی اور رضاخانی سیاسی فکر و عمل کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دونوں اس اشتراک میں یہاں تک بڑھے کہ قرآن کریم کی کھلم کھلا تحریف کرنے میں بھی انہیں کوئی حجاب مانع نہ رہا۔ اس کی ابھی ایک مختصر جھلک آپ ملاحظہ کر چکے اب قدر مشترک پر ایک نظر کیجیئے:

قادیانی اور رضاخانی اصل الاصول

مذکورہ بالا جملہ وجوہ اشتراک کی اصل چار باتیں ہیں (۱) انگریزوں کی سیاسی پالیسی کی غیر متزلزل حمایت (۲) مسلمانوں میں تفرقے کی حدود کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا (۳) تحریکات آزادی کی مختلف پہلوؤں سے مخالفت (۴) قرآن پاک کے الفاظ و معانی میں تحریف۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے۔ بریلوی حضرات خود بھی کسی حد تک اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ دوسری بات کی عملی تصدیق سے ان کا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ باقی رہی تیسری بات۔ سو یہ ان کی پوری تاریخ ہے اور چوتھی بات ان کا دن رات کا مشغلہ ہے۔

انگریزوں کی سیاسی پالیسی کی حمایت

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلی بات کے سلسلہ میں مولانا احمد رضا خاں کے استدلال پر غور کیا جائے اور اس نکتہ پر بحث کی جائے جو مسعود احمد صاحب نے مولانا احمد رضا خاں کے دفاع میں اٹھایا ہے[1]۔ مسعود صاحب کا مؤقف یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کی اس لیئے مخالفت کی تھی۔ کہ ملک کہیں فوراً آزاد نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس صورت میں مسلمان ہندو اکثریت کی زد سے محفوظ نہ رہ سکتے تھے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ انگریزوں کے پاؤں ہندوستان میں اور مضبوط کیئے جائیں۔ تاکہ ہندو اکثریت مسلمانوں کو دبا نہ

---

[1] مسعود صاحب کو مولانا کے انگریز نواز ہونے سے انکار نہیں اب صرف اسکی حکمت تلاش ہو رہی ہے

سکے. پس ان تحریکوں کی مخالفت ضروری تھی. جو انگریزوں کے خلاف ہوں اوران کے اقتدار کو کمزور کرتی ہوں. جناب مسعود احمد صاحب مولانا احمد رضا خاں کے دفاع میں لکھتے ہیں :-

ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا بحث اس سے تھی اور اسی بنا پر اس کی شدید مخالفت کی گئی. جن متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سرفہرست اعلیٰ حضرت بریلوی کا نام نامی نظر آتا ہے.[1]

اس شدید مخالفت نے واضح کر دیا کہ آزادی ہند کی ان تحریکات میں مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کے سب سے بڑے حامی تھے اوران تحریکوں کی مخالفت اس لیئے کرتے تھے. کہ کہیں انگریز بہادر ہندوستان سے چلے نہ جائیں.

اپنے منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

بریلویوں کے اس مؤقف سے ثابت ہے کہ مولانا احمد رضا خاں برطانوی اقتدار کو طویل کرنا چاہتے تھے اور اسے مسلمانوں کے لیئے سایۂ رحمت خیال کرتے تھے. ترکی خلافت پر شرعی بحثیں کہ ترک شرعاً خلافت کے اہل نہیں اور چار سو سال سے جو ان کی خلافت چلی آرہی تھی سب ناجائز تھی. یہ باتیں سب اسی سیاسی مصلحت کے لیئے تھیں. بذات خود یہ ایسے مسائل نہ تھے کہ ان پر اس قدر زور دیا جاتا. اسی طرح مولانا احمد رضا خاں کا انگریزوں سے مالی امداد لینے کی سعی کرنا یہ بھی اسی سیاسی پالیسی کے لیئے تھا کہ انگریزوں کے پاؤں ہندوستان میں زیادہ سے زیادہ مضبوط کیئے جا سکیں. انگریزوں سے امداد لینے کے جواز پر کفار سے ہدیے قبول کرنے کی احادیث پیش کرنا یہ سب حرکات اسی سیاسی مصلحت کے لیئے تھیں.

---

[1] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۲۷

عدم توازن کی بحث

تحریک خلافت میں صرف ہندوستان کے مسلمان ہی نہ تھے۔ آزاد قبائل اور افغانستان سب اس کے ساتھ تھے۔ یہ تحریک عالمی سطح کی تھی۔ جس کا مرکز ترکی تھی۔ مسلمان ٹرکی کو اس قوت پہ لانا چاہتے تھے۔ کہ وہ ہندوستان میں مداخلت کرکے انگریزوں کو وہاں سے پسپا کر سکے۔ اگر ترکی اس قوت میں آجاتا تو آزاد ہندوستان میں مسلم اقلیت کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہندو اکثریت پر ہر وقت ترکی خلافت کی تلوار لٹکتی رہتی۔ جو ترک ہندوستان سے برطانیہ کو نکالنے کے لیئے پہنچ سکتے تھے وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کے لیئے کیوں نہ آسکتے تھے

یہ سب امور خلافت عثمانیہ کی قوت و شوکت پر موقوف تھے۔ انگریز ٹرکی کی اسی قوت کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ جو مسلمانوں کے لیئے سہارا بن سکتی تھی۔ خود ترکی پہ حکومت کرنا اس کے پیش نظر نہ تھا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ترکوں کی حمایت میں پیش پیش تھے اور مولانا احمد رضا خاں شریف مکہ اور انگریزوں کی حمایت میں کام کر رہے تھے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحریکِ خلافت میں مجموعی طور پر مسلمان اکثریت میں تھے۔ ہندوستان کے ہندو اس مجموعی تحریک میں اقلیت میں تھے۔ تحریک مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی اور ہندو انگریز دشمنی کے سہارے اس کے ہمنوا بن گئے تھے۔ یہ محض ان کی ایک تائید تھی جس کی مسلمانوں کے دلوں میں قدر تھی۔ خلافت خالصتہً ایک اسلامی موضوع تھا اور اس کے ہندوؤں کی تائید محض ایک امداد کے درجہ میں تھی۔ جو ایک ہمسایہ قوم سے دوسری ہمسایہ قوم کو مل رہی تھی۔

مولانا احمد رضا خاں اگر ترکی خلافت کے خلاف نہ اُٹھتے اور مسلمانان ہند ترکوں کے لیئے ایک عظیم قوت بن جاتے۔ تو تاریخ اسلام سقوط سمرنا کا داغ کبھی نہ دیکھتی۔ جب تحریک ناکام ہوئی ترک کمزور پڑگئے اور انگریز پھر سے چھا گئے تو مولانا احمد رضا خاں کے حامی مولانا کے

سیاسی کردار پر پردہ ڈالنے کے لیئے عدم توازن کی بحث لے بیٹھے۔

؎ پہلے جلا کے بعد میں دل میسر ار کر لیا — کیا یُوں بھی پھُونکتا ہے کوئی اپنا گھر کہیں

اس میں شک نہیں کہ تحریک خلافت میں مجموعی طور پر مسلمان اکثریت میں تھے اور ہندوستان میں بھی تحریک مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن نے ۱۹۲۰ء کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا۔

> کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر تعداد قوم (ہنود) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول کے لیئے مؤید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اتحاد کو بہت مفید اور منتج (نتیجہ خیز) سمجھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لیئے فریقین کے عمائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں اس کے لیئے میرے دل میں بہت قدر ہے۔[1]

حضرت شیخ الہند کا دو قومی نظریہ

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کو دو قومیں قرار دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دو قومی نظریہ تحریک خلافت کے وقت میں بھی موجود تھا اور حضرت شیخ الہندؒ اسی کے داعی تھے۔ یہ نظریہ کوئی بعد کی پیداوار نہیں۔ مشترک مقاصد کے لیئے دو قوموں کا اتحاد بُری بات نہیں ۔ اس کے باوجود دو قوموں کا قومی وجود اور ملی نظریات اپنی جگہ قائم رہ سکتے ہیں۔ ملکی امور میں اتحاد کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں قومیں اپنے اپنے ملی احساسات اور اور تقاضوں سے دستبردار ہو گئی ہیں۔

---

[1] علمائے حق حصہ اوّل صـ ۲۱۶

اقلیت اور اکثریت میں عدم توازن

بعض حالات میں ایک ملکی اقلیت اپنی بین الاقوامی اکثریت سے اپنی حفاظت کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے تحریک خلافت میں مسلمانوں کی عالمی اکثریت کے ساتھ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام کی تائید و امداد بھی حاصل کر لی تھی۔ آپ نے ان کی اس تائید کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا اور اپنے اس خطبہ میں اس کا ذکر فرمایا۔ ہموطن ہونے کی حیثیت سے دونوں قومیں صلح و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کا ساتھ بھی دیں۔ تو اس میں کوئی وجہ قدح نہ تھی۔ مسلمانوں کی عالمی اکثریت کے سائے میں ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت اس کی مسلم اکثریت سے دب کر رہتی اور اگر اسلام کی تبلیغ کا کام بھی ساتھ ساتھ چلا رہتا۔ تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ اقلیت و اکثریت کے یہ فاصلے بہت حد تک اور سمٹ چکے ہوتے۔ اقلیت اور اکثریت کے اس بین الاقوامی توازن کا ایک جگہ جناب مسعود احمد صاحب نے بھی اقرار کیا ہے:۔

> اقلیت کا ہم مذہب کوئی ملک اگر طاقتور ہے تو کسی کی مجال نہیں کہ اس کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ سکے۔ اس حقیقت کو تو ہم خود مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اگر پاکستان قوی ہوتا ہے تو اس کی قوت کا اثر ہندوستان کے مسلمانوں پر از خود ہوتا ہے[1]

اس حقیقت کی روشنی میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت کے عدم توازن کی بات راہ نہیں پاتی۔ اگر تحریک خلافت کامیاب ہو جاتی۔ تو آزادی ہند کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

یہی بات علمائے حق کے پیش نظر تھی اور اسی لیئے وہ غیر مسلم اقوام کے اتفاق و اتحاد کو قدر کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہندوستان میں اس وقت ہندو مسلم سوال پیدا کرنا در اصل انگریزوں کی حمایت کے لئے تھا۔ ابتداء میں غیر مسلم اقوام اتنی بیدار نہ تھیں کہ مسلمان کو ٹیڑھی

---

[1] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص۲۹

نظر سے دیکھیں۔ آزادی کی تقریباً تمام تحریکوں میں قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندو غلبے کا نکتہ انگریز حکومت نے اٹھایا تھا۔ تاکہ مسلمان کسی طرح برطانوی اقتدار کو اپنے لیے سایہ رحمت سمجھ لیں۔ مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

تاریخ شاہد ہے جب اہل وطن آپس میں دست بگریباں ہوئے۔ زمین اغیار کے قبضے میں چلی گئی۔ انگریز بہت ہشیار تھا اس نے تیغ سیاست سے کام لیا جو کسی کو نظر نہ آئی۔ اس لیئے ان کے اقتدار کو سایۂ رحمت سمجھا گیا۔[1]

مسعود صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ وہ تیغ سیاست کسی کو نظر نہ آئی۔ وہ خود ایک جگہ علماء حق کے آہنی عزم کا اقرار کر چکے ہیں:۔

ماسوائے چند علماء کے مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔[2]

ہمیں افسوس ہے کہ مسعود صاحب خود بھی اس تیغ سیاست سے گھائل ہو گئے خدا تعصب کو برباد کرے۔ آپ نے حضرت شیخ الہند کے مذکورہ خطبہ کو نقل کرنے کے بعد اتفاق و اتحاد کے الفاظ کو دعوت موالات کے الفاظ سے بدل ڈالا۔ موالات ایک شرعی اصطلاح تھی مسلمان کا رشتہ صرف مسلمانوں سے ہی ہو سکتا ہے۔ ملکی امور میں اتفاق و اتحاد کی راہیں سب کے ساتھ کھلی ہیں۔ مسعود صاحب حضرت شیخ الہند کی عبارت کو جذبات کے آئینہ میں اتار کر انگریز کی کی تیغ سیاست سے بری طرح گھائل ہوئے اور بات یوں بدلی۔

حیرت ہے کہ ایک ممتاز عالم ہندوؤں اور سکھوں کو دعوت موالات دے رہا ہے۔[3]

بریلوی تحریف کا ایک نمونہ

حضرت شیخ الہند کا خطبہ ایک دفعہ پھر پڑھیں[4] آپ دیکھیں گے کہ اس میں مخاطب مسلمان

---

[1] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۳۲ [2] ایضاً ص ۳۵ [3] ایضاً ص ۷۴

ہیں۔ مسعود صاحب نے اپنی اس عبارت میں انہیں ہندو اور سکھ بنا دیا۔ خطبہ میں غیر مسلم اقوام کے اتفاق و اتحاد کے الفاظ تھے۔ انہیں اختلافی مسئلہ بنانے کے لیئے موالات سے بدل ڈالا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس اتفاق و اتحاد کا ذکر کیا تھا۔ موصوف نے اس کو دعوت (بلانے کی تحریک) بنا دیا۔ یہ سب محض اس لیئے کیا کہ علماء دیوبند جو انگریزوں کے خلاف سیاسی کام کر رہے تھے۔ ان کے خلاف ایک جذباتی فضا پیدا کی جائے اور مولانا احمد رضا خاں جو غیر مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت کی بحث میں عدم توازن کا نکتہ ابھار رہے تھے۔ ان کے لیئے انگریزوں کی حمایت کا جواز پیدا کیا جائے۔ مسعود صاحب اس جوشِ عصبیت میں مولانا احمد رضا خاں کی برطانوی حمایت کو صراطِ مستقیم تک کہہ گئے۔

> انگریز دشمنی نے علماء (دیوبند) کو حدِ اعتدال سے متجاوز کر دیا تھا۔ فاضلِ بریلوی نے صراطِ مستقیم دکھایا۔[۱]

کیا یہی صراطِ مستقیم ہے جس کی بریلوی حضرات پنجگانہ نمازوں میں خدا سے استدعا کرتے ہیں؟ صراطِ مستقیم تو وہ راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلتے رہے ہوں۔ اسلاف میں سے کوئی انگریزوں کی حمایت میں نہیں چلا۔ انگریزوں کی حمایت کو صراطِ مستقیم بتلانا اپنے اَن پڑھ عوام کو اور گہرے کنوئیں میں گرانا ہے۔ کیا یہی مولانا احمد رضا خاں کا سیاسی کردار ہے؟

مولانا احمد رضا خان کا صراطِ مستقیم

ممکن ہے کسی کو خیال گزرے، شاید مولانا احمد رضا خاں نے استخلاصِ وطن کے لیئے کوئی اور پروگرام پیش کیا ہو اور وہ صراطِ مستقیم ہو ایسا ہرگز نہیں۔ مولانا کے پاس اس سلسلے میں کوئی پروگرام نہیں تھا۔ آستانۂ بریلی سے جتنے پروگرام نکلے سب منفی ہی منفی تھے۔ انگریزوں کی سلامتی سب میں قدرِ مشترک تھی اور یہی ان کے ہاں صراطِ مستقیم تھا۔ ان کے اس پروگرام

---

[۱] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص۴۷

کے بڑے بڑے عنوان یہ تھے اور انہی کی گردان انہیں بڑی دوڑ دھوپ سے یاد کرائی جاتی تھی۔

(۱) مسلمانان ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔ (۲) ترک خلافت کے لائق نہیں (۳) انگریزوں سے اپنے دینی کاموں کے لیئے امداد لینا ناجائز نہیں۔ (۴) شریف کی ترکوں کے خلاف بغاوت ناجائز نہیں۔ (۵) ترکوں کی حجاز پر حکومت جائز نہیں۔ (۶) غیر مسلم اکثریت سے بچنے کے لیئے انگریزی اقتدار کو طویل کرنے کے اقدامات ناجائز نہیں۔ (۷) اپنے سوا دوسرے فرقوں کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں۔ کسی پہلو سے اہل وطن کا اتحاد جائز نہیں

آستانہ بریلی میں شریف مکہ (جس نے جنگ یورپ میں انگریزوں کا شرمناک ساتھ دیا اور ترکوں کے خلاف بغاوت کی تھی) کے لیئے دعائیں کی جاتی تھیں اور اسے ترکی غلامی سے نجات دلانے والا قرار دیا جاتا تھا۔ انگریزوں کی مسلم ہمدردی کی دل کھول کر تعریف کی جاتی تھی اور انگریز دشمن علماء کو حد اعتدال چھوڑنے والے قرار دیا جاتا تھا ان کے خلاف دینی لائن سے بڑے مسجع اور مرصع فتوے تیار کیئے جاتے اور اہل اسلام کے مل کر بیٹھنے کی جملہ راہیں ایک ایک کر کے مسدود کی جاتیں ـــــــ یہ وہ صراط مستقیم ہے۔ جو مولانا احمد رضا خاں نے اپنے پیروؤں کو دکھایا تھا۔

سیاسی امور میں شرف نسب کی بحثیں

ہندوستان میں جب ذات پات کے امتیاز پر ہندو مسلم بحثیں ہو رہی تھیں اور ہندو جوان امتیازات سے تنگ آئے ہوئے تھے کثیر تعداد میں مسلمان ہو رہے تھے۔ عین اس وقت مولانا احمد رضا خاں نے فتوے دیا کہ دنیوی معاملات میں خاندانی امتیازات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس دو دھاری تلوار سے ترک بھی گھائل ہوتے تھے۔ کہ وہ قریش میں سے نہیں اور یہ پراپیگنڈہ بھی ہوتا تھا کہ ترک خلافت کے اہل نہیں۔ ملاحظہ کیجئے:۔

"مصالح سلطنت و دین میں نسب کا کچھ اعتبار نہیں"، اہل سنت نے اس کا

۱۷/۱

رد کیا ہے کہ ضرور شرف ونسب میں کو اس میں اثر ہے[۱]

شرف نسب کی یہ بحث صرف شریف مکہ کی حمایت اور ترکوں کی مخالفت کے لیئے چھیڑی گئی۔ شریف ہاشمی النسب تھا۔ مولانا اس کے شرف نسبی کو سامنے لارہے تھے اور اس کے انگریزوں سے سازباز کرنے کو درست سمجھتے تھے۔ ڈاکٹر اقبال نے بجا کہا تھا۔

۵۔ بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

مولانا احمد رضا خاں نے حامیان خلافت کی ناکامی اور رسوائی کی پیش گوئی کی۔ خلافت کی کوششوں اور اس کے لیئے قید و بند کی صعوبتوں کو ذلت و رسوائی سے تعبیر کیا۔ ایسا کرنا ان کے لیئے کسی طرح درست نہیں تھا۔ بہرحال مولانا احمد رضا خاں نے لکھا :۔

شرعی خلافت قریش میں منحصر ہے۔ دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اور قریش جب تک دین قائم رکھیں گے ان کا مخالف (خلافت عثمانی کا داعی) ذلیل و رسوا ہوگا۔[۲]

بنو عباس جب دین کو اس کی سیاسی عظمت سے قائم رکھنے میں کمزور پڑے تھے تبھی انہوں نے خلافت ترکوں کے سپرد کی تھی۔ یہ عربوں سے خلافت چھیننا نہ تھا۔ خود ان کی خدمت کرنا تھا۔ اگر قریش دین کو عصری تقاضوں کے مطابق اس کی شکوہ سے قائم نہ رکھ سکیں تو کیا یہ ناجائز ہے کہ یہ ذمہ داری کسی دیگر مسلم قوم پر ڈال دیں؟ ترک اس وقت مسلم ممالک میں بڑی قوت تھے۔ بنو عباس نے اگر یہ ذمہ داری ترکوں پر ڈال دی تھی تو یہ کوئی ناجائز کام نہ کیا تھا۔ خلافت عثمانی قریش سے بغاوت نہیں۔ انہی کے پروگرام کی تکمیل و تذئیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں کی نظر میں ترکوں کی ناکامی پورے عالم اسلامی کی ناکامی تھی۔

ایسے نازک وقت میں یہ بحث اٹھانا کہ " ترک شرعاً خلافت کے اہل نہیں " انگریزوں کی دوررس نگاہ کا پتہ دیتا ہے۔

اقبال مرحوم ترکوں کی ناکامی کو مولانا احمد رضا خاں کی طرح ذلت و رسوائی نہیں سمجھ

۱؎ دوام العیش ص ۶۴ ۲؎ ایضاً ص ۴۷

رہے تھے۔ وہ اسے مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا قاعدہ سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ لاکھوں ستارے ناپید ہوتے ہیں، تب کہیں صبح کا روشن چہرہ کھلتا ہے۔ ؎

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے   کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

آہنی عزم کے انسان

مسعود احمد صاحب نے لکھا۔ چند علماء کے سوا مصلحت وقت کے تحت سب ہی نے انگریزوں کی حمایت میں عافیت سمجھی۔ وہ لوگ کون تھے جو اپنے موقف پر عزم آہنی سے ڈٹے رہے۔ جناب مسعود احمد صاحب کے یہ الفاظ پھر سنیئے :۔

۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن نے ریشمی خطوط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا۔ اس خاکہ کے لیئے مولانا محمود حسن حجاز گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں (شریف مکہ) سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کے خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ ترکوں پر علماء حجاز (مولانا احمد زینی وحلان) اور علماء ہند (بریلوی علماء) کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے۔ مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی۔ مگر اسی اثناء میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے۔ جب باہر آئے تو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیئے گئے۔ ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے۔[۱]

حضرت شیخ الہندؒ کا فتوئے ترکِ موالات

مولانا احمد رضا خاں نے بہت کوشش کی کہ ہندو مسلم سوال پیدا کر کے برطانوی اقتدار کو اور

---

[۱] ... اور ترک موالات صد ۳۸

طویل کیا جائے۔ لیکن علماء حق بھی خاموش نہ تھے۔ مولانا احمد رضا خاں کا ممانعتِ جہاد کا فتویٰ زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ کیا ہندو اور کیا مسلمان۔ سب انگریزوں کے خلاف صف آراء رہے۔ ایک طرف حضرت شیخ الہندؒ کا فتوے تھا اور دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کے حق میں فتوے دے رہے تھے۔ مسلمانوں کی نوّے فیصد اکثریت نے حضرت شیخ الہندؒ کا ساتھ دیا۔ مسعود احمد صاحب اقرار کرتے ہیں :۔

"۱۹۱۹ء میں کانگریس کے قوم پرست ہندو مسلمان اور تحریک خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترکِ موالات پر تُلا ہوا نظر آتا تھا۔ مخالفت کی کسی میں جرأت نہ تھی"[1]

تحریکِ خلافت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ نے تحریک ترکِ موالات شروع کر دی تھی۔ مولانا احمد رضا خاں اس تحریک میں بھی تاج برطانیہ کے حامی تھے۔ آپ نے پھر فتوے دیا۔ کہ دینی تعلیم کے لیئے انگریزوں سے مالی امداد حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ اسلام ان سے قطع تعلقات کی تعلیم نہیں دیتا۔

مولانا احمد رضا خاں کا فتوے

تعلیم دین کے لیئے گورمنٹ سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالف شرع سے مشروط اور نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے۔ جس کی تحریم پر شرع مطہرہ سے اصلاً کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو۔ مگر دین میں زیادت نہ کرو۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے سلاطین کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے۔[2]

---

[1] فاضل بریلوی اور ترک موالات صـ ۳۸ [2] المحجۃ المؤتمنہ فی آیات الممتحنہ صـ ۱۶ مولانا احمد رضا خاں کے فقہی ذوق کی داد دیجئے۔ دوسرے ملکوں کے سلاطین کو اپنے ملک کے سلاطین قرار دیتے ہیں۔ تاکہ انگریزوں کے ہدیے اور نذرانے اپنے لیئے جائز کر سکیں۔

اب ہم یہاں حضرت شیخ الہندؒ کا فتوے ترک موالات ہدیہ قارئین کرتے ہیں جس کی بنا پر ہر شخص ترکِ موالات پر تُلا نظر آتا تھا۔

حضرت شیخ الہند کا فتوے

"آج جب کہ شرق و غرب کے مسلمانوں پر قیامت خیز مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ جب کہ اندیشہ ہے کہ خلافتِ اسلامیہ کا جہاز اُمڈتے طوفانوں کی موجوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ جب کہ ہر فردِ مسلم کی روح موت کی دھمکیاں دینے والے حوادث سے لرز رہی ہے۔ بلکہ اگر عاقبت بینی سے کام لیا جائے تو ہر ایک ایشیائی اور خصوصاً ہر ایک ہندوستانی اپنی اخلاقی جرأت اور آزادانہ مستقبل کو سخت خطرہ کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ علماء ہند کی تعداد کثیر اور ہندو ماہرینِ سیاست کا ایک بڑا طبقہ اس جد و جہد میں ہے۔ کہ اپنے جائز حقوق اور واجبی مطالبات کو پامال ہونے سے بچائیں۔ کامیابی ہر وقت خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جو فرض شرعی قومی اور وطنی حیثیت سے کس شخص پر عائد ہوتا ہے تو اس کے ادا کرنے میں ذرّہ بھر تاخیر کرنا ایک خطرناک جرم ہے۔"

"میں اصل فطرت سے کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور میری طویل زندگی شاہد ہے۔ میرا مطمح نظر ہمیشہ مذہب رہا ہے اور یہی وہ مطمح نظر ہے جس نے مجھے ہندوستان سے مالٹا اور پھر مالٹا سے ہندوستان پہنچایا۔ پس میں ایک لمحہ کے لیے کسی ایسی تحریک سے اپنے کو علیحدہ نہیں پاتا۔ جس کا تعلق تمام جماعت اسلام کی فلاح و فوز سے ہو یا دشمنان اسلام کے حربوں کے جواب میں خود اختیاری کے طور پر استعمال کی گئی ہو۔ مالٹا سے واپس آکر مجھے علم ہوا کہ ہندوستان کے اربابِ بست و کشاد نے آخری طریقہ کار اپنے فرض کی ادائیگی اور اپنے جذبات و حقوق

وہ قرآن کریم کی صحیح اور ـــــــــــــــ کے تحفظ کا قرار دیا ہے
ایک صریح تعلیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک روشن اسوۂ حسنہ کو
مضبوط تھام لیں اور نفع وضرر قومی کا موازنہ اور عواقب ملیہ کی پوری جانچ کر
کے اس کو بے خوف و خطر انجام تک پہنچائیں اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔
کہ اعداء اسلام کے ساتھ تعاون و موالات کو اعتقاداً و عملاً ترک کر دیں۔ اس مسئلہ
کی شرعی حیثیت ناقابل انکار ہے اور ایک صادق مسلمان کی غیرت کا ایسے
حالات میں یہی اقتضاء ہونا چاہیئے۔"

محمود حسن عفی عنہ ۳، ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت حضرت شیخ الہند کے مقابلے میں کچھ نہ تھی۔ مسلمانوں کی اکثریت حضرت شیخ الہند کے ساتھ تھی۔ مولانا احمد رضا خاں نے جب محسوس کیا کہ مسلمان ترکوں کی مخالفت کسی طرح گوارا نہیں کرتے۔ تو آپ نے تحریک ترک موالات کی مخالفت اور انگریزوں کی حمایت کی ایک اور راہ نکالی۔ مسعود صاحب لکھتے ہیں :۔

ترکوں کے خلاف چند انگریزوں نے حصہ لیا ہے۔ پس ان انگریزوں سے کیوں ترک موالات اور ترک معاملات کی جائے جنہوں نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا۔[۲]

مسعود احمد صاحب اسے نقل کر کے لکھتے ہیں:" بات پتے کی فرمائی"۔ وجہ تحسین یہ ہے کہ انگریزوں کی خیرخواہی کی ایک اور وجہ نکال لی۔

انگریز بطور قوم کے ترکوں کے خلاف تھے۔ یہ کہنا کہ ہندوستان کے انگریز حکمرانوں نے مشرق وسطیٰ یا ترکی جا کر جنگ نہیں کی۔ اس لئے ان سے ترک موالات نہ کی جائے، نہایت کمزور دلیل ہے اور حق یہ ہے کہ انگریزوں کی حمایت میں مولانا احمد رضا خاں کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہ تھی۔ صرف انگریزوں کے مراحم خسروانہ ان سے ایسی باتیں کہلوا رہے تھے۔

---

[۱] [۲] فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۴۶

بریلیوں کی طرف سے مختلف تحریکوں کی مخالفت

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے مراد آباد سے ماہنامہ السواد الاعظم نکالا اور ۱۹۱۹ء میں خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں کے عنوان سے تحریک آزادی کے خلاف پرزور مضمون لکھے۔ مولانا احمد رضا خاں کی پوری جماعت آزادی پسند مسلمانوں سے ٹکراتی رہی۔ ڈاکٹر اقبال نے ترکوں کی حمایت کی اور قوم کو آزادی کا پیغام دیا۔ تو مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا دیدار علی نے انہیں بھی کفر کا فتوےٰ دیا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ہر میدان میں آزادی پسند مسلمانوں کا غلبہ رہا اور مولانا احمد رضا خاں کا فتوےٰ ممانعتِ جہاد کامیاب نہ ہو سکا۔ انگریزوں کے پاس اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ملک میں ہندو مسلم سوال پیدا کر دیا جائے۔

ترکوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ کہ ہندو عالمی سیاست کی بجائے ملکی سیاست میں کھو گئے۔ اس کے نتیجہ میں مسلم اتحاد کمزور پڑ گیا اور ہندو مسلم اتحاد پر مسلم اکثریت کا دباؤ نہ رہا۔ یہ وہ وقت تھا جب قائد اعظم مسلم لیگ کو لے کر میدان میں آئے۔ ان لوگوں نے قائد اعظم کو بھی کافر کہا۔ حزب الاحناف ہند لاہور کے مولانا ابو البرکات سید احمد نے مسلم لیگ کو کسی قسم کا چندہ دینا حرام ٹھہرایا۔ الغرض جو جماعت بھی ان مسلمانوں کے سامنے آزادی وطن اور انگریزوں کی مخالفت کا پروگرام لے کر آئی مولانا احمد رضا خاں اور ان کی جماعت نے اس کے ارکان پر تکفیر اور تردید کے گولے بے دریغ برسائے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانے میں

رضا خانی تحریک اس میدان میں کوئی نئی تحریک نہ تھی۔ اس سے پہلے مرزا غلام احمد اس میدان میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ قادیانی اور رضا خانی تحریکیں ساتھ ساتھ چلتی رہیں اور ملک و ملت کے خیر خواہ ان دونوں اور ان کے آقاؤں (انگریزوں) کا تختۂ مشق بنے رہے۔

تحریکِ خلافت، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، تحریک ترک موالات، علی گڑھ، دیوبند، ڈاکٹر اقبال، مسلم لیگ، قائداعظم اور ائمہ حرمین مکہ و مدینہ کے بارے میں قادیانی اور رضاخانی نظریات وافکار تقریباً یکساں رہے اور عملی طور پر ان دونوں جماعتوں نے مسلمانوں میں انتشار پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

مولانا احمد رضا خاں اور ان کی جماعت نے تحریکِ خلافت اور تحریک ترکِ موالات کے خلاف جو کام کیا اس کی کچھ جھلک آپ دیکھ چکے۔ اب قومی اور ملی مہمات میں بھی ان کا کردار ملاحظہ فرمایئے۔

قومی مُہمّات میں مولانا احمد رضا خاں کا کردار

(۱) مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کسی قوم کی بقا اس کی آئندہ نسلوں کی تعلیم اور تربیت پر منحصر ہوتی ہے۔ مسلمان تاج ہند سے محروم ہوئے تو انگریز حکومت نے اپنے نئے نظامِ تعلیم سے ان کی نئی نسلوں کو ان کے تابناک ماضی سے بے دخل کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ دوسری طرف ہندو اکثریت اپنے مخصوص تمدن میں مسلمانوں کو گھیرنا چاہتی تھی۔ مسلمان آزادی وطن کی جد و جہد میں دوسرے اہل وطن سے کٹنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن ان کے تمدن میں گھرنا بھی نہ چاہتے تھے۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اپنے دینی اور تاریخی رشتوں کو قائم رکھتے ہوئے وہ عصری اور عمرانی علوم میں بھی آگے بڑھیں۔ تاکہ جب ملک آزاد ہو وہ حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لیے ایک اپنا تعلیمی لائحہ عمل طے کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔

بہی خواہانِ ملت نے باہمی مشورے سے ایک بڑے پیمانے پر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ اس کا پہلا جلسہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو بمقام ڈھاکہ رکھا گیا۔ انگریز مسلمانوں کی اس اجتماعی

فکر سے بہت پریشان تھے۔ اپنے مخصوص نظام تعلیم کے بغیر ان کا اس ملک میں تا دیر ٹھہراؤ بہت مشکل تھا۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو کانفرنس و آف مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی تعلیمی مجلس کا پہلا جلسہ جو نا گڑھ میں ہوا۔ جس کے صدر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پروفیسر علی گڑھ تھے۔ اس کانفرنس میں ہر کلمہ گو بلا رعایت فرقہ ممبر بن سکتا تھا۔

مولانا احمد رضا خاں نے کانفرنس و آف مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کو حرام قرار دیا اور اس کے لیئے ایک مستقل رسالہ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاچرہ تصنیف فرمایا۔ سرورق کا عکس سامنے ملاحظہ کیجئے۔ مولانا کا فتوے ملاحظہ ہو:۔

> ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی ہے اور اس میں شرکت کرنا حرام اور بد مذہبوں سے میل جول آگ ہے اور اس بڑی آگ (جہنم) کی طرف لے جانے والا ہے۔[1]

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں ایسے لوگ کام نہ کر رہے تھے جو براہ راست کسی تحریک آزادی میں پیش پیش ہوں۔ پھر بھی انگریزی حکومت کے خیر خواہوں نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی مخالفت کی اور نہ چاہا کہ مسلم نوجوان ایک زندہ قوم کی حیثیت میں کہیں ابھریں۔ ان لوگوں نے اس کانفرنس کے خلاف بیانات دیئے اور پوسٹر نکالے۔ جن مذہبی رہنماؤں نے اس کانفرنس کی شرکت حرام بتلائی ان میں سرفہرست مولانا احمد رضا خاں کا نام ہے۔ فتوے کے آخر میں ان خیر خواہان برطانیہ کے دستخط اور مہریں ہیں جو ابن الوقت علماء کہلاتے تھے۔

> ۵ دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
> اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے !

۲ تحریک علی گڑھ

برطانوی ہند میں جس قدر اسلامیہ سکول یا اسلامیہ کالج قائم ہوئے یا ان تعلیمی اداروں کو

---

[1] الدلائل القاہرہ ص۳ شائع کردہ مصطفےٰ خاں قادری۔

چلانے والی انجمنیں بنیں۔ وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی مسلم یونیورسٹی کا علمی فیضان تھا۔ علی گڑھ نے مسلمانوں کے تہذیبی ورثے اور تاریخی رشتے کی اپنی بساط تک بڑی حفاظت کی یہ صحیح ہے کہ علمائے حق کو بعض اہم مسائل میں سرسید سے بہت اختلاف تھا۔ لیکن وہ یہ نہ چاہتے تھے۔ کہ علی گڑھ کالج اور یونیورسٹی کی بطور ایک تعلیمی ادارے کے مخالفت کریں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ علی گڑھ کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ علماء دیوبند کی جماعت تھی۔ آپ کو پوری فکر تھی۔ کہ کسی طرح جدید اور قدیم علوم کے مراکز علی گڑھ اور دیوبند ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس وقت کیا فتویٰ دیا؟ ملاحظہ کیجئے:۔

عرض: بعض علی گڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں؟

ارشاد: وہ تو ایک خبیث مُرتد تھا۔[1]

پھر مظہر مولانا احمد رضا مولانا حشمت علی کا مصدقہ فتویٰ ملاحظہ ہو:۔

جس طرح بے دین بادشاہ اکبر نے نورتن بنائے تھے۔ جو اس کے وزیران حکومت اور مشیران سلطنت تھے اسی طرح پیر نیچر نے بھی اپنے نورتن بنا رکھے تھے۔ جو پیر نیچر کے وزیرانِ نیچریت اور وزیرانِ دہریت اور مبلغین زندقیت تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ نواب محسن الملک۔ نواب اعظم یار جنگ۔ مولوی چراغ علی خاں۔ نواب انتصار جنگ۔ مولوی مشتاق حسین۔ مولوی الطاف حسین حالی۔ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ۔ مولوی مہدی حسن۔ سید محمود خاں۔ شبلی نعمانی اعظم گڑھی۔ ڈپٹی نذیر احمد[2]

سید اور اس کے رفقاء کے متعلق بریلویوں کا یہ فتویٰ آپ پہلے دیکھ آئے ہیں جو شخص پیر نیچر کے کفریات قطعیہ یقینیہ میں کسی ایک ہی کفر پر مطلع ہونے کے بعد اس کے کافر مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر مرتد ہونے میں توقف کرے

---

[1] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ سوم صـ۱۱ [2] تجانب اہل السنۃ صـ۲۸

وہ بھی بحکمِ شریعت مطہرہ قطعاً یقیناً کافر و مرتد اور بے توبہ مرا تو مستحقِ عذابِ ابدی ہے۔[1]

(۲) تحریک مسلم لیگ اور قائد اعظم

قائد اعظم نے جب تحریک پاکستان شروع کی تو مولانا احمد رضا خاں فوت ہو چکے تھے چونکہ علی گڑھ کے نوجوان اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ اس لیئے لازمی امر تھا کہ مولانا احمد رضا کے حلقہ کے لوگ مسلم لیگ اور قائد اعظم کی مخالفت کریں۔ چنانچہ اس مخالفت میں مولانا احمد رضا خاں کا آستانہ بیعت مارہرہ شریف ضلع ایٹہ اور مولانا احمد رضا کے خلفاء مثل مولانا حشمت علی خاں قادری مولانا ابوالبرکات سیّد احمد ناظم دار العلوم حزب الاحناف لاہور سب برابر کے شریک ہوتے۔ جناب مصطفےٰ خاں قادری نے اس سلسلہ میں مارہرہ کے سجادہ نشین جناب اولادِ رسول محمد میاں قادری جناب سید آلِ مصطفےٰ قادری مارہروی اور مولانا حشمت علی خاں کے فتوے یکجا شائع کیئے۔ اُن کے آخر میں مرکزی انجمن حزب الاحناف ہند لاہور کا فتوےٰ بھی درج ہے۔ اس پر مولانا ابوالبرکات سیّد احمد اور مولانا ابوالطاہر محمد طیب داناپوری کے دستخط ہیں۔ فتوؤں کے اس مجموعے کا نام —— الجوابات السنیہ علیٰ زہاء السوالات الیگیہ ہے

فتویٰ سجادہ نشین مارہرہ شریف

یہ سب اغراض و مقاصد صریح محرمات شرعیہ پر مشتمل اور حرام قطعی اور منجر باشد وبال و نکال و کفر و ضلال ہیں اور ان کے ہوتے ہوئے لیگ کی شرکت و رکنیت سخت حرام و ممنوع ہے۔[2]

فتویٰ سیّد آلِ مصطفےٰ قادری

---

[1] تجانب اہل السنۃ ص۱۲۸ [2] الجوابات السنیہ ص۳ مطبع سلطانی بمبئی۔

لیگ کا مقصد اول ہی چند در چند قبائح دینیہ و محرمات شرعیہ پر مشتمل ہے۔ لہذا جو جماعت ایسے خلافِ اسلام و قرآن مقصد کی حامی و حامل ہو اس کی شرکت یقیناً حرام و سببِ غضب ربِ انام ہے۔[1]

فتوئے مولانا حشمت علی خاں

"جب لیگ کے نزدیک تمام کلمہ گو اور مدعیِ اسلام منکرین ضروریاتِ دین کفار و مرتدین وہابی دیوبندی، بھی مسلمان ہیں تو ان کے ساتھ مؤاخات و برادرانہ بھائی چارہ قائم اور مضبوط کرنا لیگ کا مقصد چہارم ہے اور کفار و مشرکین و مرتدین و ملحدین کو بھائی بنانا بحکم قرآن عظیم منافقت ہے۔ . . . . جو جمعیت اثم و عدوان و معصیت رسول پر مشتمل مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے قائم کی گئی ہو اس کا ممبر بننا اس میں شریک ہونا حرام ہے۔"[2]

فتوئے مولانا ابوالبرکات قادری

لیگ کی حمایت کرنا اور اس میں چندہ دینا. اس کا ممبر بننا. اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔[3]

مولانا احمد رضا خاں کے پیر خانہ نے مسلم لیگ کے خلاف مارہرہ سے ایک اور کتاب شائع کی جس کا نام مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ہے. اس کے آخر میں بریلویوں کے بڑے بڑے علماء کی تصدیق بھی ہے. مولانا ابوالبرکات سید احمد نے انجمن حزب الاحناف ہند کے فتوئے مبارکہ میں بھی اس کتاب کی تائید کی ہے. پیلی بھیت سے جناب عمر خاں رضوی نے اپنے علماء سے چند سوالات کیے. جن میں سے پہلے دو سوال یہ تھے۔

---

[1] ایضاً ص ۹ [2] ایضاً ص ۸ [3] ایضاً ص ۲۲

(۱) مسٹر محمد علی جناح جو ہیں تو کس مذہب اور کن عقائد کے ہیں؟
(۲) ان کو قائد اعظم و سیدنا وغیرہ وغیرہ القاب سے خطاب کرنا؟

اب بریلویوں کا جواب ملاحظہ ہو۔

کیا کوئی سچا ایماندار مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائد اعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ ایسوں کی قیادت و سیادت و رہنمائی کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ۔ ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم ۔۔۔ سیہدیہم طریق الہالکین[1]

ترجمہ: جب کوا کسی قوم کا رہنما ہو تو وہ انہیں ہلاکت کی راہ پر ہی لے جائے گا۔

مسلم لیگ کی طرف سے جب کہا گیا۔ کہ قائد اعظم ایک بیرسٹر کی حیثیت سے مسلمانوں کا کیس لڑ رہے ہیں تو مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا حشمت علی نے لکھا:۔

کیا کسی بڑے سے بڑے کافر بیرسٹر کے ایسے دھوم دھڑکے سے عظمت و شان ظاہر کرنے والے جلوس بھی لیگی لیڈران نے کبھی نکالے جیسے لکھنؤ۔ دہلی۔ کراچی۔ پٹنہ وغیرہ مقامات میں اپنے قائد اعظم صاحب کے نکالے۔ کیا کبھی کسی کافر بیرسٹر کو بھی ایسے تعظیم و احترام و اعزاز و اکرام کے مظہر سپاسنامے پیش کیے گئے۔[2]

"بحکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ خبیثہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ جو شخص ان کے کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر مرتد اور شر اللئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت۔ عزیز علام[3]"

بریلوی تحریرات کا یہ مختصر نمونہ آپ کے سامنے ہے۔ اسے ملاحظہ کیجئے اور مسلم لیگ

---

[1] مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص۹۴ شائع کردہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ

[2] احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ مصنفہ مولانا حشمت علی خاں ص۱۵ [3] تجانب اہل السنۃ ص۱۲۲

پر ان کی ستم کیشی کی داد دیجئے۔ مسلم لیگ کے علاوہ جو سیاسی جماعتیں موجود تھیں۔ ان پر فتوے کفریہ حضرات پہلے ہی دے چکے تھے۔

جمعیت العلماء و مجلس احرار وغیرہم اشرار کلہم فی النار۔ لیکن مسلم لیگ جاذبیت کا جامہ پہن کر "اسلام خطرے میں ہے" کا نعرہ لگاتی ہوئی مسلمانوں کو غلط رستے پر ڈال رہی ہے۔ کیونکہ اس کے اغراض و مقاصد ہی اسلام کے لیئے خطرناک ہیں۔[۵]

رہے خاکسار تو ان کے بارے میں ان حضرات نے "قہر القادر" کے سرورق پر یہ عبارت لکھ دی تھی۔

یہ مبارک رسالہ مرتد اعظم مسٹر عنایت اللہ خاکسار کے گندے گھناؤنے کفریہ عقائد کے پردے کھولنے والا ہے)۔

مولانا احمد رضا خاں کے حلقہ عقیدت نے ہر اس جماعت کو مسترد کیا۔ جس نے کبھی انگریزوں کے خلاف مسلمانوں کی سیاسی تنظیم چاہی اور ہر اس فرد پر فتوے لگایا جو کبھی مسلمانوں کے حقوق کے لیئے اٹھا۔ تردید کے انداز پر ہر ایک کے بارے میں مختلف رہے۔ لیکن یہ بات ان کے ہر عمل میں ملحوظ رہی کہ کہیں انگریز اس ملک سے نہ نکل جائیں اور یہ سایۂ رحمت اُن سے نہ اٹھ جائے۔ صرف دیوبندی ان کے تیروں سے زخمی نہ تھا۔ انگریز دشمن ہر فرد اور ہر جماعت پر ان کا یہی فتوے تھا۔

گھائل تیری نظر کا بنوع دگر ہر ایک زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

بریلویوں نے اگر کہیں نرمی کی تو صرف کانگریس کے بارے میں ——— آل انڈیا کانگریس کے مشہور رہنما جناب رفیق احمد قدوائی جو علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور سر سید سکول سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی وفات پر مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں تعزیتی جلسہ کیا گیا۔ جس میں ان کے لیئے دعائے مغفرت کی گئی۔ مدرسہ کے تمام اساتذہ اور

---

۵ احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ صلا

طلبہ شامل ہوئے اور سب نے جناب قدوائی صاحب کی وفات کو ملک و قوم کے لیے ایک صدمہ جانکاہ قرار دیا۔ اس جلسے کی رپورٹ[1] لکھنؤ کے اخبار "قومی آواز" نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں جلی سرخی سے شائع کی تھی۔

یا انہوں نے نرمی برتی تو سنجے گاندھی کے بارے میں کہ اس کے ایصال ثواب کے لیے چودھری عاشق خاں کے مکان پر ۵ جولائی ۱۹۸۱ء کو مجلس قائم کی جس میں پیر ضامن نظامی صاحب نے بھی شرکت کی۔

قرآن خوانی ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔ اس قرآن خوانی میں کابینی وزراء اور مسلم ممالک کے سفراء بھی موجود تھے[2]

الحاصل بریلویوں کی عام روش یہی رہی کہ ہر قومی اور ملی پروگرام کی مخالفت کریں اور جب کبھی سیاسی قائدین کوئی تحریک چلائیں۔ وہ قوم میں اس سے بائیکاٹ کرنے کی روح پھونکیں۔ ان کی بڑی تبلیغ یہی رہی ہے کہ اپنے سوا ہر ایک کو کافر سمجھو اور کسی کو ووٹ نہ دو۔ ابوالطاہر داناپوری لکھتے ہیں :۔

تم سے ووٹ حاصل کر کے تمہارے نمائندے بن کر اسمبلیوں اور کونسلوں میں جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر شاردا بل۔ خلع بل۔ وقف بل۔ شریعت بل۔ زکوٰۃ بل۔ بیت المال ایکٹ جیسے منافی شریعت و اسلام سوز قوانین بنا کر پیش کرتے ہیں[3]

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جب کسی کو ووٹ دینا جائز نہیں تو انگریزوں کی حمایت کا اعلان کیوں ضروری ہو گیا۔ کیا یہ ان کے حق میں ووٹ دینا نہیں؟ ۱۹۱۸ء میں جب انگریز خلافت عثمانیہ ٹوٹنے پر فتح کے جشن منا رہے تھے۔ تو پنجاب کے تقریباً سب بریلوی پیروں اور ان کے مولویوں نے مسٹر ڈائر کو ایک سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ یہ وہی انگریز تھا جس نے جلیانوالہ باغ امرتسر میں گولی چلانے کا آرڈر دیا تھا اور لاتعداد نوجوانان وطن خاک و خون میں لوٹنے تھے۔

---

[1] دیکھئے کتاب ہذا صہ [2] قہر القادر صہ ۳۲ [3] روزنامہ حریت کراچی ۱۰ جولائی ۱۹۸۱ء

(نقل مطابق اصل ہے)

سپاسنامہ

بحضور نواب ہنر آنر سر مائیکل فرانسس جی. ڈائر سی. آئی. کے. سی. آئی. ایس گورنر پنجاب.

حضورِ والا! ہم خادم الفقراء سجادہ نشینان و علماء مع متعلقین شرکاء حاضر الوقت مغربی حصہ پنجاب نہایت ادب و عجز و انکسار سے یہ ایڈریس لے کر خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ حضورِ انور جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دلجوئی. ذرّہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے. ہم خاکسارانِ با وفا کے اظہارِ دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کُلاہِ فخر کو چار چاند لگا دیں گے.

پہلے ہم ایک بار پھر حضورِ والا کو مبارک باد کہتے ہیں. کہ جس عالمگیر اور خوفناک جنگ کا آغاز حضورِ والا کے عہدِ حکومت میں ہوا. اس نے حضور ہی کے زمانے میں بخیر و خوبی انجام پایا اور یہ بابرکت و باحشمت سلطنت جس پر پہلے بھی کبھی سُورج غروب نہیں ہوا تھا. اب آگے سے زیادہ روشن اور اعلیٰ عظمت کے ساتھ جنگ سے فارغ ہوئی. جیسا کہ شہنشاہ معظم نے اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا ہے. واقعی برطانوی تلوار اس وقت نیام میں داخل ہوئی جب دُنیا کی آزادی. امن و امان اور چھوٹی قوموں کی بہبودی مکمل طور پر حاصل ہو کر بالآخر سچائی کا بول بالا ہو گیا. حضور کا زمانہ ایک نہایت نازک زمانہ تھا اور پنجاب کی خوش قسمتی تھی. کہ اس کی عنانِ حکومت اس زمانہ میں حضور جیسے صاحبِ استقلال. بیدار مغز عالی دماغ حاکم کے ہاتھوں رہی. جس نے نہ صرف اندرُونی امن ہی

کو قائم رکھا۔ بلکہ حضور کی دانشمندانہ رہنمائی میں پنجاب نے اپنا ایثار، وفاداری اور جان نثاری کا وہ ثبوت دیا جس سے شمشیر سلطنت کا قابل فخر و عزت لقب پایا۔ بھرتی افواج، صلیب احمر کی اعجاز دست گیری۔ قیام امن کی تدبیر تعلیم کی ترقی سب حضور کی بدولت ہمیں حاصل ہوئیں۔ حضور ہی ہیں جنہوں نے ہر موقع پر ہر وقت پنجاب کی خدمت وحقوق پر زور دیا۔ صرف حضور والا ہی کو ہماری بہبودی مطلوب نہ تھی۔ بلکہ صلیب احمر نسواں کے نیک کام میں حضور کی ہمدم و ہمراز جنابہ لیڈی ڈائر صاحبہ نے جن کو ہم مروت کی زندہ تصویر سمجھتے ہیں، ہمارا ہاتھ بٹایا اور ہندوستانی مستورات پر احسان کر کے ثواب دارین حاصل کیا۔ ہماری ادب سے التجا ہے کہ ہمارا دلی شکریہ قبول فرمائیں۔

حضور انور! جس وقت ہم اپنی آزادیوں کو خیال کرتے ہیں۔ جو ہمیں سلطنت برطانیہ کے طفیل حاصل ہوئی ہیں۔ جب ان دُخانی جہازوں کو سطح ارض پر اٹھکیلیاں کرتے دیکھتے ہیں۔ جن کی طفیل ہمیں اس مہیب جنگ میں امن و امان حاصل رہا۔ جب ہم تار برقی کے کرشموں پر، علی گڑھ و اسلامیہ کالج لاہور، پشاور جیسے اسلامی کالجوں اور دیگر قومی درس گاہوں پر نظر ڈالتے ہیں اور پھر جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں۔ جس حکومت میں شیر و بکری ایک گھاٹ پر پانی پی رہے ہیں۔ تو پھر ہر طرف احسان ہی احسان دکھائی دے رہا ہے۔

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

باوجود فوجی قانون کے جو خود فتنہ پردازوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ مسلمانوں کے مذہبی احساس کا خیال رکھا گیا۔ شب برأت کے موقع پر انہیں خاص رعاتیں دیں، رمضان کے واسطے حالانکہ اہل اسلام کی درخواست یہ تھی کہ فوجی قانون ساڑھے گیارہ بجے شب سے دو بجے تک مسدود کیا جائے۔ لیکن سرکاری حکام نے یہ وقت بارہ بجے سے دو بجے کر دیا۔ مسجد شاہی جو فی الاصل قلعہ سے متعلق تھی۔ جو ابتدائی عملداری سرکار ہی میں واگذار

ہوئی تھی۔ اہالیانِ لاہور نے اس مقدس جگہ کو ناجائز سیاسی امور کے واسطے استعمال کیا جس پر متولیانِ مسجد نے جو خود مفسدہ پردازوں کو روک نہیں سکتے تھے۔ سرکار سے امداد چاہی یہی وجہ تھی کہ سرکار نے ایسا ناجائز استعمال بند کرا دیا۔ ہم تہہ دل سے مشکور ہیں۔ کہ حضور والا نے پھر اس کو واگذار کر دیا ہے۔ سرکار نے حج کے متعلق جو مہربانی کی ہے اس سے ہم ناآشنا نہیں اور مشکور ہیں۔ ہم سچ عرض کر رہے ہیں۔ کہ جو برکات ہمیں اس سلطنت کی بدولت حاصل ہوئیں۔ اگر ہمیں عمرِ خضر بھی نصیب ہو تو ہم ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کے لیئے سلطنتِ برطانیہ ابرِ رحمت کی طرح نازل ہوئی اور ہمیں ایک بزرگ نے جس نے پہلے زمانہ کی خانہ جنگیاں اور بدعنوانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں۔ اس سلطنت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

ہوئیں بدنظمیاں سب دُور انگریزی عمل آیا
بجا آیا، بہ استحقاق آیا۔ اور برمحل آیا

ہم وہ احسان کبھی نہیں بھول سکتے۔ جب ترکوں نے ہمارے مشورے کیخلاف کوتاہ اندیشی سے دشمنوں کی رفاقت اختیار کی۔ تو ہمارے شہنشاہ نے ازراہِ کرم ہم کو یقین دلایا کہ ہمارے مقدس مقامات کی حرمت میں سرِمو فرق نہیں آئے گا۔ اس الطافِ خسروانہ نے ہماری وفا میں نئی روح پھونک دی۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ (احسان کا بدلہ احسان کے سوا نہیں ہے)
ہم ان احسانوں کو کبھی نہیں بھول سکتے۔ اب اس جنگ کے خاتمے پر صلح کانفرنس سلطنت ترکیہ کی نسبت جلد فیصلہ ہونے والا ہے۔ ممکن ہے یہ فیصلہ مسلمانوں کی اُمیدوں کے برخلاف ہو۔ لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں۔ کہ اس فیصلہ میں سرکارِ برطانیہ اکیلی مختار کار نہیں۔ بلکہ بہت سی طاقتوں کا بھی اس میں ہاتھ ہے۔ شہنشاہِ معظم کے وزرا جو کوششیں ترکی کے حق میں کرتے رہے ہیں۔ ہم اس کے واسطے بہرحال مشکور ہیں۔ یہ اَمر مسلمہ

ہے کہ یہ جنگ مذہبی اغراض پر مبنی نہ تھی اور اپنے اپنے عمل کا اور نتائج کا ہر ایک ذمہ وار ہے۔

رموزِ مملکتِ خویش خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی، تو حافظا مخروش

مگر ہمیں پوری توقع ہے کہ ہماری گورنمنٹ اس بات کا خیال رکھے گی کہ مقامات مقدسہ کا اندرونی نظم و نسق مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں رہے اور ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ جب حضور وطن تشریف لے جائیں تو اس نامور تاجدار ہندوستان کو یقین دلائیں کہ چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو، ہماری وفاداری میں سرِ مو فرق نہ آیا اور نہ آسکتا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروان و مریدان فوجی وغیرہ جن پر سرکارِ برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جاں نثار رہیں گے۔

ہمیں نہایت رنج و افسوس ہے کہ ناتجربہ کار نوجوان امیر امان اللہ خاں والئی کابل نے کسی غلط مشورے سے عہدناموں کے اور اپنے باپ دادا کے طرزِ عمل کی خلاف ورزی کرکے خدا تعالیٰ کے صریح حکم واوفوا بالعھد انّ العھد کان عنہ مسئولا۔ (یعنی وعدے کا ایفا کرو۔ ضرور وعدے کے متعلق پوچھا جائے گا) کی نافرمانی کی۔ ہم جناب والا کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم امیر امان اللہ خان کے اس طرزِ عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اہالیانِ پنجاب احمد شاہ کے حملوں اور نادر شاہی قتل و غارت گری کو بھول نہیں سکتے۔ ہم اس اعلان کی جس میں اس نے سراسر خلافِ واقعہ لکھا ہے۔ کہ اس سلطنت کی مذہبی آزادی میں خدانخواستہ رکاوٹ واقع ہوئی تردید کرتے ہیں۔ امیر امان اللہ خاں سرکارِ انگلینڈ کی بدولت بنا اور اس کی احسان فراموشی کفرانِ نعمت سے کم نہیں۔ ہم کو ان کوتاہ اندیش دشمنانِ ملک پر بھی سخت افسوس ہے کہ جن کی سازش سے تمام ملک میں بدامنی پھیلی ہے اور جنہوں نے اپنی حرکاتِ ناشائستہ سے پنجاب

کے نیک نام پر دھبہ لگایا ہے۔ مقابلہ آخر مقابلہ ہی ہے اور کبھی خموش نہیں رہ سکتا۔ یہ حضور والا ہی کا زبردست ہاتھ تھا جس نے بے چینی و بدامنی کا اپنے حسنِ تدبر سے فی الفور قلع قمع کر دیا۔ ان بدبختوں سے از راہِ بدبختی فاش غلطیاں ہوئیں۔ لیکن حضور ابرِ رحمت ہیں اور ابرِ رحمت زرخیز اور شور زمین دونوں پر یکساں برستا ہے۔

ہم حضور کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ اور جاہلانہ حرکات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ کیوں کہ ہمارے قرآن میں یہی تلقین ہے۔

لا تفسدوا فی الارض۔ انّ اللہ لا یحب المفسدین ۰

یعنی دنیا میں فساد اور بدامنی مت پیدا کرو اور یعنی بے شک خدا فساد کرنے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

حضورِ انور! اگرچہ آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے۔

غم سے کہیے کیوں نہ سردار ہمارا   لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سر ایڈورڈ میکلیگن بالقابہم جن کے نامِ نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جن کا حسنِ اخلاق رعایا نوازی میں شہرۂ آفاق ہے۔ جو ہمارے لیئے حضور کے پورے نعم البدل ہیں۔ ہم اُن کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔ کہ ہم حسبِ سابق اپنی عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔ حضور اب وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں۔ ہم دعا گویاں جناب باری میں دُعا کرتے ہیں۔ کہ حضور معہ لیڈی صاحبہ و جمیع متعلقین مع الخیر اپنے پیارے وطن پہنچیں۔ تا دیر سلامت رہیں۔ اور وہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اتار دیں۔

ع   ایں دُعا از ما و از جملہ جہاں آمین باد   المستدعیان

کن کن بزرگوں نے اس تاریخی دستاویز پر دستخط کیئے، سب اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ ہم نے اُن کے احترام کے پیشِ نظر ان کے نام یہاں نہیں دیئے۔ اللہ تعالےٰ سب کو معاف فرمائے۔

خیانات

اختلافات پیدا کرنے کا بریلوی زینہ

مولانا احمد رضا خان کی دیانت کی دلسوز داستان

از خامہ

ڈاکٹر علامہ خالد محمود ایم اے، پی ایچ ڈی

ڈائرکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

مت پوچھ کہ میں کتنی بُلندی سے گِرا ہوں
دے مجھ کو دِلاسا کہ اب میں ٹُوٹ چُکا ہوں
الفاظ کا مفہوم بدل جائے جہاں پہ
اِس صورتحال سے مَیں دوچار ہُوا ہوں

زما بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغام خدا دادند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبریلؑ و مصطفیؐ را

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نام بگاڑنے اور بات کا رُخ بدلنے میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ اس مہارت سے جب دُوسروں کی بات کے رُخ بدلے جائیں تو علمی دُنیا اسے خیانت سے تعبیر کرتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے اس ذوق کی وجہ سے معاصر علمار کی عزت اور بات سے برملا کھیلتے تھے اور یہ ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔ جس بات کو بدلنا چاہیں اسے کھینچ کھینچ کر اس مفہوم پر لے آنا کہ اسے کفر کہنے سے چارہ نہ رہے ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس میں وہ ایک عجیب حظ محسوس کرتے۔ اپنی اس محنت اور کھینچا تانی سے آپ تکفیر کی گھاٹی پر اس طرح آنکلتے کہ محسوس ہونے لگتا کہ واقعی آپ کفرستان سے بول رہے ہیں جہاں چاروں طرف کفر ہی کفر کے کانٹے لگے ہوں۔ جو ہی کوئی چیز ان سے لگی اس میں کفر کی کوئی نہ کوئی آلائش ضرور آکے رہے گی۔

کفرٌ دون کفر کے بالمقابل کفر فوق کفر کی کوشش

حضرت امام بخاریؒ نے تو ان احادیث پر جن میں بعض اعمال کفر کا بیان تھا باب کفرٌ دون کفر باندھ کر کفر کے وزن کو کم کرنے کی کوشش کی تھی اور بتایا تھا کہ بعض ایسے اعمال کفر بھی ہیں کہ ان کا کرنے والا کافر نہیں ہوتا نہ وہ ملت سے خارج ہوتا ہے ان پر بھی شریعت میں صریح طور پر کفر کا لفظ وارد ہوا ہے سو ضروری نہیں کہ اسے حقیقی کفر کے معنی میں ہی لیا جائے۔ باب کفر دون کفر اس کی ایک بہت اچھی تعبیر تھی مگر چودھویں صدی میں مولانا احمد رضا خاں نے بساط تاریخ الٹ دی۔ امام بخاریؒ کے باب کفرٌ دون کفر کے بالمقابل کفر فوق کفر کا باب باندھا اور اس رسی کو اتنا طول دیا کہ اس کا ایک کنارا علمائے

حرمین[1] کے ہاتھ میں دے کر ہندوستان چلے آئے اور حسام الحرمین کے نام سے ایسی تلوار چلائی کہ شاید ہی کوئی ہو جو اس تیغ تکفیر سے گھائل نہ ہوا ہو[2]۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے ذوقِ تکفیر میں کھو کر یوں تسکین پاتے ہیں:

منکفر فوق کفرٍ فوق کفرٍ کان الکفر من کثر و فر

کماء اسن فی منتن د فر تتابع قطرۃ من ثقب کفر[3]

اس ذوقِ تسکین کے لیے آپ نے جہان خدا اور اس کے رسول برحق پر بہتان باندھے۔ اہل سنت والجماعت کی شہرہ آفاق دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابرؒ پر بھی بہت نشانے بٹھائے۔ آپ کی دیانت و امانت کی یہ تفصیل آپکی بعض انہی چیرہ دستیوں کی نشان دہی ہے۔

بات کے اچھے معنیٰ مراد لینے کا حکم

تاریخ بتاتی ہے کہ علماء اسلام نے تکفیر میں بہت احتیاط فرمائی جہاں بھی کوئی ایسی بات سامنے آئی جس کے کئی معنی یا محمل ہو سکتے تھے انہوں نے اسے بہترین معنی پر محمول کیا اور کھینچا تانی سے کبھی اسے برے معنی نہ پہنائے۔ قرآن کریم اس نیک طبقے کے حق میں شہادت دیتا ہے۔

فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه[4]

ترجمہ:- سو آپ میرے بندوں میں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس (پہلو) پر جو سب سے اچھا دکھائی دے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ بات کا وہی معنی لو جو ہدایت کے پہلو سے مطابقت رکھے۔

---

[2] گھائل تیری نظر کا بنوع دگر ہر ایک زخمی کچھ ایک بندہ درگاہ ہی نہیں

[1] آپ نے اس مذموم کوشش میں علمائے حرمین کو اس لیے استعمال کیا کہ وہ اردو زبان سے ناواقف تھے۔ مترجمین کے ذریعہ انہیں مغالطہ دیا جا سکتا تھا چنانچہ آپ نے اس طرح علمائے دیوبندؒ کی بعض اردو عبارت پر حکم کفر حاصل کیا بعد میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ نے علمائے حرمین کو صورتحال سے آگاہ کیا تو ان حضرات نے حسام الحرمین کے الزامات کی سخت تردید فرمائی اور علمائے دیوبندؒ کے حق میں فتوے اور دستخط فرمائے۔ حضرت محدث سہارنپوریؒ کی اس تحریر کا نام المہند علی المفند ہے جو بارہا چھپ چکی ہے۔ [3] حدائق بخشش حصہ سوم ص۸۹ [4] پ ۲۳ سورہ الزمر ۲۲

فظنوا به الذی هو اهیاء والذی هو اهدی والذی هو اتقی[1]

ترجمہ:۔ سو گمان کرو جو زیادہ مناسب ہو۔ زیادہ ہدایت کے قریب ہو۔ اور زیادہ خوف خدا پر مبنی ہو۔

کوئی شخص اپنی بات کی کوئی اچھی توجیہہ اختیار کرے اور بُرے احتمال کی واشگاف الفاظ میں تردید کرے تو اس کے عذر کو قبول نہ کرنا اور خواہ مخواہ اس پر کفر کے معنی چسپاں کرنا اچھے اور شریف لوگوں کا کام نہیں۔

مراد متکلم کا اعتبار

جو شخص کوئی بات کرے تو اس سے مراد وہی لی جانی چاہیئے جو وہ خود بیان کرے وہی بتا سکتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اختلاف معنی کی صورت میں اعتبار مراد متکلم کا ہی ہو گا وہی بتائے گا کہ اس کلام سے اس کی مراد کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک انصاری صحابی کا مکان مدینہ شریف کی آخری سرحد پر تھا انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ ان کی کوئی نماز جماعت سے نہ رہتی تھی اس التزام سے مسجد میں حاضری ایک بڑی مشقت تھی۔ انہیں مشورہ دیا گیا کہ وُہ کوئی سواری خرید لیں جو انہیں اس تپش میں چلنے سے بچائے یا مسجد نبوی کے قریب گھر لے لیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ کہا:۔

اما واللہ ما احب ان بیتی مطنب ببیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:۔ بخدا میں پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے قریب ہو یا اس سے جڑا ہو۔

ان لفظوں کی ثقالت کسی سے مخفی نہیں۔ کون سا مسلمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نہ چاہیے اور کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح دُوری کا خواہاں ہو مگر صحابہ کی پاکیزہ سیرت پر نگاہ کیجئے۔ حضرت ابی بن کعب نے ان پر کوئی فتوےٰ نہیں لگایا نہ ثقل الفاظ کا کوئی

---

[1] سنن دارمی جلد ا ص ۱۴۵

شکوہ کیا بلکہ سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے آئے اور جو کچھ سُنا تھا حضور کی خدمت میں عرض کر دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کو بلایا۔ اس نے پھر وہی بات کہی اور کہا کہ وہ اس طرح چل کر آنے میں نماز باجماعت کے زیادہ اجر کی امید کیے ہوئے تھا یعنی اس کی غرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دُوری نہیں دُور سے چل کر آنے میں نماز باجماعت کا زیادہ اجر پانا مقصود تھا ــــــ الفاظ گو ثقیل تھے مگر مراد متکلم کچھ اور تھی۔ حضورؐ نے بھی اس کے لفظوں پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اس کی نیت پوچھی اور فیصلہ دیا کہ مراد متکلم کا اعتبار کیا جانا چاہیئے۔ حضرت ابی بن کعب کہتے ہیں ــــــ فحملتُ بہ حملاً حتی اتیت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرتُہ قال فدعاہ فقال لہ مثل ذلک و ذکر لہ انہ یرجو فی اثرہ الاجر فقال لہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ان لک ما احتسبت[1]

ترجمہ:۔ اس (انصاری کی) بات سے مجھے بوجھ[2] محسوس ہوا یہاں تک کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اس صورت واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے اسے بلایا اس نے پھر وہی بات کہی اور کہا کہ وُہ دُور سے چل کر آنے میں نماز باجماعت کے زیادہ اجر کی امید باندھے تھا اس پر حضورؐ نے اسے کہا کہ تجھے اس پر واقعی وہ اجر ملے گا جو تو نے گمان کیا ہے۔

دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تیرے الفاظ سے تو کچھ اور معنی بھی نکلتے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ابی بن کعب نے ان الفاظ کا اچھا اثر نہیں لیا تھا بلکہ علمی دُنیا کے اس مسلّم قاعدے کی واشگاف لفظوں میں تائید فرمائی کہ ہر بات میں مراد متکلم کا ہی اعتبار ہونا چاہیئے۔ تصنیف را مصنف نیکو کنند بیان کا قاعدہ اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ یہ اسوۂ رسالت ہے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے خلاف مراد متکلم دوسروں کی بات میں اپنے معنی داخل کرنے اور اس راہ سے ان پر کفر کے فتوے لگانا علماء حق کا کام نہیں علماء سو کا مشغلہ ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۵ [2] امام نووی ان لفظوں کی سختی کے بارے میں لکھتے ہیں "عظم علی وثقل و استعظمت بشاعۃ لفظہ وھمنی ذلک" یعنی ان لفظوں نے مجھے ایک بڑی فکر میں ڈال دیا۔

علمائے حق اُمت کو جوڑتے ہیں توڑتے نہیں اختلاف کے موقع پر تطبیق کی راہیں تلاش کرتے ہیں سو پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور ایک معنی اسلام کا بیان کیا جائے تو اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے کہ تم ایک مسلمان کے بارے میں نیک گمان کرو اور اسلامی معنی پر چلو اور سمجھو کہ کہنے والے کی مراد یہی معنی ہیں جو اسلام کے مطابق ہیں۔ محقق ابن نجیمؒ (۹۶۹ھ) لکھتے ہیں:

وفی الخلاصة وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ..... ولا یفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن او کان فی کفرہ اختلاف ولو بروایة ضعیفة [1]

ترجمہ:۔ خلاصہ اور دوسری کتابوں میں ہے جب کسی مسئلہ میں کئی پہلو (احتمال) ایسے ہوں جن سے کفر لازم آتا ہو اور ایک ایسا پہلو نکلتا ہو جو تکفیر کو روکتا ہو تو مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہوئے اس پہلو کی طرف آئے جو حکم تکفیر روکتا ہو اور جب تک اس کے کلام کو کسی اچھے معنی پر لانا ممکن ہو یا اس بات کے کفر ہونے میں اختلاف ہو (گو کمزور روایت سے) تو مسلمان کی تکفیر ہرگز نہ کی جائے۔ سیدنا ملا علی قاری لکھتے ہیں

ان المسئلة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولیٰ للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی [2]

ترجمہ:۔ جو مسئلہ کفر سے متعلق ہو رہا ہو، اگر اس میں ننانوے احتمال کفری معنوں کے ہوں اور ایک احتمال اس کی نفی کر رہا ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اس احتمال کا اعتبار کریں جو کفر کی نفی کرتا ہو۔

علماء حق نے انہی اصولوں کی روشنی میں تکفیر مسلم میں بہت احتیاط فرمائی ہے۔ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے جب علماء دیوبند کو کافر کہا تو علماء دیوبند نے خان صاحب کو جواباً کافر نہ کہا

---

[1] البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴، ۱۲۵ [2] مرقات شرح فقہ اکبر ص ۱۹۸

جب ان سے کہا گیا کہ آپ انہیں کافر کیوں نہیں کہتے تو انہوں نے کہا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے الزامات میں ہم پر جھوٹ باندھا ہے۔ جھوٹ اور بہتان باندھنا گناہ اور فسق تو ہے لیکن کفر نہیں لہٰذا ہم اس مفتری کو کافر نہیں کہتے۔

علماء سوء کا کردار

علماء سوء لوگوں کے سامنے اسلام کے نام پر نہیں فرقے کے نام پر آتے ہیں۔ قرآن کریم نے تعلیم دی تھی کہ "فرقے فرقے نہ ہو جانا" لیکن علماء سوء کا فتنہ شروع ہی فرقے کے نام سے ہوتا ہے اور فرقہ بندی پر ہی ان کے دین کی ساری دوڑ ختم ہو جاتی ہے وہ دوسروں کی جب کوئی بات سنتے ہیں تو اس کے برے سے برے معنی کی تلاش کرتے ہیں وہ معنی اس پر لازم بتلائیں گے پھر کفر کا فتوے بڑی دلیری سے لگائیں گے اور پھر یہ بات چلے گی کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں کیوں کے ان کے عقائد ہم سے مختلف ہیں۔

علماء سوء کی خود حضور اکرمؐ نے خبر دی ہے

ان شر الشر شرار العلماء وان خیر الخیر خیار العلماء [1]

بدترین لوگ علماء ہیں اور بہترین لوگ بھی علماء ہیں۔ بہترین لوگ علماء حق ہیں اور بدترین لوگ علماء سوء ہیں آپؐ نے یہ بھی فرمایا

علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنة وفیھم تعود [2]

آسمان کے نیچے ان علماء سوء سے بدتر کوئی مخلوق نہیں انہی سے فتنے اُٹھیں گے اور انہی کی طرف لوٹیں گے۔

زیاد بن حدیر کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا تم جانتے ہو کونسی چیز اسلام کو گراتی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا —— عالم کی لغزش —— منافق لوگوں کا کتاب

---

[1] رواہ الدارمی [2] رواہ البیہقی

لیے جھگڑا کرتے پھرنا ——— اور جاہل چودھریوں کے فیصلے[1]

حقیقت کی پہچان

حق اپنے پاؤں پر چلتا ہے اور باطل کو چلنے کے لیے پاؤں لگانے پڑتے ہیں۔ اسلام اور کفر اپنی اپنی جگہ دو حقیقتیں ہیں اور ان کے کنارے کبھی اور کہیں نہیں ملتے۔ عقائد میں ظنی اور اندازے کی باتوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ کوئی بات جب تک اپنے معنی اور مفہوم میں اتنی قطعی اور واضح نہ ہو کہ اس میں کوئی دوسری رائے نہ ہو سکے اسے کسی کا عقیدہ نہیں کہا جا سکتا اور اگر اس میں کوئی دوسری رائے بھی مراد لی جا سکے تو وہ عبارت یا بات اپنے ایک معنی میں قطعی نہ رہے گی۔ کفر و اسلام کی حد بندی میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقہاء اسلام لکھتے ہیں کہ اگر ایک بات میں سو معنی نکلتے ہوں۔ ننانوے معنی کفر کی دلالتیں ہوں اور ایک ایسا معنی ہو جو کفر سے بچا سکے تو مفتی پر لازم ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان کے بارے میں اچھا نیک گمان کرے اور سمجھے کہ اس کی مراد اسلامی معنی ہی ہوں گے کسی کو اسلام سے نکالنے کے لیے ایسے قطعی دلائل کی ضرورت ہے جس میں کسی اور تشریح کا احتمال نہ ہو اور جس ملزم پر حکم لگایا جا رہا ہے وہ یہ نہ کہے کہ میری مراد یہ نہ تھی۔

کفر اور اسلام کے فاصلے قطعی ہیں ان کے الفاظ کی دلالتیں اپنے معنی پر ایسی قطعی ہونی چاہئیں کہ اس میں کسی اور معنی اور مطلب کی گنجائش نہ رہے۔ ان کے لیے صرف الزام کافی نہیں التزام کی بھی ضرورت ہے کہ ملزم ان معنی کا اقرار کر رہا ہو جو اس کے ذمے لگائے جا رہے ہیں اور ان سے اس کا عقیدہ ثابت کیا جا رہا ہے۔ عقائد کے لیے صرف رائے اور خیال کافی نہیں یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف معنی کے پیچیدہ الفاظ سے کسی پر غلط عقائد کا الزام کفر و اسلام کے فاصلے ثابت کرنے کے لیے ہرگز کافی نہیں۔ عقائد یقینیات کے بغیر ثابت نہیں ہوتے۔ البتہ جہالت کے لیے کوئی ضابطہ نہیں۔ علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۹۱ھ) شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] رواہ الدارمی

لا عبرة بالظن فی باب الاعتقادیات خصوصاً اذا اشتمل علی اختلاف روایة [1]

ترجمہ:- جو باتیں اعتقاد سے تعلق رکھتی ہیں ان میں گمان اور اندازے کا اعتبار نہیں خاص طور پر جبکہ یہ بات کسی اختلاف روایت پر مشتمل ہو۔ اس صورت میں اندازے کا بالکل اعتبار نہ ہوگا

سیدنا ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری بھی لکھتے ہیں :-

لا یخفی ان المعتبر فی العقائد ھو الادلۃ الیقینیۃ [2]

ترجمہ:- یہ بات کسی صاحب علم پر مخفی نہیں کہ عقائد کے اثبات کے لیے دلائل یقینیہ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی اندازے سے کسی کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

متشابہات پر بنیاد نہیں

قرآن کریم نے اہل باطل کی یہ پہچان بتلائی ہے کہ وہ متشابہات سے نتائج اخذ کرتے ہیں اور ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اس سے ان کی غرض فتنے پیدا کرنا اور معنے بگاڑنا ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ [3]

ترجمہ:- اور جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہوتا ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں فتنے اور تاویل کی تلاش میں

جب قرآنِ پاک کی متشابہات بھی عقائد کی بنیاد نہیں بن سکتیں تو کسی انسان کی پیچیدہ اور متشابہ بات کو اس کا عقیدہ ٹھہرا کر کفر و اسلام کے خطوط کیسے کھینچے جا سکتے ہیں

مگر افسوس کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان تمام علمی اور اخلاقی ضابطوں کی حدود اس بیدردی سے توڑیں کہ انہی وہمات پر امت کے دو ٹکڑے ہو گئے اور جس نے بھی حقیقتِ حال پر غور کیا اسے بات برعکس نظر آئی۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی امانت و دیانت کی ایک کھلی تصویر ہے۔

---

[1] شرح عقائد نسفی صنہ مطبوعہ ترکی [2] شرح فقہ اکبر ص۱۲۲ مطبوعہ کانپور [3] پ ۳ آل عمران ع ۱

مولانا احمد رضا خاں کا ذوق تحریف

آپ کے بات بگاڑنے کے عجیب ذوق کا پتہ آپ کی ان حرکتوں سے ملتا ہے جہاں وہ الفاظ مسخ کر کے انہیں ایک معنیٰ سے دوسرے معنیٰ کی طرف لے جاتے تھے۔ ایک بات کو دوسرے جلوہ میں لاتے تھے اور پھر اس پر مواخذہ کرتے تھے۔ یہ ان کا دن رات کا مشغلہ تھا۔

مولانا خرم علی بلہوری مرحوم نے نصیحۃ المسلمین کے نام سے کتاب لکھی۔ آپ نے اس کے نون کا نقطہ صاد پر لگا کر اسے ضاد بنا دیا اور لام کو فاء سے بدل دیا۔ اب کتاب کا نام فضیحت المسلمین (مسلمانوں کی رسوائی) رہ گیا۔

مولانا خرم علی مرحوم کی میم علی پر چڑھا دی تاکہ مولانا مرحوم کو خر (گدھا) کہنے میں انہیں وقت نہ ہو اور اگلا لفظ معلّٰے بنا دیا۔ میم جب علی پر آ گئی اور اسے خر (گدھا) کی صفت قرار دے دیا تو اس سے مراد وہ گدھا لیا جس پر کوئی دوسرا چڑھے اور سواری کرے۔ علماء سے اس انداز میں استہزاء کرنا مولانا احمد رضا خاں کا عجیب ذوق تھا۔ آپ کے معتقد شاہ مانا یہاں لکھتے ہیں۔

آپ نے کتاب کے نام کو نصیحۃ المسلمین کی بجائے فضیحۃ المسلمین بنا دیا اور مصنّف کا نام اس طرح بنا دیا کہ پڑھنے والے ہنسی سے لوٹ گئے۔ مولوی خرِ مُعَلّیٰ بلہوری [1]

مولانا احمد رضا خاں کے معتقد بجائے اس کے کہ مولانا کو ان بچوں جیسی حرکتوں سے روکیں۔ ان پر ہنستے اور لوٹتے تھے۔ یہ سب چھوٹے حضرت بنتے اور مولانا بڑے حضرت۔ ایک عجیب ذوق تھا جو بریلوی حلقوں میں پرورش پا رہا تھا۔ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان کو ایک نقطہ کم کرکے تفویۃ الایمان بنا دیا [2] اور جس کی کتاب کو ایمان فوت کرنے والا بنایا۔ اس کے حق میں آپ نے یہ فتوےٰ دیا

علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے۔ وھو الجواب وبہ یُفتیٰ [3]

ایمان فوت ہو جانے کے بعد بھی اگر کفر نہ آئے تو یہ کونسا مرتبہ ہوگا؟ اہل سنت کے ہاں

---

[1] سوانح اعلیٰ حضرت بریلوی صہ ۱۰۶ [2] ایضاً صہ ۱۰۶ [3] تمہید ایمان صہ ۴۲

مرتبے دو ہی ہیں انسان مومن ہوگا یا کافر تیسرا کوئی رُتبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

هو الذی خلقکم فمنکم کافرٌ و منکم مومنٌ ؎۱

ایمان اور کفر کے مابین واسطہ

اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف معتزلہ کفر اور ایمان میں ایک واسطہ کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ ایک مرتبہ ایسا بھی ہے کہ ایمان تو فوت ہو جائے لیکن کفر بھی نہ آئے۔ اُن کے ہاں انسان اس مرتبہ میں اس طرح سمجھا جاتا تھا کہ ایمان تو جاتا رہا لیکن علماء اسے کافر پھر بھی نہ کہیں۔ مولانا احمد رضا خاں تقویۃ الایمان کا نام بگاڑ کر اور مولانا شہید مرحوم پر عدم تکفیر کا فتوےٰ دے کر خود معتزلہ کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ اگر وہ بچوں کی طرح نام بگاڑنے کا ذوق نہ رکھتے تو بہت ممکن ہے انہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ خود اہل السنۃ کے دائرہ حق سے ہی نکل جائیں

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے ایک رسالہ حفظ الایمان لکھا تھا۔ اس کے بارے میں ماما میاں لکھتے ہیں:۔

آپ نے کتاب کا نام کچھ اس طرح بگاڑ دیا کہ خبط الایمان معلوم ہوتا تھا ؎۲

مولانا احمد رضا خاں کا یہ ذوق تحریف اگر کتابوں کے ناموں یا علماء کے ناموں تک محدود رہتا تو ممکن ہے انہیں لطیفے شمار کر کے نظر انداز کر دیا جاتا لیکن یہ بات نہایت لائق افسوس ہے کہ مولانا نے علمائے اُمت کی ایک پوری جماعت کی کتابوں میں اپنے اس ذوق تحریف کی مشق کی اور اس میں آپ اتنے آگے بڑھتے گئے کہ پوری اُمت کو دو حصوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔ آپ کے ایک معتقد مولانا قاری احمد پیلی بھیتی لکھتے ہیں۔

۱۲۹۷ھ میں مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے قلم اٹھایا۔ کثرت سے کتابیں لکھیں فتوے صادر کئے۔ حرمین شریفین کے سفر میں مشاہیر علمائے حرمین سے علماء دیوبند کی تحریروں کے خلاف تصدیقات حاصل کیں جن کو حسام الحرمین

۱؎ پ۲۸ التغابن ۲؎ سوانح اعلیٰ حضرت ص۹۰

کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب پچاس سال مسلسل اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہو گئے۔ بریلوی اور دیوبندی دونوں جماعتوں کے علماء اور عوام کے درمیان تخالف و تصادم کا یہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے [1]

امانت و دیانت کی بحث

خیانات مولانا احمد رضا خاں کے اسی ذوقِ تحریف کی ایک دلسوز داستان ہے اس میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مولانا نے ہندوستان میں کس لفظی ہیر پھیر سے اُمتِ مسلمہ کو دو ٹکڑے کر ڈالا وہاں یہ بات بھی روز روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کا دامن دیانت و امانت سے یکسر خالی تھا۔ ایسے علماء کا وجود یقیناً علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ فلیبک علی الاسلام من کان باکیاً وما نقول الا بما وصف به الصابرون انا للہ وانا الیہ راجعون

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے پانچ علماء حق حضرت مولانا اسمٰعیل شہید ۲۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۳۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ۴ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری ۵۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کس طرح دو دو ہاتھ کئے اور ان کی علمی عبارات کو اپنے الفاظ اور معنی میں اتار کر کس کس طرح اپنے ذوق تحریف کی آبیاری کی۔ مولانا احمد رضا خاں کی ان تحریفات میں کوئی وزن نہ تھا کہ ان کی تردید کی جاتی لیکن محض اس لیے کہ مولانا کے ان پڑھ پیرو اور جاہل مقتدی مولانا کے اس فتوے کفر پر دن رات مشق کر کے مولانا کی روح کو برابر ایصالِ ثواب کر رہے ہیں کوشش کی کہ اس فتنہ کو اور آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ پر یہ لوگ زیادہ مشق کرتے ہیں اس لیے ان کے بارے میں ان لوگوں کی خیانت پر چار شہادتیں پیش کی گئی ہیں اور باقی حضرات علماء کرام کے بارے میں مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرؤوں کی خیانت پر صرف دو دو شہادتیں لی گئی ہیں۔ امید قوی ہے

[1] علماء عرب سے فتوے لینے میں یہ حکمت تھی کہ وہ اُردو نہ جانتے تھے اور انہیں اردو عبارات پر آسانی سے مغالطہ دیا جا سکتا تھا۔

کہ ہمارے قارئین اس نصابِ شہادت پر قناعت محسوس فرمائیں گے۔

بریلوی عوام اگر ان خیانات کو سمجھ لیں اور علماءِ حق کی عبارات میں تحریف سے باز آجائیں تو بہت امید کی جا سکتی ہے کہ آخرت میں مولانا احمد رضا خاں پر ان خیانات کا بوجھ کم ہو جائے لیکن ہم اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب تک لوگ مولانا کی اس غلط لکیر کو پیٹتے رہیں گے اور ان کی پیروی میں یہ تحریف اور اس کے بل بوتے امت کی تکفیر کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ مولانا احمد رضا خاں کے گناہوں میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا اور مولانا آخرت کے اس بوجھ سے شاید ہی کبھی نکل سکیں۔ مولانا کے تمام خیر خواہوں کی خدمت میں مخلصانہ گذارش ہے کہ اس سلسلہ تحریف اور فتوائے تکفیر کو یکسر بند کر کے مولانا کے لیے آخرت میں سامانِ راحت بنیں۔

تہمت بر حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

مرشدانِ باکمال اصلاحی ارشادات اور ذکر و توجہ سے مریدین کا باطنی تزکیہ کرتے ہیں جو مرید تزکیہ باطنی کی دولت پالیں وہ اپنے رُوحانی سفر کی منزل کو پہنچ جاتے ہیں۔ تزکیہ کی اس محنت میں شیخ اپنے مریدین کے باطنی امراض کا علاج کبھی ازالہ سے کرتے ہیں اور کبھی مرض کا پہلے امالہ کر کے اسے بڑے نقصان سے چھوٹے نقصان میں لے آتے ہیں اور پھر مزید توجہ اور محنت سے مرید کو اس چھوٹے نقصان سے بھی پار کر دیا جاتا ہے۔ امالہ کی دو مثالیں پیش خدمت ہیں۔

مثال اول :- ایک شخص سفر میں ہے۔ شیطان نے اس کے دل میں کسی غیر محرم یا کسی فاحشہ عورت کا وسوسہ ڈالا اور وُہ اس کے تصوّرِ صحبت میں ڈوب کر نفسانی لذت حاصل کرنے لگا۔ اس مرض کا مریض کسی رُوحانی حلقے سے وابستہ اور اصلاح کا طالب تھا۔ مُرشد نے پہلے اس کے مرض کا امالہ غیر عورت کے تصوّرِ صحبت سے بیوی کے تصوّرِ صحبت کی طرف کرا دیا اور پھر ذکر و ارشاد سے اسے اس سے بھی صحیح سلامت پار لے گیا۔ اس مقام پر اس کا پہلا سبق یہ تھا کہ غیر عورت کے تصوّرِ صحبت سے اپنی بیوی کے تصوّرِ صحبت کا خیال بہتر ہے۔ پہلی صورت حرام ہے اور دُوسری عبث۔ مُرشدانِ باصفا اور مشائخ طریقت اپنے مریدوں کی تدریجاً اصلاح کرتے ہیں۔ اُنہیں پہلے بڑے خطرے سے نکال کر چھوٹے خطرے میں لے آتے ہیں اور پھر اس چھوٹے خطرے کے ازالہ کی تدبیر فرماتے ہیں۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلویؒ کے خلیفہ ارشد حضرت سید احمد بریلویؒ فرماتے ہیں۔ "زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے"[1] اس تدبیر اور علاج میں ظاہر ہے کہ کوئی بُرائی نہیں۔

مثال ثانی :- شرک اور فسق و فجور دونوں گناہ ہیں مگر شرک بڑا گناہ ہے۔ شرک سے ایمان

---

[1] صراطِ مستقیم ص ۹۷ اردو۔ پیش نظر رہے کہ اس باب میں زنا پر مجامعت کو ترجیح دی گئی ہے۔ حضور کا خیال آنا یہاں قطعاً مذکور نہیں۔

چلا جاتا ہے اور جنت حرام ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ومن یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماٰوٰہ النار[1] فسق سے ایمان کی برکت اُٹھ جاتی ہے زندگی میں ظلمت آجاتی ہے اور دینی امور میں بے توجہی اور بے پروائی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ شرک سے کم درجے کی آفت ہے۔ بڑے مرض سے نکال کر چھوٹے میں لانا اس کا امالہ ہے اور پھر ذکر و توجہ سے اس چھوٹے مرض کو چھڑانا اس کا ازالہ ہے اور ان دونوں میں تدریج ہے جس کے کچھ مرحلے ہیں شیخ کامل کو اندازہ ہوتا ہے کہ مرید کے لئے کونسی تدبیر اور کونسا عمل بہتر رہے گا۔

نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال کرنا جیسے کوئی دکاندار نماز میں بھی اپنی دکان کا حساب کرتا رہے اس کے سبب وُہ عبادت کے نُور سے محرُوم رہتا ہے لیکن یہ شرک نہیں اور اگر خود کسی دنیوی بات کا خیال نہ کرے، خیالات از خود آجائیں تو یہ اس سے بھی کم درجے کی آفت ہو گی تاہم یہ نماز وہ نہیں جو مومن کی معراج ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہمت پھیر کر اپنے پیر و مُرشد کی طرف توجہ باندھ لے تو اس صرفِ ہمت سے وُہ شرک کی دلدل میں جا گرے گا کیونکہ نماز خالصۃً اللہ کی عبادت تھی نماز میں خُدا سے ہمت پھیر کر کسی اور کی طرف ہمت لے جانا عبادت کو اس دوسرے سے متعلق کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ پس نماز میں پیر و مرشد یا کسی ولی کی طرف ہمت کو پھیرنا شرک ہے۔ وہ مرید اگر نماز کے باہر اپنے پیر و مرشد کی طرف ہمت پھیرتا ہے اور توجہ کرتا ہے تو ممکن ہے اسے شاذلی طریق پر کچھ رعایت مل جائے لیکن نماز میں اللہ سے اپنی توجہ ہٹا کر اسے اپنے پیر و مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر لگا دینا عبادت کے مقام توحید کی سب سے بڑی آفت ہے۔ مومن کی نماز اس طرح ہونی چاہیے کہ پوری نماز میں اس کی توجہ صرف خُدا کی طرف رہے۔ پیغمبر کی طرف بھی دھیان ہو تو اللہ کے دربار میں ہو۔ اللہ سے صرفِ ہمت کر کے نہ ہو خُدا سے کسی صورت میں دھیان نہ پھیرا جائے اور کسی اور کی نیت باندھی جائے۔

---

[1] پ ۶ ع ۱۴

نماز میں توجہ بدلنے کی ممانعت

جب نماز میں ظاہری آنکھ کا کسی طرف پھیرنا (یعنی اِدھر اُدھر دیکھنا) ہلاکت ہے تو باطنی توجہ (یعنی دل کا دھیان) کسی دُوسری طرف جمالینا کتنی بڑی ہلاکت ہو گی۔ حضرت ابوذر غفاری رح فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لا یزال اللہ عزوجل مقبلا علی العبد وھو فی صلوۃ مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ [1]

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ بندے پر جب وہ نماز میں ہو برابر متوجہ رہتے ہیں جب تک وہ کسی اور طرف التفات نہ کرے۔ جونہی اس نے کسی اور طرف نظر کی اللہ تعالےٰ بھی اس سے توجہ ہٹا لیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضؓ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

یا بنی ایاک والالتفات فی الصلوۃ فان الالتفات فی الصلوۃ ھلکۃ ..... الحدیث [2]

(ترجمہ) پیارے بیٹا! نماز میں کسی اور طرف التفات کرنے سے بچنا کیونکہ نماز میں کسی اور طرف دھیان کرنا نماز کی بربادی ہے۔

یہ ظاہری نظر کا پھیرنا ہے جسے ہلاکت فرمایا۔ نماز میں اس سے کلیۃً بچنا ضروری ہے۔ جب نماز میں ظاہری نظر پھیرنا ہلاکت ہے تو نماز میں باطنی توجہ کو خُدا سے ہٹا کر اپنے پیرو مرشد پر لگا دینا صریح شرک کیوں نہ ہو گا؟ نماز شروع سے لے کر آخر تک عبادت ہے اور صرف خدا کی عبادت ہے اس میں کسی اور کو شامل نہیں کیا جا سکتا نہ خدا سے توجہ ہٹا کر کسی اور طرف توجہ باندھی جا سکتی ہے۔

نماز میں کشف والہام

کسی اور چیز کی طرف توجہ باندھنے کے بغیر از خود الہامات ہونے لگیں۔ نماز میں فرشتوں اور ارواح کا کشف ہونے

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی کذا فی المشکوٰۃ ص   [2] جامع ترمذی ج ۱ ص

لگے تو یہ اک خدائی انعام ہے۔ نمازی نے خود اپنی توجہ ان کی طرف نہیں کی۔ خیال کا آنا اور بات ہے اور خیال کا لانا اور توجہ باندھنا اور بات ہے۔ پہلی بات خدائی انعام ہے لیکن دوسری صریح شرک بھی ہو سکتی ہے جسکی اسلام نے قطعاً اجازت نہیں دی۔

خیال آنے اور خیال لانے میں فرق

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ نماز میں دنیوی چیزوں کا خیال آنا زیادہ سے زیادہ عبادت کے نور سے محروم کر دیتا ہے لیکن اپنے ارادے اور توجہ سے کسی پیر و مرشد کی طرف توجہ باندھنا یہاں تک کہ اور کسی طرف دھیان نہ رہے اور اس بزرگ کی طرف کامل صرفِ ہمت ہو جائے اور وہ بھی نماز میں تو یہ عمل ایمان سے محروم بھی کر سکتا ہے پس نماز میں قابلِ تعظیم ہستیوں کا تصوّر لانا اور ان پر توجہ جمانا ایمان کے لیے اک بہت بڑی آفت ہوگی خیال آنے اور خیال جمانے میں بہت فرق ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہاں قابلِ تعظیم ہستیوں کے خیال آنے کو شرک کہا جا رہا ہے ہرگز صحیح نہیں۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی اسی صراطِ مستقیم میں ہے

> یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف نماز میں بُرا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسکی طرف متوجہ کر دینا اور نیت میں اس مدّعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے خلاف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا اور ارواح اور فرشتوں کا کشف فاخرہ خلعتوں میں سے ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اسکا ثمر آنکھوں کے سامنے آگیا ہے[1]

دیکھئے حضرت مولانا اسمٰعیل شہید نور اللہ مرقدہ کس صراحت سے نماز میں خیال آنے کو جگہ دے رہے ہیں بلکہ آپ کے نزدیک نماز میں ارواح مقدسہ اور فرشتوں کا نظر آجانا انعاماتِ الٰہی میں سے ہے مقامِ نماز کے خلاف نہیں۔

مرشد باکمال اپنے مرید کو اگر یہ مسئلہ یوں سمجھائے کہ نماز میں ہر طرف سے توجہ ہٹا کر

---

[1] صراطِ مستقیم صہ ۹۶ اُردو

اسے اپنے پیرو مرشد یا کسی ولی و پیغمبر پر جما دینا مظنہ شرک ہونے کی وجہ سے اس
سے بڑا گناہ ہے کہ نماز میں کسی کو دنیوی چیزوں کا خیال آ جائے جس میں ان چیزوں
کی کسی تعظیم کا کوئی تصور نہ لپٹا ہو تو اس میں کوئی وجہ اعتراض نہیں کیونکہ تعظیم فی
العبادت اللہ کے سوا کسی کی نہیں۔ پہلی صورت میں نماز میں پیرو مرشد کی تعظیم
خدا کی تعظیم میں شامل ہو رہی ہے لیکن دوسری صورت میں ان چیزوں کی تعظیم کا
کوئی پہلو نہیں ہے۔ صرف نماز بے نور ہو رہی ہے۔ نمازی بے ایمان نہیں ہو
رہا ہے کیونکہ اس میں شرک کا کوئی پہلو نہ تھا۔

یہ دونوں مثالیں صراطِ مستقیم میں ہیں جو مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرف منسوب ہے۔
پہلی مثال یہ تھی۔ (۱) کہ زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور (۲) دوسری
مثال کا حاصل یہ تھا کہ نماز میں ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اسے اپنے شیخ و مرشد یا حضور صلی اللہ
علیہ وسلم پر جما دینا اور ان کی طرف اپنی نیت کو پھیر لینا بوجہ اندیشہ شرک تمام دنیوی چیزوں
کا خیال آنے سے زیادہ بُرا ہے۔

مولانا احمد رضا کی تحریف

مولانا احمد رضا خاں کو ان مثالوں سے اگر اختلاف
تھا تو وہ کسی مثال پر جرح کرتے۔ استدلال کی غلطی
واضح کرتے۔ انہیں اس کا پورا حق تھا۔ اختلاف علمائے دین میں ہوتے چلے آئے ہیں لیکن یہ
دو مثالیں جو اپنی اپنی جگہ مستقل اور ایک دوسرے سے الگ اور جُدا تھیں۔ انہیں ایک
دُوسرے میں ملا دینے اور آپس میں گڈمڈ کر دینے کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ دوسری مثال میں
وسوسہ زنا کا کوئی ذکر یا دخل نہیں مگر مولانا احمد رضا خاں کی دیانت کی داد دیجئے یا انکی خباثت
کا ماتم کیجئے کہ الکوکبۃ الشھابیہ میں کس طرح دونوں مثالوں کو ملا دیا ہے۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے بالمقابل کس بے حیائی سے فاحشہ رنڈی کا لفظ لائے
ہیں اور اس بے ادبی اور گستاخی پر ان کا ضمیر انہیں کچھ ملامت نہیں کر رہا۔ مولانا احمد رضا خاں آخر لکھ ہی گئے۔

"مسلمانو! خدارا ان ناپاک شیطانی کاموں پر غور کرو۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال آنے سے بھی برا ہے"[1]

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے الفاظ صرف ہمت[2] کو خیال کے لفظ سے نقل کرنا کوئی کم خیانت نہ تھی لیکن اسے ایک پچھلی بحث سے بے تک جوڑ دینا اور اسے ایک اشتعال انگیز اور گستاخانہ پیرایہ

---

[1] الکوکبۃ الشہابیۃ صـ [2] صرف ہمت کے معنی ہمت کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیرنا کے ہیں ہمت صوفیہ کرام کی اک اصطلاح ہے شیخ الاسلام ہرویؒ نے اس پر ایک باب باندھا ہے (باب الہمۃ) الھمۃ مایملک الانبعاث للمقصود صرفاً (منازل السائرین ج ۲ صـ۱) ہمت (بندہ مومن کا) وہ ارادہ ہے جس کے تحت وہ مقصود حقیقی کی طرف پورے اشتیاق سے متوجہ ہو یعنی اس پر دھیان لگائے کہ اس مقصود کے سوا کسی اور طرف اس کی توجہ نہ رہے) مدارج السالکین میں ہے الھمۃ فعلۃ من الھم وھو مبدء الارادۃ ولکن خصوھا بنھایۃ فالھم مبدءھا والھمۃ نھایتھا۔ صوفیاء کرامؒ کے ہاں ہمت انتہاء ارادہ کو کہا ہے مومن نماز میں انتہاء ارادہ خدا سے متعلق کرتا ہے اور اسی کے حضور میں حاضر ہوتا ہے۔ نماز میں اسے خدا سے ہٹا کر کسی اور طرف مبذول کرنا صرف ہمت کہلاتا ہے جس کی کسی صورت میں اجازت نہیں۔ نماز میں حضور قلب درکار ہے اور دل ہمت کے تابع ہوتا ہے پس ہمت خدا کی طرف ہی ہونی چاہیئے اسے کسی دوسری طرف نہ پھیرنا چاہیئے۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں۔ ان قلبک تابع لھمتک فلا یحضر فیما یھمک پھر حضور قلب کی بحث میں لکھتے ہیں۔ فلا حیلۃ ولا علاج لاحضار القلب الا بصرف الھمۃ الی الصلٰوۃ والھمۃ لا تنصرف الیھا مالم یتبین ان الغرض المطلوب منوط بھا وذالک ھو الایمان۔ (احیاء العلوم ج ۱ صـ۱۶۲) اس سے پتہ چلا کہ ہمت اور ارادہ کی انتہائی حالت نماز پر نہیں لگتی جب تک یہ نہ واضح ہو کہ مطلوب تک پہنچنا اس سے وابستہ ہے اور یہی ایمان ہے اب ہمت کو نماز میں مقصود سے پھیر کر اپنے شیخ و مرشد پر لگا دینا کس طرح مقصود سے پھیرنا ہے۔ یہ الیہ از خود واضح ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ مرزا بدیع الزمان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ وحیث طلبت الھمۃ من کمال الالتفات فبشری لک ترجع سالماً وغانماً ولکن

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں اس طرح سے آنا ظلم بالائے ظلم ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر ایک فاحشہ عورت کے بالمقابل کیا جائے یہ آخرت سے بے پرواہ ہونے کی نہایت شرمناک اور تاریک مثال ہے۔ شاہ صاحبؒ کے کلام میں دونوں باتیں الگ الگ تھیں۔ صرف ہمت والی بحث میں زنا وغیرہ کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ مولانا احمد رضا خاں کی خیانت کا اک بڑا واضح نمونہ ہے کہ فاحشہ عورت کے تصور کو حضورؐ کی طرف نماز میں خیال لے جانے سے جوڑ دیا اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے ذمہ وہ بات لگا دی جو آپ نے ہرگز نہ کہی تھی۔ انتقام کی آگ کے شعلے واقعی بہت گہرے ہوتے ہیں مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی مخالفت کا جذبہ مولانا احمد رضا خاں میں اس قدر گہرا تھا کہ آپ نے اس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت کی بھی پرواہ نہ کی۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

رنگ جب محشر میں لائے گی تو اڑ جائے گا رنگ
یہ نہ کہیئے کہ سرخی خون شہیداں کچھ نہیں

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے یہ بات کہیں نہ لکھی تھی - مولانا احمد رضا خاں صریح جھوٹ بول رہے ہیں اور اپنے عمل سے حدیث اذا حدث کذب (جب بات کرے تو جھوٹ بولے) کی تصدیق کر رہے ہیں البتہ یہ بات صحیح ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اک مقام پر شرک کو زنا سے بدتر گناہ قرار دیا تھا لیکن اس کی تو ذمہ داری حضرت شہیدؒ پر عائد نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں :-

جو شخص اجمیر میں حضرت خواجہ چشتی کی قبر پر یا حضرت سالار مسعودؒ غازی کی قبر

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ :- لابد ان تراعی شرطا واحدۃ اوھو توحید قبلۃ التوجہ فان جعل قبلۃ التوجہ متعددۃ القاء السالک نفسہ الی التفرقۃ (المنتخبات من المکتوبات ص۳۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ الھمۃ عبارۃ عن اجتماع الخاطر و تاکد العزیمۃ بصورۃ التمنی والطلب بحیث لا یخطر فی القلب سوی ھذا المراد کطلب العطشان الماء (القول الجمیل ص)

یا ان کی مانند کسی اور قبر پر گیا کہ وہاں کوئی حاجت طلب کرے تو اس نے ایسا گناہ کیا جو قتل اور زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔[1]

اس میں بھی شرک کو قتل اور زنا سے بدتر گناہ کہا ہے فاحشہ رنڈی کے الفاظ یہاں بھی مذکور نہیں۔

خیال آنے کے بارے میں علماء دیوبند کا عقیدہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال آنے کے بارے میں علمائے دیوبندؒ کا عقیدہ بھی ہدیۂ قارئین کر دیں۔ مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے یہ سوال کیا گیا تو آپؒ نے تحریر فرمایا کہ :۔

جب نماز میں خود التحیات میں اور درود شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے تو خیال آنا تو ضرور ہوا باقی نماز خالص عبادت اللہ کے لئے ہے غیر اللہ کا خیال علی سبیل التعظیم والعبادۃ نہ آنا چاہیئے اور نماز ہر حال میں صحیح ہے کیونکہ خیال پر بازپرس نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2]

سو یہ کہنا کہ علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے کس قدر غلط بات ہے اور علماء دیوبند کے اس صریح فتوے کے خلاف مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے جس چیز کو روکا تھا وہ صرف ہمت (ہمت کا پھیرنا) تھی اور علمائے دیوبندؒ جسے جائز کہہ رہے ہیں وہ خیال کا (خود بخود) آنا ہے۔ خیال کا (جان بوجھ کر) لانا نہیں اور ان دو باتوں میں اصولی فرق ہے۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ بات لگانا کہ آپ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال آنے کو بُرا کہہ رہے ہیں محض افتراء اور بہتان ہے۔ آپ جہاں بھی شرک کی مذمت کرتے ہیں خیال باندھنے کا ذکر کرتے ہیں[3] خیال آنے کا نہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ پر تہمت کی ایک اور مثال

احادیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ خیر القرون (تین بہترین طبقوں[4])

---

[1] تفہیمات ج ۲ ص ۴۵
[2] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ کراچی۔
[3] تقویۃ الایمان میں بھی آپ ایک جگہ لکھتے ہیں۔
[4] یعنی صحابہ کرام، تابعین کرام اور تبع تابعین۔

کے بعد پھر جھوٹ عام ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا کے ختم ہونے سے پہلے پھر شرک پھیلے گا۔ ظہورِ اسلام (یعنی اسلام کی شان و شوکت) جتنا خدا کو منظور ہو گا رہے گا اور ساتھ ساتھ جاہلی رسُوم بھی عود کرتی جائیں گی۔ باقی رہا کلی کفر کا ظہور کہ کوئی مسلمان باقی نہ رہے سو یہ اِس کے بعد ہو گا کہ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلے گی اور جن کے دل میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہو گا وہ وفات پا جائیں گے اور دُنیا میں صرف بُرے لوگ ہی رہ جائیں گے۔

شرک کا شیوع اور شام سے آندھی

ظاہر ہے کہ آج کل چند دنیا پرست علماء اور جاہل باپ دادوں کی پیروی سے شرک و بدعت کی اتنی رسمیں منظرِ عام پر آ چکیں کہ جن کی انتہا نہیں لیکن یہ بھی درست ہے کہ ابھی تک شام سے وہ ہوا نہیں چلی کہ سب اہلِ حق ختم ہو جائیں اور دنیا میں صرف کفر ہی کفر کا ظہور ہو۔

حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر کی اک صحیح حدیث مسلم کے حوالے سے نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

یخرج الدجال فیبعث اللہ عیسیٰ بن مریم فیطلبہ فیهلکہ [1]

(ترجمہ) نکلے گا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسیٰ بن مریم کو سو وہ (عیسےٰ بن مریم) ڈھونڈے اسکو (دجال کو) سو تباہ کر دے گا اس کو (دجال کو)

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ :۔

تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ لفظ بھی خود ہی نقل کیے اور اس کا ترجمہ کیا "نکلے گا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسیٰ بن مریم کو۔ سو وہ ڈھونڈے گا اس کو۔ تباہ کر دیگا اس کو۔ پھر بھیجے گا اللہ اک باد ٹھنڈی شام کی طرف سے۔ سو باقی رہے گا زمین پر کوئی کہ اس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو مگر کہ مار ڈالے گی اس کو" بایں ہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا اب

---

[1] تقویۃ الایمان ص ۳۲

نہ خروجِ دجال کی حاجت رہی نہ نزولِ مسیح کی ضرورت[1]

مولانا احمد رضا خاں کا جھوٹ

یہ جملہ "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ اب نہ خروجِ دجال کی حاجت رہی نہ نزول مسیح کی۔ یہ الفاظ مولانا نے حدیثِ مذکور کے بعد ہرگز نہ لکھے تھے۔ جس کا دل چاہے کتاب تقویۃ الایمان کھول کر دیکھ لے۔ یہ مولوی احمد رضا کا محض جھوٹ ہے۔ ان خط کشیدہ الفاظ کے بعد یہ تفصیل کہ اب نہ خروج دجال کی حاجت رہی نہ نزولِ مسیح کی ضرورت رہی مولانا احمد رضا خاں کی اپنی اختراع کا صریح جھوٹ ہے۔ یہ جملہ "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا" اس حدیث سے پہلے ایک دوسری حدیث کی بحث میں تھا جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک پھر سے رائج ہوگا (اسلام بھی رہے گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک شام سے ٹھنڈی ہوا نہ چلے) حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے لکھا تھا :-

> اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا۔[2]

یہ جملہ اس زمانے سے متعلق ہے جس میں کئی جگہ قدیم شرک رائج ہوگا لیکن اس وقت شرک ہر جگہ محیط نہ ہوگا کہ اسلام کہیں نہ ہو۔ اس عبارت میں لفظ بھی کھلی شہادت دے رہا ہے کہ اس سے کونسا زمانہ مراد ہے۔ ہر جگہ قدیم شرک کا ظہور اس کے بعد ہوگا۔ جب دجال قتل ہو چکا ہوگا اور شام کی طرف سے ٹھنڈی ہوا چلے گی۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا یہ جملہ کہ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا قدیم شرک رائج ہونے کے متعلق تھا نزولِ عیسٰے ابن مریمؑ کے متعلق نہ تھا۔

مولانا احمد رضا خاں نے یہاں الکوکبۃ الشہابیہ میں بڑا جھوٹ تصنیف کیا ہے کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے نزولِ عیسٰے ابن مریم کی حدیث لکھ کر اس صفحہ پر صاف لکھ دیا ہے :-

"سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا"

---

[1] الکوکبۃ الشہابیہ ص [2] تقویۃ الایمان ص ۳۲

یقین کیجیے حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے یہ الفاظ نزول عیسٰے ابن مریمؑ کی حدیث کے تحت ہرگز نہ لکھے تھے ۔ یہ الفاظ تقویۃ الایمان میں حدیث نزول عیسٰے بن مریمؑ سے پہلے مرقوم ہیں ۔ اسے اس حدیث کے بعد کے الفاظ بنا لینا یہ مولانا احمد رضا خاں کی نہایت بدترین خیانت ہے ۔ یہ کہنا کہ اب نہ خروج دجال کی حاجت[1] رہی نہ نزولِ مسیح کی ضرورت ۔ اندھیرے پہ اندھیرا اور جھوٹ پر جھوٹ اور بہتان پہ بہتان ہے ۔ مولانا احمد رضا خاں کی اس ہاتھ کی صفائی پر علمائے یہود بھی حسرت کے ہاتھ ملتے ہوں گے ۔

بریلوی اپنے پیشوا کی اقتدار میں

جن بریلوی علمار نے مولانا احمد رضا خاں کو اپنا امام مانا انہوں نے اپنے امام کی پیروی میں مولانا شہیدؒ پر افترا باندھنے کی مہم برابر جاری رکھی ۔ اس کے بھی دو نمونے ملاحظہ کیجئے اور ستمگروں کے ستم کی داد دیجئے ۔

بڑے بھائی کے برابر درجہ ماننے کی تہمت

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کا یہ عقیدہ ہرگز ہرگز نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ (معاذ اللہ) بڑے بھائی کے برابر ہے آپ تو حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کو سارے جہاں کا سردار مانتے تھے ۔ آپ لکھتے ہیں :-

> ہمارے پیغمبر سارے جہاں کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں[2]

آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں :-

> بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں[3]

---

[1] خروج دجال کے انتظار کو خروج دجال کی حاجت قرار دینا مولوی احمد رضا خاں کے ذہنی پس منظر کی عجیب تصویر ہے ۔ [2] تقویۃ الایمان صہ ۵۵ [3] ایضاً صہ ۵۴

اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کے عقیدہ میں رسالت کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے تو وہ مسلمانوں پر بہتان باندھنے کی سزا کے لئے آخرت میں تیار رہے جہاں جاہل مرید اور ان پڑھ معتقدی نعرے لگا کر ساتھ نہ دے سکیں گے۔

مرتبہ اور بدنی تعظیم میں فرق انبیاء کرام کا مرتبہ بیشک مخلوقات میں سب سے اعلیٰ ہے۔ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں لیکن جہانتک انبیاء کرام کی بدنی تعظیم کا تعلق ہے رکوع اور سجدہ ان کے لیے ہرگز جائز نہیں۔ ان کی تعظیم بڑے انسانوں کی سی کیجئے نہ کہ خدا کی سی۔ انبیاء کی بدنی تعظیم صرف اتنی کیجئے جو چھوٹے درجہ کے انسان بڑے انسانوں کی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعظیمی سجدے کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرمایا۔ ارشاد فرمایا:-

اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم [1]

(ترجمہ) عبادت اب ربّ کی ہی کرو اور اپنے بھائی کی عزت کرو۔

آپ نے اس حدیث پاک میں تعظیمی سجدے کو سجدہ عبادت ہی قرار دیا کیونکہ اس شریعت میں تعظیمی سجدے کا کوئی وجود نہیں۔ جہاں تک بڑوں کی تعظیم کا تعلق ہے انہیں بھائی کہہ کر اتحاد نوعی پر متنبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی عزت کرو۔

یہ الفاظ حدیث کے تھے جنہیں بیان کرنے پر بریلویوں نے یہ افتراء باندھ رکھا ہے کہ مولانا شہیدؒ کے عقیدے میں نبی کا درجہ بڑے بھائی کے برابر ہے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) حالانکہ رتبے اور تعظیم بدنی میں بڑا فرق ہے۔ تعظیم بدنی کو مرتبے اور درجے کا موضوع قرار دینا حماقت اور منافقت کی انتہا ہے۔

باقی رہا یہ موضوع کہ بھائی کا لفظ کسی پہلو سے بھی پیغمبر اور امتی کے درمیان نہیں آسکتا سو اس کیلئے مولانا احمد رضا خاں کی نقل کردہ ایک حدیث یاد رکھیے۔

---

[1] مشکوٰۃ صـ ۲۸۳ عن احمد

خود مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دُعا چاہی جب وہ مکہ معظمہ جاتے تھے ارشاد فرمایا لا تنسانا یا اخی فی دعائك اے بھائی اپنی دعا میں ہمیں نہ بھول جانا۔ رواہ ابو داؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے فرمایا اشرکنا یا اخی فی صالح دعائك ولا تنسانا بھائی اپنی نیک دعا میں ہمیں بھی شریک کر لینا بھول نہ جانا[۱]

حیات النبی ؐ کے انکار کی تہمت

بریلوی مذہب والے علمائے دیوبند ؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے قائل نہیں اس بہتان کے لیے وہ مولانا شہید ؒ کی اس عبارت سے استدلال کرتے ہیں:۔

> میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق ہوں سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی[۳]

اس عبارت کا مطلب علماء دیوبند ؒ کے نزدیک کیا ہے؟ وہ یہاں مٹی میں ملنے کا کیا معنیٰ مراد لیتے ہیں (۱) مٹی ہو جانا یا (۲) مٹی سے لاحق و ملاقی ہونا۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کا جواب ملاحظہ کیجئے۔ علماء دیوبند کے ہاں یہی اس کی مراد ہے:۔

مٹی ہونے اور مٹی میں ملنے میں فرق

"مٹی میں ملنے کے دو معنیٰ ہیں ایک یہ کہ مٹی ہو کر مٹی زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین میں پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں دوسرے مٹی سے ملاقی و متصل ہو جانا یعنی مٹی سے مل جانا تو یہاں مراد دوسرے معنیٰ ہیں اور جسد انبیاء علیہم السلام کا خاک نہ ہونے کے مولانا مرحوم بھی قائل ہیں چونکہ مُردہ کو چاروں طرف سے مٹی احاطہ کر لیتی ہے اور نیچے مُردہ کے مٹی سے جسد مع کفن لاحق (ملاقی) ہوتا ہے یہ مٹی میں ملنا اور مٹی سے ملنا کہلاتا ہے کچھ اعتراض نہیں فقط واللہ اعلم بالصواب[۴]" ——— مٹی میں ملنے کے جب وہ معنیٰ ہو سکتے ہیں جو انبیاء کرام کے اجسام کریمہ کی حفاظت کو متضمن ہوں تو تقویۃ الایمان کی عبارت آپ کی حیات فی القبر کے خلاف نہ رہی

۱؎ مشکوٰۃ ص ۱۹۵   ۲؎ فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۲۴۶   ۳؎ تقویۃ الایمان ص   ۴؎ فتاویٰ رشیدیہ ص

مٹی میں ملنے کا معنی مٹی میں جانا اور دفن ہونا ہے۔

قرآن کریم پ۲۹ سورۂ نوح میں ہے:۔

واللہ انبتکم من الارض نباتا۔ ثم یعیدکم فیھا ویخرجکم اخراجا۔

(ترجمہ) اور اللہ نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا پھر تمہیں اس میں لے جائے گا اور تمہیں دوبارہ نکالے گا۔

یہ آیت تمام بنی آدم کو شامل ہے ہر ایک نے مٹی میں دوبارہ جانا ہے خواہ دفن ہو کر خواہ کسی اور طریق سے۔ تمام بنی نوع انسان کا یہی انجام ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مفتی احمد یار لکھتے ہیں

تمہارے اجزائے بدن کو مٹی میں ملا دے گا خواہ دفن ہو کر خواہ آگ میں جل کر یا دریا میں ڈوب کر[1]

مٹی میں جانے کو مفتی صاحب نے مٹی میں ملنے سے تعبیر کیا ہے اور اس کا معنی دفن ہونا بیان کیا ہے۔ مولانا اسمعیل شہیدؒ نے مٹی میں ملنے سے دفن ہونا مراد لے لیا تو کیا جرم کیا؟ سو یاد رہے کہ مولانا اسمعیل شہیدؒ نے مٹی میں ملنے کا تصور دے کر اجساد انبیاء کے مٹی ہو جانے کا عقیدہ ہرگز نہیں لکھا۔ آپ کی طرف اس عقیدے کا انتساب ایک صریح بہتان ہے۔ آپ حضورؐ کے بدن اطہر کے صرف مختفی ہونے کے قائل تھے اور اس پر آپ کا کلام شاہد ہے۔

سو اس میں شبہ نہیں کہ حضرت مولانا اسمعیل شہیدؒ مٹی میں ملنے سے مراد مٹی سے متصل ہو جانا لے رہے ہیں مٹی ہو جانا ان کا عقیدہ نہ تھا وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آپؐ کا جسد اطہر پوری طرح محفوظ ہے صرف یہ ہے کہ وہ قبر مبارک میں سلام نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ آپ مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں:

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک بظاہر ہوا مختفی زیر خاک

ولے نور اس کا ہے قائم مقام کہ ہر پاک دل میں ہے اس کا مقام

---

[1] نور العرفان ص۹۱۱

ہوا جلوہ گر آل و اصحاب میں | جو تھے پیشوا دیں کے ہر باب میں
ہوا متصل ان کے احباب میں | جو ہیں کامل ایمان و آداب میں
الٰہی ہزاروں درود و سلام | تو بھیج اس پہ اور اسکی اُمت پہ عام

اس نعت کا ایک ایک لفظ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور عقیدت کے پھول لیے ہوئے ہے اس میں صراحت ہے کہ حضورؐ پردہ قبر میں مختفی ہیں عام اجساد کی طرح مٹی میں مٹی نہیں ہوئے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی کسی تحریر میں کوئی ابہام تھا بھی تو وہ اس تصریح سے پوری طرح اُٹھ جاتا ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے جائز طور پر ہر علمی اور مسلکی وارث ہیں تحفظ اجساد انبیاء کے بارے میں انکا عقیدہ اور تصریحات حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کے عقیدہ کی منہ بولتی شہادت ہیں ہم نے اتماماً للحجۃ مولانا شہیدؒ کی اپنی تصریح بھی پیش کر دی ہے سو مٹی میں ملنے والی عبارت جو در اصل ایک حدیث کی وضاحت تھی کسی طرح تحفظ جسد نبویؐ کیخلاف نہ رہی اب اس عبارت کو حیات فی القبر کی نفی پر محمول کرنا خاں صاحب کا کذب و افترا نہیں تو اور کیا ہے ؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ علماء دیوبند نے حضورؐ کی حیات برزخی پر آب حیات اور مقام حیات جیسی جامع کتابیں لکھیں۔ مولانا شہیدؒ کا عقیدہ حیات فی القبر کی نفی ہوتا تو ان کے معتقدین کبھی اس شدومد سے حیات فی القبر کے قائل نہ ہوتے۔

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بریلوی حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضورؐ کے جسد مبارک کے لئے مٹی کا لفظ بہت بوجھل دکھائی دے رہا ہے کیونکہ وہ حضورؐ کو اللہ کے نور کا ٹکڑا سمجھتے ہیں سو وہاں مٹی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم ان کے اس بوجھ کو کم کرنے کے لیے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ہی ایک تحریر پیش کرتے ہیں

جسدِ نبویؐ کے مٹی سے بننے کی حدیث

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا : ـــــــ میں اور ابوبکر و عمر ایک مٹی سے بنے اور اسی میں دفن ہوں گے [1]

---

[1] فتاویٰ افریقہ ص۸۵

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی عبارت میں کون سا لفظ ہے جس کے سہارے یہ قطعی بنیاد فراہم کی جاتی ہے کہ مولانا مرحوم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر یا جسدِ کریم کی ابدی حفاظت کے خلاف تھے ۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ پر تہمت تراشی کے چار نمونے آپ کے سامنے آچکے ہیں مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے پیروؤں کی علمی خیانات کی یہ ایک نہایت دلسوز تصویر ہے ۔ انقلابات زمانہ کی کروٹوں میں محدثین دہلی کے وارث دیوبند پہنچے تو وہ ذہن و فکر جو محدثین کرام کے اس خاندانِ دہلی کے خلاف برسوں سے درپے آزار تھا اب اسکا رُخ دیوبند کیطرف ہوا۔

وہ ذہن و فکر کون سا تھا جو برسوں سے محدثینِ دہلی کے خلاف درپے آزار تھا اس سے مراد انگریز حکومت اور اس کی نوآبادیاتی پالیسی ہے ۔ یہ ذہن و فکر جب علمائے دیوبند کی طرف متوجہ ہوا تو سب سے پہلے بانی دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس کی زد میں آئے ۔

تہمت بر حضرت مولانا محمدؐ قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا یہ بات ہر مسلمان کو معلوم ہے ۔ جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں جانا وہ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ آپ کے خاتم الانبیاء ہونے پر ایمان رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے

علمائے راسخین نہ صرف مسائل جانتے ہیں بلکہ ان کے اصول و علل اور اسباب بھی پہچانتے ہیں حکیم کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی ۔ حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی بنیاد اور حکمت کیا ہے ؟ اس سوال کا جواب ہنوز اسلام کے عالموں کے ذمہ تھا عوام صرف اتنا جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تمام انبیاء کے بعد ہے اور آپ سب سے آخری نبی ہیں اور بس ۔ اس کی وجہ کہ آپ کو سب سے آخر میں کیوں بھیجا گیا اس میں کیا حکمت تھی ۔ یہ بات محتاجِ تفصیل تھی ۔

جن علمائے کرامؒ نے شریعت کے اسرار و حکم کھول کھول کر بیان فرمائے ان میں امام غزالیؒ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام سرفہرست ہے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے آپ کی ختم نبوت کی بنیاد اور حکمت سے بحث کی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ نے اس انتہائی لائق احترام موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔

حضور کے خاتم النبیین ہونے کے اسرار و وجوہ

آئیے پہلے اس پر غور کریں کہ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی آئیے ان اسرار و وجوہ کو معلوم کریں کہ کس وجہ سے آپ کو آخری نبی بنایا گیا اس کی کیا کیا وجوہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ چونکہ آپ کی لائی ہوئی کتاب (یعنی قرآن مجید) کی ابدی حفاظت کا وعدہ تھا اس لیے آئندہ کسی نئے نبی کی ضرورت نہ تھی۔ نبوت کا دروازہ اب اس لیے بند کر دیا کہ اب اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی مبعوث نہ ہو آخر یہ سلسلہ کہیں ختم بھی تو کرنا تھا اسلئے آپکو آخری نبی کہا اعلان کی وجہ یہ تھی کہ ان مدعیانِ نبوت کا دروازہ بند کر دیا جائے جو آپ کے بعد جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے۔

۳۔ آپ کا دین ہر لحاظ سے کامل اور مکمل تھا اس لئے آپ کے بعد کسی اور پیغمبر کی ضرورت نہ ہو سکتی تھی جب ضرورت ہی باقی نہ رہی تو آپ کو آخری نبی بنا دیا گیا۔

۴ علم الٰہی میں مقدر تھا کہ آپ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرامؓ اس دین کے آخر تک وفادار رہیں گے اور علمائے امت کا ایک طبقہ آخر دنیا تک حق پر قائم رہے گا اس کے لیے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا کیونکہ نبوت کا کام ورثۃ الانبیاء کے ذریعہ تاقیامت قائم رہ سکتا تھا۔

یہ وجوہ بیشک برحق ہیں لیکن علت العلل نہیں بنیادی وجہ ایسی ہونی چاہیئے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی شان کا بیان ہو جب ختم نبوت کا تاج آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا تو آپ کی شان اور مقام (ختم نبوت میں) لازمی طور پر ملحوظ و مرعی ہونا چاہیے۔ یہ چار وجوہ جو ذکر کی گئی ہیں ان میں سے پہلی وجہ میں قرآن کریم کی شان کا بیان ہے دوسری میں اُمت کے فتنوں سے حفاظت ہے تیسری میں دین کی شان ملحوظ ہے اور چوتھی میں اصحاب رسُولؐ اور علمائے امتؒ کی وفاداری مذکور ہے لیکن ان کمالات کا دائرہ جس مرکز کے گرد گھوم رہا ہے اس کی اپنی شان کہیں ان میں مذکور نہیں حالانکہ اصل بات جو علت العلل ہو وہ ہونی چاہیئے وہ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی شان ہو اور اس پہلو سے حضورؐ کی ختم نبوت کا بیان ہو۔

یہ وجوہ اپنی جگہ درست ہیں لیکن یہ آپ کی شان خاتمیت کے آثار ہیں ان کے پیچھے علت العلل وہ درکار ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق ہو۔

شانِ خاتمیت کی علت العلل

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس علت العلل کی طرف راہ نمائی کرنا چاہتے ہیں

علت العلل آپ کے الفاظ میں یہ ہے

بالجملہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور انبیاء موصوف بالعرض

حضرت مولاناؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ باقی سب انبیاء کی نبوت آپ کی نبوت کا فیض اثر ہے جیسے آفتاب سے چاند کو روشنی ملتی ہے اسی طرح پر ہر پیغمبر نے اس آفتاب نبوت (حضور صلے اللہ علیہ وسلم) سے روشنی پائی آپ صرف اس اُمت کے نبی نہیں آفتاب نبوت کی حیثیت سے نبی الانبیاء بھی ہیں اور باقی سب انبیاء اپنی امتوں سمیت آپ کی مرکزی سیادت کے ماتحت ہیں جس طرح موصوف بالذات پر موصوف بالعرض کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے آپ کی تشریف آوری پر اس سلسلے کا ختم ضرور تھا اس لیے آپ نبیوں کے ختم پر تشریف لائے۔

بنار خاتمیت بس یہی ہے اس کے آثار و نتائج میں سے تھا کہ آپ کو سب سے آخر میں رکھتے یہ ختم نبوت زمانی اس بنار خاتمیت کو لازم تھی۔

ہاں آپ کی خاتمیت کی جو نسبت انبیار سابقین کے ساتھ تھی وہ خاتمیت مرتبی ہے جس میں موصوف بالعرض موصوف بالذات سے مستفیض ہوتا ہے جیسے چاند سورج سے مستنیر (روشن) ہوتا ہے اس ختم نبوت مرتبی کے ساتھ زمانے کی قید نہیں آپ انبیار سابقین کے بھی مرکز ہیں۔ آپ کی شانِ مرتبی کا یہ پہلو انبیار سابقین سے ہی خاص نہیں بلکہ اگر بالفرض آپ کے بعد بھی کوئی نبی ہوتا تو بھی آپ کی اس معنیٰ کی خاتمیت میں فرق نہ آتا خاتمیت مرتبی بہر حال قائم تھی۔

لیکن حکمتِ خداوندی اس بات کی متقاضی ہوئی کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد اس بنائے خاتمیت کیساتھ ختم نبوت زمانی بھی لازم کی جائے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا زمانہ آخری زمانہ ہو اور آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو اور یہی عقیدہ اسلام کا ہے کہ دونوں طرح کی ختم نبوت تسلیم کرلی جائے آپ کے بعد بھی کوئی نبی ہو اور آپ کے برابر بھی کوئی نبی نہ ہوا ہو۔

لزوم ختم نبوّت زمانی پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز لکھتے ہیں:۔

بالجملہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وصف نبوت میں موصوف بالذات اور سوا آپ کے اور انبیار موصوف بالعرض اس صورت میں اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اول یا اوسط میں رکھتے تو انبیار متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ہوتا تو اعلیٰ کا ادنےٰ سے منسوخ ہونا لازم آتا اور انبیار متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیار متاخرین پر وحی آتی اور افاضہ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ہوتے تو بعد وعدہ محکم انا له لحافظون ان کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیار متاخرین علوم محمدی کے

علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا "تبیانا" لکل شئ" ہونا غلط ہو جاتا ایسے ہی ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے [1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہاں بنار خاتمیت تو یہ ہے کہ آپ وصف نبوت سے موصوف بالذات ہیں لیکن آپ فرماتے ہیں کہ اس بنار خاتمیت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بالفعل تشریف لے آنے پر تاخر زمانی بھی لازم ہے۔ آپ تحذیر الناس میں ہی اس کی تصریح فرما چکے ہیں اسی میں آپ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی [1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ دونوں طرح کی ختم نبوت کے قائل تھے۔ جہاں حضرت مولاناؒ نے یہ کہا تھا کہ عوام کے خیال میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب سے آخری نبی ہیں اس سے مراد اس عقیدے کی تردید نہ تھی لفظ خاتم کو صرف اس معنی میں محدود کرنے کو آپ نے عوام کا خیال کہا تھا۔ آپ کے عقیدے میں بنار خاتمیت کو تاخر زمانی (کہ آپ کا زمانہ آخری مانا جائے) بہر حال لازم تھی اور اس میں آیندہ آنے والے مدعیان نبوت کا بھی پورا سد باب تھا مولانا مرحوم لکھتے ہیں :۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیار سابق کے زمانہ کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں اگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ بلکہ بنار خاتمیت اور بات ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور [2] خود بخود لازم

---

[1] تحذیر الناس ص [1] تحذیر الناس ص

[2] مولانا لکھتے ہیں : یہ احتمال کہ یہ آخری دین تھا اس لیے سد باب مدعیان نبوت کیا جو کل جھوٹے دعوی کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے" تحذیر الناس ص ۳

آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے [1]

یہاں اس عبارت کو دیکھیئے اور بار بار دیکھیئے آپ عوام کے عقیدے کی تردید نہیں کر رہے ہیں آپ صرف ایک معنی میں محدود کرنے کی اصلاح کر رہے ہیں اور آپ جس بات کو بنار خاتمیت قرار دیتے ہیں اسے آپ کا سب سے آخری زمانہ میں ہونا خود بخود لازم فرما رہے ہیں ۔

ہاں خاتمیت مرتبی کا وہ پہلو جس کے تحت انبیار سابقین کو آپ کا فیض ملا اور انہوں نے آپ سے اس طرح روشنی پائی جس طرح چاند سورج سے روشنی پاتا ہے ۔ انبیار کے افراد خارجیہ (جو دنیا میں تشریف لائے) سے ہی خاص نہیں ان کے افراد مقدرہ (جو صرف فرض کئے جائیں) بھی اس میں شامل ہیں کہ بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو بھی آپ کی خاتمیت مرتبی بیشک قائم رہتی وہ آپ کے ماتحت ہوتا اس کے بالفعل آنے سے ختم نبوت زمانی قائم نہ رہتی اور یہ خلاف عقیدہ اسلام ہوتا کیونکہ اسلام میں ختم نبوت زمانی پر ایمان لانا بھی ضروریات دین میں سے ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ ختم نبوت مرتبی کا پہلو بہر صورت قائم رہتا گو عقیدہ ختم نبوت کے لیے صرف اتنی بات کافی نہ تھی ۔

خاتمیت مرتبی کا بیان

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا خاتم ہونا اگر وصف نبوت سے موصوف بالذات ہونے کے معنی میں لیا جائے تو بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کوئی نبی ہوتا تو اس کے باوجود آپکی خاتمیت مرتبی قائم رہتی ۔ مولانا فرماتے ہیں :۔

> غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاءؑ گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اس بات کا مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجئے اور علی العموم تمام انبیار کا

---

[1] تحذیر الناس ص۳ و ص۴

خاتم کہئے اسی طرح ...... الخ صا

یہ ساری بات اس شرط پر کہی جا رہی ہے "اگر بایں معنی تجویز کیا جائے" آگے اس کی جزار مذکور ہے وہ معنی کیا ہے؟ حضورؐ کا وصف نبوت سے موصوف بالذات ہونا۔ ظاہر ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے آپ کے زمانہ میں بھی کہیں نبی ہو تو آپ کا خاتم ہونا ختم نبوت مرتبی کے لحاظ سے بدستور قائم رہے گا۔

اس عبارت کو اس شرط (اگر بایں معنی تجویز کیا جائے) سے کاٹ کر بیان کرنا اور خاتمیت سے ختم نبوت مرتبی مراد نہ لینا ایک بڑا جھوٹ اور ایک بڑا بہتان ہے اور اس عبارت پر ایک بڑا ظلم ہے گو اسلام کے مجموعی عقیدے کے لیے ختم نبوت مرتبی اور ختم نبوت زمانی دونوں کو ماننا ضروری ہے لیکن یہاں تو صرف ختم نبوت مرتبی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اسے ختم نبوت مرتبی سے ہٹا کر ختم نبوت زمانی پر لگا دینا ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟

ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف ثبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی (جو عملاً دنیا میں تشریف لائے) ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مقدرہ (جو صرف فرض کئے جائیں) پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا

یہاں بھی بات شرط کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی کے لی جائے اور موضوع ختم نبوت مرتبی کا بیان ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی مقدر مانا جائے تو اسے بھی حضورؐ کے آفتاب نبوت سے مستنیر (روشن) ہونیوالا مانا جائے گا اور اس سے حضورؐ کی خاتمیت مرتبی میں واقعی کچھ فرق نہ آئے گا۔

شرط کے بغیر جزا کو نقل کرنا خیانت ہے

اس بات کو اس شرط سے کاٹ کر بیان کرنا اور خصوصاً آخری الفاظ "خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" سے ختم نبوت مرتبی مراد نہ لینا اور اسے اس طرح بیان کرنا گویا یہ ختم نبوت زمانی کا بیان ہے اس عبارت پر ظلم اور حضرت مولانا محمد قاسم پر بہت بڑا بہتان ہے کیونکہ اسلام کے مجموعی عقیدے میں ختم نبوت مرتبی اور ختم نبوت زمانی دونوں کو ماننا ضروری تھا اور یہاں صرف ختم نبوت مرتبی کی بحث ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے ہاتھ کی صفائی

مولانا احمد رضا خاں نے (حضرت مولانا قاسم نانوتوی رح کی کتاب تحذیر الناس کے) صـ۱۴ کی عبارت سے شرط کو حذف کر کے جزا کا صرف دوسرا حصہ لے لیا پھر اسی کے ساتھ صـ۲۸ کی مذکور عبارت میں سے شرط کو حذف کر کے اور جزا کے بھی پہلے اور دوسرے حصے کو چھوڑ کر صرف تیسرے حصے کو اس سے جوڑ کر دیا ہے اور اس کے بعد اسی کتاب کے صـ۳ سے ایک عبارت اس کے اضراب کو (جو صـ۴ پر بلکہ سے شروع ہو رہا ہے) چھوڑ کر اسی کے ساتھ جوڑ دی ہے اسی طرح مولانا احمد رضا خاں نے تحذیر الناس کے صـ۱۴ صـ۲۸ اور صـ۳ کی عبارتیں جوڑ کر (ہر ہر عبارت کی شرطیں اور اضراب حذف کر کے) ایک مسلسل عبارت بنا دی ہے۔

تین جگہوں سے عبارتیں لے کر ایک عبارت بنانا

اس نئی مسلسل عبارت کو پڑھنے سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ مولانا محمد قاسم رح ختم نبوتِ زمانی کے منکر تھے اور یہ عبارت ختم نبوت زمانی کے انکار کے لیے ہی آپ نے تحریر فرمائی ہے حالانکہ آپ نے اس کتاب میں جگہ جگہ ختم نبوت زمانی کا اثبات فرمایا ہے۔

تحذیر الناس میں ختم نبوتِ زمانی کا بیان

حضرت مولانا محمد قاسم رح اسی کتاب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں:

منجملہ حرکات حرکت سلسلہ نبوت بھی تھی سو بوجہ حصول مقصود اعظم ذات محمدی صلی اللہ

علیہ وسلم وہ حرکت مبدل بہ سکون ہوئی البتہ اور حرکتیں ابھی باقی ہیں اور زمانہ آخر میں آپ کے ظہور کی ایک وجہ یہ بھی تھی [1]

ختم نبوت زمانی کا انکار کفر ہے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا عقیدہ اتنا اہم اور ضروری ہے کہ آپ نے اسی تحذیر الناس میں اس کے منکر کو کافر بتلایا ہے کیا اب بھی شک رہ جاتا ہے کہ آپ ختم نبوت کے قائل نہ تھے آپ فرماتے ہیں:

سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے ادھر تصریحات نبویہ مثل انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس باب میں کافی ۔کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے گو الفاظ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں بھی ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ حدیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیساکہ ان کا منکر کافر ہوگا ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا اب دیکھئے کہ اس صورت میں عطف بین الجملتین اور استدراک اور استثناء مذکور بھی بغایت درجہ چسپاں نظر آتا ہے اور خاتمیت بھی بوجہ احسن ثابت ہوتی ہے اور خاتمیت زمانی بھی ہاتھ سے نہیں جاتی [2]

حضرت مولانا مرحوم ایک دوسری کتاب میں بھی اپنا یہی عقیدہ لکھتے ہیں :-

اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونیکا احتمال نہیں جو اس میں تاویل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں [3]

---

[1] تحذیر الناس صہ ۱۹ [2] تحذیر الناس صہ ۹ ۔ [3] جوابات محذورات صہ ۵۰ ۔

حضرت مولانا مرحوم نے ایک اور جگہ تحریر فرمایا :-

اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک نوبت سبھی کے بعد آتی ہے اور اس لیے اس کا حکم اخیر حکم ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ پارلیمنٹ تک مرافعہ کی نوبت سبھی کے بعد آتی ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی اور نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا کیا تو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا چنانچہ قرآن وحدیث میں یہ مضمون بتصریح موجود ہے سو آپ کے اور آپ سے پہلے اگر دعویٰ خاتمیت کرتے تو حضرت عیسےٰ کرتے مگر دعویٰ خاتمیت تو درکنار انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد جہاں کا سردار آنے والا ہے ۔[1]

آپ دیکھیں کہ مولانا مرحوم کس طرح جگہ جگہ خاتمیت زمانی کا اقرار کر رہے ہیں اور ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ مولانا احمد رضا خاں کس ہوشیاری سے اور خوفِ خدا سے بالکل بے پروا ہو کر مولانا مرحوم کی کتاب تحذیر الناس کے صـ۱۴ ، صـ۲۸ اور صـ۳ سے عبارتوں کے نامکمل ٹکڑے جوڑ رہے ہیں اور انہیں جوڑ کر ایک مسلسل عبارت بنانے میں محنت کر رہے ہیں ۔ مولانا احمد رضا خاں یہاں اپنی من گھڑت بات مولانا محمد قاسم کے ذمہ لگانے اور اس پر علمائے حرمین سے کفر کا فتویٰ حاصل کرنے میں کتنی چابکدستی دکھا رہے ہیں یہ بات از خود واضح ہے مولانا احمد رضا خاں کے پھیلائے ہوئے تفریق کے کانٹوں سے اُمت کے پاؤں اب تک زخمی ہیں اور مولوی احمد رضا خاں نے ہاتھ کی صفائی سے جو عبارت ترتیب دی وہ مولانا احمد رضا خاں کی شرمناک خیانت کی تاریک ترین مثال ہے مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم کے نام سے جو عبارت گھڑی اسے ہم یہاں حسام الحرمین سے نقل کرتے ہیں اس عبارت کو بھی دیکھیے اور تحذیر الناس کے ان گہرے اور علمی مضامین پر بھی غور کیجیے جنہیں ہم اوپر نقل کر آئے ہیں اصل کتاب تحذیر الناس کا مطالعہ کیجئے اور ظالموں اور خائنوں کے ظلم اور خیانت کی پھرجی کھول کر داد دیجئے ۔ مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں عبارت کو

---

[1] مباحثہ شاہ جہاں پور صـ مطبوعہ

اس طرح بنا کر اسے حضرت مولانا محمد قاسم ؒ کے نام سے پیش کیا ہے حالانکہ یہ مسلسل عبارت مولانا محمد قاسم ؒ کی قطعاً نہیں۔

حسام الحرمین میں درج شدہ عبارت

گو بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں [1]

آخری فقرہ جو "عوام کے خیال" سے شروع ہوتا ہے وہ تحذیر الناس کے صہ ۳ پر تھا۔ شروع کا جملہ صہ ۱۴ کا تھا درمیانہ جملہ صہ ۲۸ پر تھا مولانا احمد رضا خاں نے انہیں اس حسن و ترتیب سے جوڑا ہے کہ یہ مسلسل عبارت تحذیر الناس کی ان عبارات سے جن میں خاتمیت زمانی کا صریح اقرار ہے۔ صریح طور پر ٹکراتی دکھائی دیتی ہے اسے مولانا احمد رضا خاں کے ہاتھ کی صفائی کہیئے یا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی اس خبر کی تصدیق کہ اس امت میں وہ لوگ بھی ہونگے جو یہود کی راہوں پر چلیں گے۔ شبراً بشبرٍ و ذراعاً بذراعٍ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام

برطانوی فکر و نظر کو ایک طرف رکھئے اسوقت صرف علمی حیثیت سے ذرا صورت حال کا جائزہ لیجئے۔ مولانا احمد رضا خاں کی امانت و دیانت کو جانچنے کا یہ ایک بڑا موقعہ ہے اس تفصیل میں حضرت مولانا نانوتوی ؒ کی ذات گرامی زیادہ ملحوظ نظر نہیں زیادہ توجہ مولانا احمد رضا خاں کی امانت و دیانت کو جانچنے پر ملحوظ ہے کیونکہ اس وقت وہی موضوع سخن ہیں۔

---

[1] حسام الحرمین صہ ۱۰۱

عربی عبارت میں لفظ بالذات کو نکال دیا

آخری الفاظ میں سے لفظ بالذات پر غور کیجئے اطلاقات بالذات اور بالعرض اہل علم پر مخفی نہیں۔ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کی مراد یہ تھی کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات فضیلت نہیں بالعرض ہے کہ سب سے آخر میں وہی ہونا چاہیئے جو سب سے عالی مرتبہ بھی ہو۔

علمائے عرب کے سامنے مولانا احمد رضا خاں نے جب اس خود ساختہ) عبارت کو پیش کیا تو آخری فقرے کا جو عربی ترجمہ کیا اسے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مولانا احمد رضا خانصاحب جب یہ ترجمہ کر رہے ہوں گے تو ان کا ضمیر اگر واقعی زندہ تھا تو یقیناً انہیں ملامت کر رہا ہوگا بہرحال مولانا احمد رضا خاں نے اس کا ترجمہ یوں کیا :۔

مع انہ لا فضل فیہ اصلا [1]

ترجمہ۔ حالانکہ اس میں بالکل ہی کوئی فضیلت نہیں۔

اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ہرگز نہ کہی تھی وہاں صرف بالذات کی نفی تھی مگر مولانا احمد رضا خاں نے اصلاً کے لفظ سے ہر دو کی نفی کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جب مدح براہ راست ہو تو اس کے لیے وہی دلیل لائی جاتی ہے جو براہ راست اس خوبی پر دلالت کرے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ہاں ایسے مواقع پر وہ دلیل نہیں لائی جاتی جو ضمناً یا التزاماً اس مدح پر مشتمل ہو پس مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا یہ کہنا کہ جس دلیل سے ختم نبوت زمانی ثابت ہو اسے حضورؐ کے شان خاتمیت کے بیان میں مقام مدح پر لانا یہ کہ آیت استدراک سے ... صرف اسی صورت میں درست ہو سکتا تھا کہ آپ کی خاتمیت میں براہ راست آپ کے کسی کمال کا بیان ہو اور خاتمیت زمانی صرف اسے لازم ہو۔

مولانا احمد سعید کاظمی نے مولانا احمد رضا خاں کی اس خیانت پر پردہ ڈالنے کے لیے کہ انہوں نے تحذیر الناس کی اصل عبارت سے بالذات کا لفظ کیوں اڑا دیا ہے کتنی کمزور بات لکھی ہے۔

---

[1] حسام الحرمین صـ۱۰۰

گویا ناقل کو کسی عبارت کے نقل کرنے میں یہ حق بھی حاصل ہے کہ اپنی طرف سے جس لفظ کو چاہے زائد سمجھ کر نکال دے کسی مضمون پر اعتراض کرنا ہو تو اس مضمون کو پورا نقل کرنا چاہیئے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس عبارت پر اعتراض کرنا ہو اس کی بعض قیود ناقل خود حذف کرتا جائے کہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا احمد سعید کاظمی نے مولانا احمد رضا خاں کی خیانت پر پردہ ڈالنے کے لئے جو بات کہی ہے تصنیف و تنقید کی دُنیا میں عذر گناہ بدتر از گناہ کی اس سے بدتر مثال کیا ہو گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ پر تہمت کی ایک اور مثال

مولانا امجد علی صاحب خلیفہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اس طرح قدیم سمجھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات قدیم ہیں تو جب حضورؐ کی نبوت اس طرح قدیم ہوئی تو آپ ضرور قائم بالذات ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص صفات الٰہیہ کے سوا کسی کو قدیم مانے وہ کافر ہے مولانا امجد علی نے اس طرح حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ پر فتوے کفر چسپاں کیا ہے۔

> قائل صاحب (مولانا محمد قاسم صاحبؒ) نے حضورؐ کی نبوت کو قدیم اور دیگر انبیاء کو حادث بتایا صـ۷ میں ہے "کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں ہو سکتا ہے"۔ کیا ذات وصفات کے سوا مسلمانوں کے نزدیک کوئی چیز بھی قدیم ہے؟ نبوت صفت ہے اور صفت کا وجود بے موصوف محال۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی حادث نہ ہوئے بلکہ ازلی ٹھہرے اور جو اللہ وصفات الٰہیہ کے سوا کسی کو قدیم مانے باجماع مسلمین کافر ہے۔[1]

---

[1] بہار شریعت حصہ اوّل صـ۵۶

کسی دانشور نے ایسے ہی کسی معترض کیلئے کہا تھا، المعترض کالاعمیٰ ۔ اندھا یہ نہیں دیکھتا کہ آگے پیچھے لیا ہے یونہی لاٹھی چلائے جاتا ہے۔ قدیم کا لفظ کیا صرف ازلی کے معنی میں ہی آتا ہے؛ محکمہ آثار قدیمہ کیا ازلیات کی ہی نگرانی کرتا ہے؛ امجد علی صاحب نے کچھ تو سوچا ہوتا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ افسوس کہ بریلویوں کیلئے شریعت کی بہار ہی نہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے اس خط کشیدہ عبارت میں لفظ قدم کو ازلی کے معنی میں استعمال نہ کیا تھا اسے صرف مقدم کے معنی میں استعمال کیا تھا۔ اسی طرح حدوث نبوت کے الفاظ آپ نے صرف موخر کے معنی میں استعمال کئے ہیں آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ اول حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی آئی پھر آپ کے افاضہ اور ملائکہ کے واسطہ سے دیگر انبیاء تک پہنچی لفظ قدم سے آپ کی مراد بس اتنی ہی تھی یہ نہیں کہ آپ کی وحی ازلی ہے اور کسی وقت سے اس کا آغاز نہیں ہوا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) ازلی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

حضور کی روح مقدسہ کو حضورؐ کا وصف نبوّت سے موصُوف بالذات ہونا

اللہ تعالیٰ نے جب سے پیدا فرمایا شان نبوت سے متصف رکھا سو آپ کی نبوت دوامی رہی اور دیگر انبیاء کرام کی عرضی اور آپ کے ہی فیض سے اس کا عروض ان پر ہوتا رہا سو آپ کی نبوت اور ان کی نبوت میں اتحاد نوعی کے ساتھ ساتھ مقدم اور مؤخر ہونے کا فرق ضرور قائم رہا۔

اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتِ قدیم ہونے کے قائل تھے۔ آپ نے حضورؐ کی نبوت کو باقی انبیاء کرام کی نسبت سے اضافی طور پر قدیم کہا ہے نہ کہ حقیقی اور ذاتی طور پر ازلی مانا ہے اس کی مثال یوں سمجھیئے جیسے آفتاب باقی روشن چیزوں کی نسبت قدیم ہے کہ وصفِ نور سے موصوف بالذات ہے اور باقی روشن اجسام اس کے فیض سے روشن ہوئے ہیں اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبوت سے موصوف بالذات ہیں کہ آپ کی ذاتِ گرامی شروع سے ہی نبوت سے متصف رہی ہے آپ اس وقت بھی نبی تھے جب ابھی آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ بھی نہ بنا تھا دیگر سب انبیاء کو آپ کے

ہی افاضہ سے نبوت ملی سو آپ نبی الانبیاء بھی ہوئے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کو کوئی حقیقی طور پہ قدیم نہیں کہتا محض اضافی طور پہ اسے قدیم کہتے ہیں کہ باقی سب چیزوں نے اس سے روشنی پائی۔

تحذیر الناس میں قدیم بہ معنی مقدم ہونے کی شہادتیں

اب آئیے تحذیر الناس میں حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب کی مختلف عبارات دیکھیں اور مولانا امجد علی کے اعتراض کا جائزہ لیں کہ حضرت مولانا مرحوم حضورؐ کی نبوت کو کیا واقعی قدیم کہہ رہے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آنا کس وقت سے مانتے ہیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپ کس معنی میں حضورؐ کی نبوت کو ذاتی کہتے ہیں اس معنی میں کہ آپ کی ذات متصف بالنبوۃ تھی یا یہ کہ آپ نبوت کی صفت سے بعد میں موصوف ہوئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ لکھتے ہیں :-

مضمون علمت علم الاولین والاخرین بنسبت انبیاء ماتحت اس طرح سے راست ہو کہ اول آپ کو وحی آئی اور پھر ملائکہ کے واسطہ سے انکو پہنچی[1]

کیا اس میں صریح طور پر حضورؐ کی وحی کا نقطۂ آغاز نہیں بتلایا گیا کہ باقی سب انبیاء سے پہلے حضور پر وحی الٰہی ہوئی اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ مولانا مرحوم حضورؐ اور آپ کی نبوت کو صفات الٰہیہ کی طرح ازلی اور قدیم مانتے ہیں بہتان اور افتراء اور خیانت نہیں تو اور کیا ہے ؟

اب وہ پوری عبارت بھی ملاحظہ کیجئے جس کا ایک ٹکڑا مولانا امجد علی نے لے کر حضرت مرحوم پر فتوئے کفر چسپاں کر دیا۔

عہد[1] کا الینا جس سے آپ کا نبی الانبیاء ہونا ثابت ہوتا ہے پہلے ہی معروض ہو چکا ہے علاوہ بریں حدیث کنت وآدم بین الماء والطین[2] بھی اسی جانب مشیر ہے کیونکہ فرق قدم نبوت اور حدوث نبوت باوجود اتحاد نوعی خوب جب ہی چسپاں

---

[1] یہ عہد قرآن کریم پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۹ میں مذکور ہے۔ [2] قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لك النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد (ترمذی ۲ ص ۲۰۱)

ہو سکتا ہے کہ ایک جا یہ وصف ذاتی ہو اور دوسری جا عرضی اور فرق قدم وحدوث اور دوام وعروض فہم ہو۔ تو اس حدیث سے ظاہر ہے ہر کوئی سمجھتا ہے کہ اگر نبوت کا ایسا قدیم ہونا کچھ آپ ہی کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا تو آپ مقام اختصاص میں یوں نہ فرماتے [1]

کیا اس عبارت میں تصریح نہیں کہ یہاں قدم وحدوث کے الفاظ دوام وعروض اور ذاتی اور عرضی کے معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں ازلی اور حقیقی طور پر قدیم ہونے کے معنوں میں نہیں ہیں پھر ان الفاظ سے مولانا پر فتوے کفر چسپاں کرنا کس طرح قرین انصاف ہو سکتا تھا۔

حضورؐ کی نبوت کے ذاتی ہونے کا معنی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ خود ہی لکھتے ہیں :-

مثال درکار ہو تو لیجئے زمین وکہسار اور درودیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی [2]

یعنی جس طرح آفتاب کا نور کسی اور جرم سماوی کا فیض نہیں جب سے اسے خدا نے بنایا یہ دائماً نورانی ہے حضورؐ کی نبوت بھی کسی اور نبی کا فیضان نہیں جب سے خدا نے آپ کی رُوح مقدسہ کو پیدا فرمایا موصوف بالنبوۃ فرمایا مولانا مرحوم لکھتے ہیں :-

آپ موصوف بوصف نبوۃ بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے اور آپ کی نبوت کسی اور (نبی) کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں [3]

ان تصریحات اور مثالوں سے واضح ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کی لفظ قدم سے مراد کیا تھی

---

[1] تحذیر الناس ص   [2] تحذیر الناس ص   [3] تحذیر الناس ص

آپ اسے پہلے کے معنوں میں استعمال فرما رہے تھے ازلی کے معنوں میں نہیں سو مولانا امجد علی کا اس عبارت کو کفر کا جامہ پہنانا اور پھر تیزی سے مولانا پر کفر کا فتوے چسپاں کر دینا اگر مولانا احمد رضا خاں کے ایصالِ ثواب کے لیے نہیں تو کیا انگریزوں کے کھاتے میں ڈالنے کے لیے تھا ؟ کیا حقیقی ذات قدیم کا بھی کسی سے اتحاد نوعی ہو سکتا ہے ۔ دوسروں کی بات میں اپنے معنی ڈالنے کی اس شرمناک حرکت پر شیطان بھی انگشت بلب ہوگا ہاں مولانا مرحوم کے ذمہ اگر یہ جرم لگاتے ہو کہ آپ حضورؐ کو نبی الانبیار کیوں کہا کیونکہ نبوت کے اعتبار سے سب انبیار ایک جیسے ہوتے ہیں تو اس باب میں خود اپنی ہی تحریر دیکھ لیجئے ۔

> سب سے پہلے مرتبہ نبوت حضورؐ کو ملا روز میثاق تمام انبیار سے حضورؐ پر ایمان لانے اور حضورؐ کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور اسی شرط پر یہ منصب اعظم ان کو دیا گیا ۔ حضورؐ نبی الانبیار ہیں اور تمام انبیار حضورؐ کے امتی سب نے اپنے اپنے عہد کریم میں حضورؐ کی نیابت میں کام کیا ۔ [1]

نبوت کے اعتبار سے اگر سب انبیار ایک جیسے ہوتے تو حضورؐ اپنی نبوت میں نبی الانبیار کیسے ہوتے اور دیگر انبیار اپنے اپنے وقتوں میں حضورؐ کی نیابت میں کیسے کام کرتے یہ تو تبھی ہو سکتا ہے کہ حضورؐ وصف نبوت سے موصوف بالذات ہوں اور باقی انبیار کرام موصوف بالعرض کہ وہ سب نفوس قدسیہ نبوت سے حقیقۃً موصوف ہوئے لیکن حضورؐ کے فیض سے آفتاب نبوت نے ایسی چمک پائی تھی کہ اس سے کئی آئینے منور ہو گئے مولانا امجد علی کی یہ عبارت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عبارت کی ہی ترجمان ہے لیکن افسوس کہ مولانا احمد سعید کاظمی نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ضد میں اپنے بزرگ مولانا امجد علی پر بھی ہاتھ صاف کر لیے ۔

بعض بریلوی علمار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حقیقی دائی کا لفظ دیکھ کر گمان کرنے لگتے ہیں کہ شاید دوسرے انبیار کرام کو حقیقی نبی نہ مانا ہو حاشا وکلا یہ مراد ہرگز نہیں تمام انبیار کرام

---

[1] بہار شریعت حصہ اول ص۱۸

حقیقۃً نبوت سے سرفراز ہوئے لیکن یہ بھی درست ہے کہ ان سب کو نبوت حضورؐ کے فیض سے ملی۔ حضورؐ پر جو سلسلہ نبوت ختم ہوا وہ یہی تھا کہ اب حضورؐ کے روحانی فیض سے کسی کو نبوت نہ ملے گی آئندہ آنیوالے مقربین ایزدی حضورؐ کے فیض سے صرف ولایت پائیں گے نبوت کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ پر بند فرما دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی جماعت اسی نبوت کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں کہ حضور کے فیض سے کسی کو نبوت ملے حالانکہ یہی ختم نبوت کا باب تھا۔ مسلمانوں کے ذہن میں اگر یہی بات جمتی جو حضرت مولانا محمد قاسم جمانا چاہتے تھے تو کوئی شخص قادیانی دعوت کا شکار نہ ہوتا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے پہلے کسی عالم ربانی نے یہ تعبیر اختیار نہیں کی کہ حضورؐ ہی حقیقی داعی الی اللہ تھے اور باقی سب مقربین کو حضورؐ کے فیض سے دعوت الی اللہ اور نبوت کا منصب ملا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ باقی سب انبیاء کرام حقیقۃً داعی الی اللہ نہ تھے (معاذ اللہ)؟

حضرت علامہ فاسیؒ مطالع المسرات میں لکھتے ہیں :-

فلم یکن داعٍ حقیقی من الابتداءِ الی الانتھاء الا ھٰذہ الحقیقۃ الاحمدیۃ التی [1]

ترجمہ: سو حقیقی داعی شروع سے لے کر اب تک کوئی نہیں ہوا مگر یہی حقیقت احمدیّہ جو۔۔الخ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مقدسہ جب عالم ارواح میں تھی اس وقت بھی اسکا فیضان ملائکہ پر جاری تھا جب یہ روح تسبیح کرتی تو تمام فرشتے اس کے فیضان میں تسبیح پڑھتے[2]۔ آپ کی روح اسی جہان میں گویا تمام انبیاء کی روحوں کی استاد تھی[3] اور علوم الٰہیہ کا ان کا فیضان اسی

---

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات شرح اسم داعی صـ۱۰۲ [2] راجع لہ الشفاء جلد ا صـ۶۱ [3] کما فی مدارج النبوۃ للشیخ عبد الحق الدھلوی مطبوعہ مصر جلد صـ

روح کے واسطہ سے ہوتا تھا۔ قرآن کریم کی آیت میثاق[1] بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت آدم کے خلعت بشری پہننے سے پہلے عالم ارواح اور عالم ملائکہ میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کریمہ مرکزی حیثیت رکھتی تھی اور اس سے وفاداری کا اقرار سب انبیاء سے لیا گیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے حقیقی داعی ہونے کے الفاظ صرف علامہ فاسی نے ہی نہیں اختیار کیئے۔ شیخ سعدی بھی اپنے اس شعر میں یہی بات کہہ گئے ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست　　　　دگر ہر چہ موجود شد فرع تست[1]

(شرح) دائرہ ایجاد میں آپ اول سے مخلوق بالاصل ہیں۔ آپ کے سوا جس نے بھی خلعت وجود پہنا وہ آپ کے وجود کی ایک شاخ ہے۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

بلند آسماں پیش قدمت خجل　　　　تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

(شرح) یہ آسمان بلند آپ کی اولیت کے سامنے شرمندہ ہے آدم ابھی مٹی اور گارے میں بنے تھے کہ آپ پیدا ہو چکے تھے۔

شارح بوستاں اس مقام پر لکھتے ہیں:۔

پس ذات آنحضرت بہ سبب تقدم وجود روحانی صدر نشین ممکنات است

شیخ سعدیؒ حضورؐ کی اولیت کے لیئے اگر لفظ قدم استعمال کر سکتے ہیں تو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو یہ لفظ ان معنی میں لانے کا کیوں حق نہیں۔ شیخ سعدیؒ نے حقیقت محمدیہ کو یہاں مخلوق بتایا ہے۔ اہل حق اسے کبھی ازلی نہیں کہتے۔ لیکن یہ کہنے میں بھی وہ کوئی باک نہیں سمجھتے کہ ہر پیغمبر کو پیغمبری آپ کے فیضان سے ملی۔ آپ جس طرح اپنی امت کے نبی ہیں آپ سب گذشتہ انبیاء کے بھی نبی تھے۔ علامہ قسطلانیؒ شارح صحیح بخاری اپنی کتاب المواہب اللدنیہ میں آپ کے نبی الانبیاء ہونے کی تصریح کر چکے ہیں اور علامہ زرقانیؒ شرح مواہب میں اسے امت کا بڑا اعزاز سمجھتے ہیں کہ اس کا نبی گذشتہ انبیاء کے لیئے بھی نبی الانبیاء ٹھہرے۔

---

[1] بوستان ص[illegible] مع شرح محمد گلھوی بوستان ص۱۳۱

لانہ نبی الانبیاء وکفی بھذا شرفاً لھذہ الامۃ المحمدیۃ زادھا اللہ شرفاً۔[1]

سو آپ کا سب انبیاء سے پہلے ہونا کسی اسلامی اصل کے خلاف نہیں۔ جو بات حضرت مولانا محمد قاسمؒ نے کہی۔ وہ کسی نہ کسی انداز میں پہلے بزرگان کرام بھی کہہ چکے ہیں۔

ختمِ نبوّت مرتبی کے اقرار میں بھی مولانا محمد قاسمؒ متفرد نہیں

حضرت مولانا رومؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النّبیین ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کے مرتبے کا پیغمبر نہ کوئی پہلے ہوا نہ آئندہ ہوگا۔ جب کوئی شخص کسی صفت میں آگے بڑھ جائے تو کیا تم نہیں کہتے کہ اس پر یہ صفت ختم ہوگئی؟ مولانا لکھتے ہیں:۔

بہر ایں خاتم شداست او کہ بجود مثل او نے بود و نے خواہند بود

چونکہ در صنعتے برد استاد دست نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است[2]

ختمِ نبوت مرتبی کے اس اقرار سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مولانا رُوم ختمِ نبوت زمانی کے قائل نہ تھے۔ ایک معنی کا بیان دوسرے معنی کی نفی نہیں کرتا۔

آپ ختمِ نبوت زمانی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

یا رسول اللہ رسالت را تمام تو نمودی ہمچو شمس بے غمام[3]

(ترجمہ) اے اللہ کے رسولؐ آپ نے رسالت کو اس طرح شرف تمام بخشا ہے جیسے بادل کے بغیر سُورج چمک رہا ہو۔

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

سکۂ شاہاں ہمے گردد دگر سکۂ احمد ببیں تا مستقر

ایں ہمہ انکار کفر آں زاد شاں چو در سید آخر زماں[4]

---

[1] شرح المواہب للزرقانی جلد ۵ صہ ۲۵۴ [2] مثنوی مولانا روم دفتر ۶ صہ ۴۹۶ [3] مثنوی دفتر ۵ صہ ۲۹۸
[4] مثنوی دفتر صہ

(ترجمہ) اور بادشاہوں کے سکے بدلتے رہتے ہیں۔ احمد کے سکے کو دیکھو یہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک یہ دُنیا ہے۔ اگلے شعر میں صریح طور پر حضورؐ کو سید آخرالزمان کہا ہے زمانے کے لحاظ سے آخری یہ تصریح کیے ہے مولانا رومؒ مولانا محمد قاسمؒ کی طرح ختم نبوت زمانی کے ساتھ ختم نبوت مرتبی کے بھی قائل تھے۔

مولانا رومؒ کا بھی عقیدہ تھا کہ پچھلے انبیاء کو نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ملی پس اس پہلو سے لفظ خاتم مہر لگانے کے لیئے نہیں۔ مہریں کھولنے کے معنی میں بھی لیا جائے گا۔ مولانا اس کی تصریح کرتے ہیں:۔

در کشاد ختمہا تو خاتمی | در جہاں روح بخشاں خاتمی[1]

(ترجمہ) آپ مہروں کے کھولنے میں خاتم ہیں۔ روح بخشوں کی دنیا میں آپ ہی خاتم ہیں۔
مولانا رومؒ ہی نہیں مولانا احمد رضا خاں بھی آخرالنبیین کے یہی معنی کر گئے کہ آپ مرتبۂ کمالات میں سب سے آگے ہیں۔ یہ اسی اولیت کا اظہار تھا کہ اسراء کی رات سب پیغمبروں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:۔

نمازِ اقصٰی میں تھا یہی سر | عیاں ہوں معنی اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر | جو سلطنت پہلے کر گئے تھے[2]

مولانا احمد رضا خاں آخر کے معنی اوّل کرنے میں اگر مجرم نہیں تو حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی کو کیا انگریزوں کو خوش کرنے کے لیئے مجرم گردانا جا رہا ہے؟ بریلوی دوستو!—— کچھ سوچو۔ آخر ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اس وقت کیا جواب دو گے؟ بزرگوں کے ذمہ اپنی من گھڑت باتیں لگانا کہاں کی دیانت اور کس دولت کی بدولت ہے۔

---

[1] مثنوی دفتر ص [2] حدائق بخشش حصہ ۱ ص۱۱۱

مولانا محمد قاسم قدم نوعی کے اس دعوے میں اکیلے نہیں پہلے کئی بزرگ بھی یہ بات کہہ چکے ہیں سو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کا نظریہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم وصف نبوت سے موصوف بالذات ہیں اور آپ کی نبوت باقی انبیاء سے ممتاز اور منفرد ہے بالکل صحیح ہے اور بریلوی حضرات کا یہ کہنا کہ آپ کی نبوت اور دوسرے انبیاء کی نبوت میں کوئی فرق نہیں صحیح نہیں ہے اللہ جسے شان دے اسے کون مٹا سکتا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ پر ایک اور الزام

ان لوگوں نے جب دیکھا کہ انکار ختم نبوت کا الزام مولانا پر چسپاں نہیں ہوتا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ذاتی ہونے کا معنی بھی اپنی جگہ قابل اعتراض نہ ٹھہرا تو انہوں نے ایک اور الزام تراشا کہ مولانا کا عقیدہ تھا کہ امتی عمل میں بسا اوقات نبی سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

"ایک ان کے ادارے کے بانی (مولانا محمد قاسم) نے عمل کی پیمائش کی تو امتی کو نبی سے بڑھا دیا" [۲]

جب ہم نے اصل کتاب تحذیر الناس کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک ایسا لفظ موجود پایا جو اس سارے شبہ کو زائل کر دیتا تھا مگر معترض حضرات نے اسے ساتھ نقل نہ کیا تھا۔ مولانا محمد قاسم کی اصل عبارت یہ تھی:

انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ [۳]

اس عبارت میں بظاہر کا لفظ فیصلہ کن تھا کہ ایسا صرف ظاہر کے لحاظ سے ہوتا ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں، اور بظاہر کا لفظ ان معنوں کے لحاظ سے عام ہے اسے سمجھنے کے لئے مولانا احمد رضا خاں کا یہ فتوے بھی سامنے رکھئے:

عرض:۔ شیخ سے بظاہر کوئی ایسی بات معلوم جو خلاف سنت ہے تو اس سے پھر جانا کیسا؟

---

[۱] پ ۳ آل عمران ع ۹ [۲] المیزان احمد رضا نمبر ص ۲۴۶ [۳] تحذیر الناس ص

ارشاد :۔ محرومی اور انتہائی گمراہی ہے [1]

یہاں بظاہر سے مراد یہی ہے کہ تمہیں وہ عمل ظاہر میں ایسا دکھائی دے رہا ہو کہ سنت کے خلاف ہے لیکن حقیقت میں وہ خلافِ سنت نہ ہو کیونکہ جو عمل حقیقت میں بھی خلاف سنت ہو اس کی وجہ سے پیر کو چھوڑنا ہرگز محرومی اور گمراہی قرار نہیں دیا جاسکتا

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(ترجمہ) جو شخص (حقیقت میں) پیغمبر کے خلاف چلے گا وہ ہرگز منزل پر نہ پہنچ سکے گا

سو مولانا محمد قاسمؒ کی عبارت میں بھی بظاہر کا وہی مطلب لیجئے جو یہاں مولانا احمد رضا خاں کی عبارت میں لیا جارہا ہے ۔ اس بظاہر کے ساتھ مفتی احمد یار صاحب کا بظاہر بھی ملا لیجئے اور اس کی روشنی میں تحذیر الناس کے بظاہر کو سمجھنے کی کوشش کیجئے :۔

"انما انا بشر" وغیرہ وہ آیات جو بظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں متشابہات ہیں" [2]

کیا کوئی آیت حقیقت میں شان مصطفوی کے خلاف ہوسکتی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔ معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے ہاں یہاں بظاہر حقیقت کے مقابلے میں ہے اس طرح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عبارت کا بھی اگر یہ مطلب لے لیا جائے کہ بسا اوقات ولی کا کوئی عمل مقدار میں پیغمبر کے عمل سے بھی بڑا دکھائی دیتا ہے گو یہ صرف ظاہر میں ہوتا ہے ۔ حقیقت میں کوئی ولی کسی پیغمبر سے عمل میں بھی نہیں بڑھ سکتا ۔ تو اس میں کیا حرج تھا مگر افسوس کہ بریلویوں نے اپنے اعتراض میں لفظ بظاہر کو ہی یکسر اڑا دیا ، تاکہ اعتراض پڑھنے والا خود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ جائے ۔

---

[1] ملفوظات حصہ چہارم صہ ۵۱　　[2] جاء الحق صہ ۱۷۸

تفصیل تہمت بر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

قدرت باری تعالیٰ کا بیان

سب اہل حق اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت کے قائل ہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ کسی بات کو نہ چاہے یہ اس کی مرضی لیکن یہ نہیں کہ وہ نہ چاہی بات پر قادر نہیں اور ایسا کرنے سے عاجز ہے (معاذ اللہ)

اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ ہر شخص ہدایت پر ہو اللہ رب العزت کے علم میں یہ بات طے تھی کہ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر اچھے برے دونوں طرح کے لوگ ہونگے لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہر شخص کو ہدایت پر رکھ سکتا تھا اس سے عاجز نہ تھا ہر شخص ہدایت یافتہ ہو یہ خلاف واقع ہے لیکن وہ ہر شخص کو ہدایت دینے پر قادر ضرور ہے۔ دوسرے لفظوں میں خلاف واقع (یعنی معدومات) پر پوری طرح قادر ہے قرآن کریم میں ہے :-

ولو شئنا لاتینا کل نفس ھداھا[1]

اور اگر ہم چاہتے تو سمجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ

یعنی بیشک ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو اس راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف دل فطرتاً راہ نمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لیے مضطر کر دینا حکمت کے خلاف تھا[2]

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ اپنی ناچاہی چیزوں پر بھی قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ہر بستی میں پیغمبر نہیں بھیجا ہاں امت کوئی ایسی نہیں گزری جس میں کوئی نذیر و بشیر نہ آیا ہو علم الٰہی میں بات طے تھی کہ ہر ہر بستی میں پیغمبر نہ آئے گا یہ بات کہ ہر ہر بستی میں

---

[1] پ ۲۱ السجدۃ [2] فوائد القرآن صفحہ ۵۴۰

پیغمبر مبعوث ہو خلاف واقع ہے لیکن کیا خدا اس پر قادر نہیں کہ ہر ہر بستی میں پیغمبر بھیجتا ؟ اس کا جواب قرآن کریم سے سُنئے :-

ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا [1]

اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر بستی میں ایک ڈرانے والا

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ اپنی ناچاہی چیزوں پر بھی قادر ہے۔

۳۔ علم الٰہی میں طے تھا کہ جس طرح پچھلی امتوں پر عذاب عامہ آتا رہا اس امت پر عذاب عامہ نہ آئے گا۔ علم الٰہی میں یہ چیز معدوم تھی لیکن کیا خدا اس پر قادر نہیں ؟ کیا وہ عذاب بھیجنے سے عاجز ہے ؟ ہرگز نہیں وہ اس پر قادر ضرور ہے مگر وہ ایسا کرے گا نہیں یہ اس کا فیصلہ ہو چکا ہے اس سوال کا جواب قرآن مجید سے سنئے :-

قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم [2]

ترجمہ: آپ کہہ دیں وہ قادر ہے اس پر کہ تم پر عذاب بھیجے تہارے اوپر سے یا تمہارے نیچے سے ——— یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے عموم قدرت کو بیان کر رہی ہے کہ وہ نہ ہونے ہوائے خلاف واقع امور پر قادر ضرور ہے۔

۴۔ اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لہو ولعب سے پاک ہے لیکن وہ اس کا ارادہ کر لیتا تو ہرگز اس سے عاجز نہ تھا یہ علیحدہ بات ہے کہ کھیل اس کی شان کے لائق نہیں وہ اس سے پاک اور منزہ ہے۔ قرآن میں ہے۔

لو اردنا ان نتخذ لھوا لا تخذناہ من لدنا ان کنا فاعلین [3]

ترجمہ:۔ اگر ہم کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے ایسا کر لیتے اگر ہمیں کرنا ہی ہوتا

---

[1] پ ۱۹ الفرقان ع ۵ [2] الانعام پ ۷ ع ۸ [3] پ ۱۷ الانبیاء ع ۲

اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نہ چاہی چیزوں پر قادر ضرور ہے گو یہ چیزیں اس کی شان کے لائق نہیں اور یہ بھی حق ہے کہ وہ ایسا کبھی نہ کرے گا تاہم اگر کرنے کا ارادہ ہوتا تو ضرور کر لیتا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہلِ حق کا عقیدہ ہے کہ اس کا بیٹا وغیرہ کوئی نہیں ہے وہ ان تمام چیزوں سے پاک اور منزہ ہے لیکن وہ اس کا ارادہ فرماتے تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا ٹھہرا لیتے وہ اس سے عاجز ہرگز نہ تھے بیٹا اس لیے نہ بنایا کہ ایسا کرنا اس کے شان کے لائق نہ تھا۔ قرآن کریم میں ہے :۔

لو اراد اللہ ان یتخذ ولداً لاصطفی مما یخلق ما یشاء سبحانہ ھو اللہ الواحد القھار [۱]

اور اگر اللہ ارادہ کرتا کہ اپنے لیے بیٹا بناتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا پاک ہے وہ ایک ہے اللہ سب پر غالب ہے۔

علماء دیوبندؒ فرماتے ہیں کہ یہ (بیٹا بنانا) بفرض محال کے طور پر بیان کیا گیا شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :۔

اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لیے چنتا [۲]

مگر مولانا احمد رضا خاں لو اردنا ان نتخذ لھوا الخ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :

اگر ہم بیٹا چاہتے تو ضرور اپنے پاس سے۔ اگر ہمیں کرنا ہوتا [۳]

مولانا احمد رضا خاں نے لھوا کا ترجمہ بیٹا کر کے سبب سے مسبب مراد لیا ہے اور بتایا ہے کہ بیٹا اسی لہو (کھیل) کے طریق سے ہوتا (معاذ اللہ) یہ تصور کسی ادنیٰ مسلمان کا بھی نہیں ہو سکتا۔

آیت کا ترجمہ اس طرح اب تک کسی مترجم نے نہ کیا تھا یہ باری تعالیٰ کے شان میں (مولانا احمد رضا خاں کا) نہایت گستاخانہ اور غلط تصور ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے کسی کو بیٹا بنانا ہوتا تو وہ

---

۱ پ ۲۳ الزمر ۲ فوائد الفرقان ص ۵۹۴ ۳ ملفوظات احمد رضا خاں حصہ دوم ص ۳

اپنی مخلوق میں سے ہی کسی کو چن لیتا جیسا کہ سورۂ زمر میں اللہ تعالیٰ نے خود تصریح فرمادی ہے اور وہ محض اعزازی شان میں ہوتا لیکن اس نے نہیں چاہا کہ اس کا بیٹا ہو ہاں اگر وہ چاہتا تو اس پر قادر ضرور تھا گو ایسا کرنا اسکی شان کے لائق نہ تھا اس لیے اس نے کسی کو بیٹا نہیں ٹھہرایا۔

ما کان اللہ ان یتخذ من ولد سبحانہ [1]

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا ٹھہرائے وہ اس سے پاک ہے۔

بہرحال یہ سورۂ زمر کی آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ارادہ کر لیتے کہ کسی کو بیٹا ٹھہرائیں تو وہ اس پر قادر ضرور تھے عاجز نہ تھے اس کی ان چاہی چیزیں بھی اس کی زیر قدرت ہیں قدرت سے باہر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ شرک کبھی نہ بخشے جائیں گے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء [2] لیکن کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ابوجہل کو بخش دے؟ وہ یقیناً اس پر قادر ہے گو وہ ایسا کرے گا نہیں کیونکہ وہ اس کا فیصلہ فرما چکا ہے اب اس کے خلاف نہ ہوگا اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا تعالیٰ اس عدمی چیز پر جو کبھی وجود میں نہ آئے گی قادر ہے تو اسے کھینچ کر امکان وکذب کی طرف لے جانا اچھی نیت پر مبنی نہیں یہ کہنا کہ اگر خدا چاہے تو فرعون وہامان کو بخش دے ہرگز غلط نہیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہ چاہے گا تاہم یہ بات ضرور ہے کہ مشرک کی مغفرت ممتنع بالذات نہیں اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے یہ ممتنع بالغیر ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا اپنا اعلان ہے کہ وہ مشرک کو نہ بخشے گا قاضی ناصر الدین البیضاوی (۶۸۵ھ) لکھتے ہیں۔

عدم غفران الشرک مقتضی الوعید فلا امتناع لذاتہ [3]

ترجمہ:- شرک کا نہ بخشا جانا اس وعید کی وجہ سے ہے جو اللہ نے اس پر فرمائی ورنہ اپنی ذات میں اس بخشش پر کوئی کاوٹ تھا

خدا تعالیٰ کی قدرت بے پایاں ہے چاہے تو ابلیس کو بھی بخش دے گو وہ ایسا نہ کرے گا اور چاہے تو اپنے تابعداروں کو آگ میں ڈال دے اس سے کوئی اسے نہیں روک سکتا گو وہ ایسا نہ کریگا

---

[1] پ۱۶ مریم ع ۲ [2] پ۵ النساء ع ۷ [3] تفسیر بیضاوی المائدہ ص

تاہم اس کی قدرت کو کبھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا ۔ حضرت شیخ یحییٰ منیریؒ (   ) لکھتے ہیں

اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چوں محمد صلے اللہ علیہ وسلم بآفرینذ [۱]

معتزلہ قدرت الٰہی کے اس عموم کے قائل نہ تھے وہ کہتے تھے اس عموم قدرت سے امکان کذب اور خلف وعید (کہ وہ پکڑ کے وعدہ کے خلاف کرے) لازم آتا ہے اس کے جواب میں علمائے اہل سنت لکھتے ہیں :۔ قلنا لا نسلم استحالتہ کیف وهما من الممکنات التی یشملها قدرة اللّٰہ [۲]

ترجمہ :۔ ہم کہیں گے ہم اس کے ناممکن ہونے کو تسلیم نہیں کرتے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ دونوں باتیں ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں قدرت الٰہی شامل ہے ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل بات قدرت خداوندی کا بیان تھا اسے کھینچ کر امکان کذب کا عنوان دیا گیا یہ معتزلہ کا خیال تھا کہ اس عنوان سے ڈر کر اہل سنت عموم قدرت خداوندی میں تاویل کریں گے لیکن انہوں نے یہاں بھی عموم قدرت کا عقیدہ قائم رکھا اور یہ بات بڑھا دی کہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بالفعل اپنی کسی بات کو غلط کرے اس نے جو فرمایا ویسا ہی ہوگا اس کے خلاف ہرگز نہ ہوگا اس کے کلام میں ہرگز کذب کا شائبہ نہیں اس کی طرف اتصاف امکان کذب ممتنع بالذات ہے [۳]

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں :

کانہ تعالیٰ بین لہ انہ مع القدرة علی بعثة رسول ونذیر فی کل قریة خصہ بالرسالة وفضلہ بہا علی الکل ..... ان الایة تقتضی مزج اللطف بالعنف لانہا تدل علی القدرة علیٰ ان یبعث فی کل قریة نذیراً مثل محمد وانہ لا حاجة بالحضرة الالٰھیة الیٰ محمد البتتہ (ولو) یدل علیٰ انہ سبحانہ لا یفعل ذلک فبالنظر الی الاول یحصل التادیب وبالنظر الی الثانی یحصل الاعزاز [۴]

یہ بات اہل حق میں مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے طے کردہ امور کے خلاف پر قادر ضرور ہے اس نے بیشک خبر دی کہ فلاں بات ہوگی یا نہ ہوگی اس کا خلاف محال بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے اور وہ غیر یہ ہے کہ اس نے ایسا چاہا نہیں ارادہ فرما لیتے تو اسے کوئی روک نہ سکتا تھا ۔

---

[۱] مکتوبات شریف حضرت شیخ یحییٰ منیری ص   [۲] شرح مواقف ص۹۰ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ   [۳] تذکرۃ الخلیل دیکھیے ص۱۳۱
[۴] تفسیر کبیر امام رازی سورہ فرقان جلد ۲۴ ص ۹۹

مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

اللہ نے خبر دی کہ فلاں بات ہو گی یا نہ ہو گی اب اس کا خلاف ممکن ہے یا محال ممکن تو ہے نہیں اور محال بالذات نہیں ہو سکتا کہ نفس ذات میں امکان ہے [1]

معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک بھی اس کے قول کا خلاف ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے اور وہ غیر کیا ہے ؟ یہ اس کا اعلان ہے کہ ایسا ہو گا یا نہ ہو گا مولانا جس بات کو ممکن کہہ رہے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ناممکن ہے اس کا خلاف وجود میں آئے جہاں تک محض امکان کا تعلق ہے وہ خود کہتے ہیں کہ نفس ذات میں امکان ہے۔

اب علمائے دیوبند پر فتوے کفر لگانے کے لیے صرف ایک ہی راہ رہ گئی تھی کہ امکان کی بحث کو ایک طرف رکھ کر ان پر الزام لگایا جائے کہ ان کے عقیدے میں (معاذ اللہ) خدا تعالیٰ بالفعل جھوٹ بولتا ہے اتنا بڑا دعوے کرنے کے لیے دستاویزی ثبوت درکار تھا مولانا احمد رضا خاں نے دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک فتوے دیکھا جس کا ایک فوٹو ان کے پاس موجود ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر بہتان

مولانا احمد رضا خاں نے الزام قائم کیا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فتویٰ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ (معاذ اللہ) بالفعل جھوٹ بولتا ہے اور انہوں نے مولانا کا یہ فتوے کہیں خود دیکھا ہے۔
سوال پیدا ہوا کہ وہ اصل فتوے کہاں ہے ؟ جس کا خاں صاحب نے رد کیا ہے وہ فتوے کہاں گیا ؟ اس کا جواب خاں صاحب کے پاس کچھ نہ تھا سوال ہوا کہ وہ فتوے دکھائیے جس کے سہارے ہندوستان کے اہل سُنت کے سر پر تفریق کا آرہ چلایا گیا ہے اور امت کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے اتنی موہوم سی بات پر اتنا بڑا اقدام کسی کے تصور میں نہیں آسکتا تھا تاہم ضروری تھا کہ حضرت گنگوہیؒ پر کسی نہ کسی طرح فتویٰ کفر لگایا جائے کیونکہ انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بالفعل حصہ لیا تھا اور گرفتار بھی ہوئے تھے انگریز چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں تفریق پیدا ہو اور برطانوی حکومت مضبوط کی جائے

---

[1] ملفوظات احمد رضا خاں حصہ ۴ صفحہ ۱۸

مولانا احمد رضا خاں کے سوا انہیں کوئی دوسرا سپوت نظر نہ آیا جو اس مہم کو سر انجام دے سکے اور اس طرح تفریق کرا سکے بہر حال مولانا احمد رضا خاں نے یہ فتوے خود ہی تصنیف کیا اور اس کے سہارے حضرت گنگوہیؒ پر کفر کا الزام لگا دیا یہ فتوے حضرت گنگوہیؒ کا ہوتا تو ان کی اپنی طرف سے بھی تو کہیں شائع ہوا ہوتا یہ بھی کوئی بات ہے کہ جہاں بھی چھپا مع رد کے اصل کہیں نہ چھپا نہ کسی اور نے دیکھا مولانا احمد رضا خاں کی عبارت دیکھئے اور انکو اس جھوٹ کی جسارت پر داد دیجئے۔

ظلم و گمراہی اس کا (حضرت گنگوہیؒ کا) یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا صاف لکھ گیا کہ جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا جانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اسے کفر بالائے طاق گمراہ درکنار فاسق بھی نہ کہو اس لیے کہ بہت سے امام ایسا ہی کہہ چکے ہیں [1]

مولانا احمد رضا خاں کی ہوشیاری اور جھوٹ ملاحظہ ہو یہ نہیں کہا کہ وہ فتوے خود ان کے پاس ہے بلکہ یہ کہا کہ وہ فتوے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی کہ کوئی شخص اس کے پیش کرنے کا مطالبہ نہ کر دے۔

مولانا احمد رضا خاں نے اس فرضی فتوے کے جو الفاظ تصنیف کئے وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

"میں نے کب کہا کہ میں وقوع کذب باری کا قائل نہیں ہوں"، یعنی وہ شخص اس کا قائل ہے کہ خدا بالفعل جھوٹا ہے جھوٹ بولا جھوٹ بولتا ہے [2]

فتوے کی فوٹو بھی مدینہ میں ہے

وہ فرضی فتوے جو مولانا گنگوہیؒ کے نام سے گھڑا گیا کہاں سے مل سکے گا اور کہاں محفوظ ہے یہ بات ایک طرف رہی اس کا ایک فوٹو بھی تجویز کیا گیا مولانا احمد رضا خاں کا دعوے ہے کہ جب وہ

---

[1] حسام الحرمین ص۱۰۲ [2] تمہید ایمان ص۱۵

مدینہ منورہ کے علمائے دیوبندؒ کے خلاف فتوے لینے کے لیے گئے تو ان کے پاس اس کی اصل کوئی نہیں تھی اس کا ایک فوٹو تھا۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت گنگوہیؒ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وہ فتوےٰ جس میں اللہ تعالیٰ کو صاف صاف کاذب جھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری دستخطی اس وقت تک محفوظ[1] ہے اور اس کے فوٹو بھی لیے گئے ہیں جن میں ایک فوٹو کہ علماء حرمین شریفین کو دکھانے کے لیے مع دیگر کتب دشنامیان لے گیا تھا سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتوےٰ اٹھارہ برس ہوئے ربیع الآخر ۱۳۰۸ میں رسالہ صیانتہ الناس کے ساتھ مطبع حدیقہ العلوم میرٹھ میں مع رد[2] کے شائع ہو چکا تھا پھر ۱۳۱۸ میں مطبع گلزار حسنی بمبئی میں اس کا اور مفصل[3] رد چھپا پھر ۱۳۲۰ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا اور قاہرہ[4] رد چھپا اور فتوےٰ دینے والا ۱۳۲۲ھ میں مرا اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتوےٰ میرا نہیں حالانکہ خود نہ چھپائی ہوئی کتابوں سے فتویٰ کا انکار کر دینا سہل تھا[5]

یہ عبارت مولانا احمد رضا خاں کے دیانت کی منہ بولتی تصویر ہے وہ اختلاف جو پوری امت میں تفرقہ ڈال رہے ہوں ان کی اساس کیا اسی طرح کے فتوؤں اور ان کے فوٹوں پر رکھی جاتی ہے انہی فرضی کارروائیوں پر یہ تشنگی ایک ہمیشہ کا احساس تھا جسے یہ حضرات بعد میں سالہا سال تک محسوس کرتے رہے اور اسی احساس کے تحت باوجودیکہ اصل کہیں نہ تھی بار بار اس کا رد شائع کرتے رہے۔ مولانا احمد رضا خاں کی ان دنوں اہمیت کتنی تھی کہ ان کی تحریر کا کوئی نوٹس لیا جائے اور ان کا تعاقب کیا جائے اس میں ہم شاہ جہانپور کے مولانا عبدالغنی صاحب کے بیان سے اتفاق کرتے ہیں:

---

[1] کہاں محفوظ ہے؟ یہ ایک راز ہے جو مولانا احمد رضا خاں نے نہیں بتایا مولانا ظفر الدین کے ایک بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دہلی میں وائسرائے ہند کے پاس محفوظ تھا [2] اس سے پتہ چلا کہ اسے صرف مخالفین ہی شائع کر رہے تھے اصل کا نام ونشان نہ تھا [3] گویا پہلا رد کافی نہ تھا کچھ کمی رہ گئی تھی جو پوری کی جا رہی تھی [4] رد میں کچھ اور کسر رہ گئی تھی جو انگریز کے بتانے سے پوری کی گئی [5] حسام الحرمین ص ۲۹

علماء ہیں ان کا کچھ شمار ہی نہ تھا اور علماء نے کبھی قابل خطاب نہیں سمجھا تھا[1]

باوجود ان باتوں کے بھی حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مطالبہ کیا کہ وہ فتوے دکھاؤ مگر خانصاحب آخر دم تک اسے پیش نہ کر سکے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ "اشکوہ الحاد" میں لکھتے ہیں :-

وہ فتوے ہم کو دکھاؤ وہ فتوے قطعاً اور یقیناً جعلی ہے بریلی اور بدایوں میں اکثر دستاویز اور تمسک جعلی بنتے ہیں ایک فتویٰ جعلی بنا لینا کیا دشوار ہے[2]

مولانا احمد رضا خاں کی ایک اور ہوشیاری دیکھئے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے نام سے گھڑے ہوئے اس فرضی فتوے کو عرب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب "ازالہ اوہام" جو ہر جگہ عام ملتی ہے کے ساتھ ملا کر پیش کیا اس سے یہ اثر دینا مقصود تھا کہ جب ایک چیز اصل موجود ہے تو دوسری بھی اصل ہی ہوگی فرضی نہ ہوگی نیز خانصاحب کی غرض یہ تھی کہ مولانا گنگوہیؒ کو قادیانی کے ساتھ ذکر کر کے اور زیادہ لائق مذمت بتلایا جائے بہرحال مولانا احمد رضا خاں اس فرضی فوٹو کا علمائے عرب کے سامنے ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں :-

وازالة الاوهام للقادياني وصورة فتيا رشيد احمد الكنكوهي فى فوتوغرافيا[3]

اور قادیانی کی کتاب ازالہ اوہام اور رشید احمد گنگوہی کے فتوے کی فوٹو

باقی رہا نفس مسئلہ کا بیان سو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا کھلا فتوے ان کے فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے جو مولانا احمد رضا خاں کے اس فرضی فتوے کے افسانے کی ایک کھلی تردید ہے اس فتوے کو ملاحظہ کیجئے اور مولانا احمد رضا خاں کے ہاتھ کی صفائی کی داد دیجئے۔ مولانا رشید احمد

---

[1] الجنۃ لاھل السنۃ صـ ۱۱۳ خانپور کے بریلوی مدرسہ کے مفتی سراج احمد صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "افسوس صد افسوس کہ مجھے اعلیٰحضرت کے وصال سے دو سال پہلے ان کا پتہ معلوم ہوا (المیزان احمد رضا نمبر صـ ۱۶) یہ صورتحال پتہ دیتی ہے کہ علماء کے طبقہ میں مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت کچھ زیادہ معروف نہ تھی [2] اشکوہ الحاد صـ ۱۷ [3] حسام الحرمین صـ ۹۲

صاحب گنگوہیؒ لکھتے ہیں :-

ذات پاک حق تعالیٰ جل جلالہٗ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف کذب کیا جائے معاذ اللہ تعالیٰ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں قال اللہ تعالیٰ ومن اصدق من اللہ قیلا [۱] جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے کہ وہ کذب بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے اور مخالف قرآن وحدیث اور اجماع امت کا - وہ ہرگز مومن نہیں - تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا [۲]

اس فتوے کو پڑھئے اور بار بار پڑھئے اور سوچئے کہ مولانا احمد رضا خاں جب یہ ہاتھ کی صفائی دکھا رہے تھے تو اس وقت وہ آخرت سے کس قدر بے خوف ہوں گے اور اگر ان کا ضمیر زندہ تھا تو اس وقت وہ انہیں کیا کہہ رہا ہوگا -

یہ مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو خبر دی کہ ایسا ہوگا وہ اس کے خلاف پر قادر ضرور ہے اس سے عاجز نہیں یہ بات حضرت گنگوہیؒ کے اس فتوے کے خلاف نہیں ہے اس بات پر پہلے معتزلہ بھی اہل سنت والجماعت کو امکان کذب کا الزام دے چکے ہیں اور اہل سنت اس کا انہیں جواب بھی دے چکے ہیں - معتزلہ کے جواب میں رقمطراز ہیں :-

استحالتهما ممنوعة کیف وهما ای الکذب والخلف من الممکنات التی تشملها قدرة وتعالیٰ [۳]

ترجمہ :- ان دونوں باتوں کا محال ہونا تسلیم نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ خلاف واقع ہونا اور کہی ہوئی بات الٹنا یہ دونوں باتیں ممکنات میں سے ہے جنہیں قدرت الٰہی شامل ہے -

کذب کے تحت القدرت ہونے سے اس کا واقع ہونا لازم نہیں آتا - شرح مختصر الاصول میں ہے -

---

[۱] پ۵ النساء　[۲] فتاویٰ رشیدیہ ص۲۸۹　[۳] شرح مواقف ص

ولا یلزم الکذب اذ لو وقع خلاف الخبر یلزم الکذب ولا نقول بوقوعہ بل بامکانہ وھو لا یستلزم الوقوع ¹ے

ترجمہ۔ اس سے اس کا جھوٹ بولنا لازم نہیں آتا اگر خلاف خبر واقع ہو جاتا تو جھوٹ بولنا لازم آتا اور ہم (اہلسنت) اس کے وقوع کے ہرگز قائل نہیں ۔ بات اتنی ہے کہ ہم صرف امکان (تحت القدرت ہونے) کے قائل ہیں اور یہ وقوع کو لازم نہیں ۔

اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت پر ائمہ اربعہ کے مقتدر علماء سب متفق ہیں اور یہی جمہور اہل اسلام کا اعتقاد ہے ۔ حافظ ابن تیمیہ حنبلی (۷۲۸ ھ) لکھتے ہیں :

قال الجمھور وھو قول کثیر من اصحاب ابی حنیفہ و مالک والشافعی و احمد وغیرھم ان الظلم مقدور فکان الجمھور قالوا ان خلف الوعد جائز ممکن وان کان اللہ لا یخلف وعدہ ابدا ²ے

ترجمہ۔ جمہور کہتے ہیں اور یہی فیصلہ امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ اجمعین کے اصحاب کا ہے کہ ظلم تحت القدرت ضرور ہے (گو ایسا کبھی نہ ہوگا) گویا جمہور کہتے ہیں کہ خلف وعدہ ہو سکتا ہے اور ممکن ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ ایسا کبھی نہ کرے گا ۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

اذ لو کان ممتنعا لما وقع الکذب من احد فھو ممتنع بواسطہ انہ مناف لکمالہ تعالیٰ فیکون ممتنعا بالغیر والامتناع بالغیر لا ینافی امکان الذاتی ³ے

ترجمہ ۔ اگر یہ بات اپنی ذات میں ناممکن ہوتی تو کسی شخص سے بھی جھوٹ کا صدور نہ ہوتا سو یہ بات ناممکن اس جہت سے ہے کہ یہ اسکی شان کمال کے خلاف ہے سو یہ ممتنع بالغیر ہونا امکان ذاتی کے خلاف نہیں ۔

---

¹ے ²ے منہاج السنۃ ص ³ے حاشیہ شرح مواقف ص مصر

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں بھی دونوں باتوں کی تصریح ہے۔ (جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ خدا جھوٹ بولتا ہے وہ کافر اور ملعون ہے (۲) حق تعالیٰ نے جو خبر دی کہ ایسا ہوگا وہ اس کے خلاف پر قادر ہے اگرچہ ایسا وہ نہ کرے گا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا یہ فتوے عربی میں ترجمہ ہو کر مکہ معظمہ میں بھی پیش ہوا چاروں مذہبوں کے مفتیوں نے اس کی تصدیق فرمائی۔ فتاویٰ رشیدیہ صنـ۹۰ میں اس عربی فتوے پر یوں دستخط موجود ہیں۔

رشید احمد ۱۳۰۱

مہر مفتی حنفیہ مکہ معظمہ	مہر مفتی شافعیہ مکہ معظمہ	مہر مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ	مہر مفتی حنبلیہ مکہ مکرمہ

اب جو بھی کہے کہ مولانا گنگوہیؒ معاذ اللہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا (معاذ اللہ) جھوٹ بولتا ہے اگر کذاب و مفتری نہیں تو اور کیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں۔

حالانکہ خدا تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضرور لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے [1]

عموم قدرت باری کا عقیدہ اپنی جگہ مسلم لیکن یہ مناسب نہیں کہ اسے امکان کذب سے تعبیر کیا جائے یہ مقام ادب کا ہے اکابر علماء اہل سنت والجماعۃ نے جہاں اس کی وضاحت کی وہ صرف معتزلہ کی تردید میں تھی جو عموم قدرت کی نفی کرنا چاہتے تھے ان کی واضح تردید ضروری بصورت مجبوری تھی۔ علماء دیوبندؒ امکان کذب کے اس عام اطلاق کو پسند نہیں کرتے۔ مولانا عبدالغنی صاحب شاہ جہانپوری لکھتے ہیں۔

ہمارے علماء امکان کذب کے لفظ کو ایہام سوء ادب کی وجہ سے بے ضرورت اطلاق کرنے کو منع فرماتے ہیں جیسے لفظ خالق الخنازیر والقردۃ والقاذورات وغیرہا کے اطلاق کو منع کیا جاتا ہے وقت ضرورت پر مجبور ہیں [2]

---

[1] الاسلام صـ۳۹ اعزازیہ دیوبند [2] الجنۃ لاہل السنۃ صـ۱۱۴ طبع دہلی

اس پر حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی بھی تصدیق موجود ہے۔

اب آپ ہی غور کریں کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نام سے خدا کے بالفعل جھوٹ بولنے کا خبیث فتوے کہاں سے گھڑ لیا ہے اور پھر اس کا فرضی فوٹو بھی مدینہ منورہ کیوں چھوڑ آئے اس سے خانصاحب کی دیانت و امانت پوری طرح آشکار ہوتی ہے ان ھذا الا بھتان عظیم۔

حضورؐ کو رحمۃ للعالمین نہیں مانتے

مولانا احمد رضا خاں نے جب دیکھا کہ خدا تعالےٰ کو جھوٹا کہنے کا فرضی فتوے اور اس کے فوٹو کا قصہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ پر چسپاں نہیں ہو سکا تو ایک اور الزام تراشا

ان لوگوں نے یہ بات بنائی ہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین نہیں مانتے پیشتر اس کے کہ حضرت مولانا کی اصل عبارت پیش کی جائے ایک علمی اصطلاح جو یہاں مذکور ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

اہلِ علم کے ہاں صفت اور خاصہ میں فرق ہے خاصہ وہ صفت ہے کہ جو کسی ایک فرد یا نوع میں ہی پائی جائے اور کسی میں موجود نہ ہو لیکن محض صفت کئی افراد یا انواع میں بھی ہو سکتی ہے کسی مخلوق سے کسی خاصہ کی نفی کی جائے تو اس سے اس صفت کی نفی نہیں ہوتی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس مخلوق میں یہ صفت خاصہ کے درجے میں نہیں ہے کہ کسی اور میں بالکل ہی نہ ہو جیسے ضحک (ہنسنا) انسان کا خاصہ ہے کسی اور مخلوق میں نہیں پایا جاتا۔ یہ محض صفت نہیں انسان کا خاصہ ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ رحمۃ للعالمین ہونا یہ صرف حضورؐ کی صفت ہے یا کسی اور چیز میں بھی یہ صفت پائی جا سکتی ہے مولانا مرحوم

نے فرمایا کہ یہ حضور کا خاصہ نہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ حضورؐ کی ایسی صفت ہے جو حضورؐ کی ذات گرامی سے خاص نہیں اور کسی میں بھی یہ صفت پائی جا سکتی ہے اس میں حضورؐ کی صفت کا انکار نہ تھا اسے حضورؐ تک محدود رکھنے کا انکار تھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے لکھا تھا۔

لفظ رحمۃ للعالمین صفت خاصہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء وانبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیا جائے تو جائز ہے [1]

مولانا مرحوم نے اس عبارت میں بڑے واضح طور پر لکھا کہ " جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے اعلےٰ ہیں" یعنی جو خاص صفت رحمۃ للعالمین حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے فی الحقیقت اس میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں ہے آپ نے یہاں پر رحمۃ للعالمین کے صفت خاصہ ہونے سے انکار فرمایا ہے حضورؐ سے اس صفت کا انکار نہیں کیا لیکن اس سے بریلویوں نے جو نتیجہ اخذ کیا اور اسے جاہل پیروؤں اور ان پڑھ مریدوں میں پھیلا کر انہیں بھڑکاتے رہے وہ یہ ہے کہ مولانا گویا حضورؐ کو رحمۃ للعالمین ہی نہیں مانتے بلکہ مولوی محمد عمر صاحب اچھروی نے اس کا جو مطلب سمجھا وہ ان کے بیان کے مطابق یہ ہے۔

دیوبندیوں کے نزدیک تمام دیوبندی مولوی رحمۃ للعالمین ہو سکتے ہیں [2]

بریلویوں میں اگر ذرا بھی کوئی علمی قابلیت ہوتی قرآن مجید اور احادیث شریفہ سے انہیں کوئی لگاؤ ہوتا تو ہرگز ہرگز یہ نتیجہ اخذ نہ کرتے۔ قرآن کریم سے دو مثالیں لیجئے۔

(۱) قرآن حکیم میں اللہ رب العزت پر بھی رحیم کا اطلاق کیا گیا ہے اور حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رحیم کا لفظ موجود ہے لیکن کیا کوئی احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شان اللہ تعالیٰ

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۹ [2] مقیاس حنفیت صفحہ ۱۹۸

کی رحیمی کی ہے وہی شان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رحیمی کی بھی ہے۔ پس ایسے ہی یہاں پر سمجھنا چاہیئے کہ اگر بتاویل دیگر انبیاء وغیرہ پر رحمۃ للعالمین کا اطلاق کیا جائے تو اس سے ہرگز ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں جگہ رحمت کی شان ایک ہی ہو بلکہ دونوں میں وہی فرق ہوگا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی ذوات میں ہے

۲۔ مومنین کرام تمام کائنات اور جہانوں کی بہترین مخلوق ہیں جو چیز مومنین کے لیے رحمت ہوگی اس کا عالمین کے لیے رحمت ہونا خود لازم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین [1]

ترجمہ۔ اور قرآن میں ہم ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ مومنین کے حق میں شفا اور رحمت ہیں

اب بتائیے کہ قرآن کریم رحمۃ للعالمین کیوں نہ ہوگا قرآن کریم کے رحمۃ للعالمین ہونے سے حضورؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ نے خاصہ کی علمی اصطلاح میں اگر یہ کہہ دیا کہ رحمۃ للعالمین حضورؐ کا خاصہ نہیں (یہ صفت قرآن کی بھی ہو سکتی ہے) تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ حضورؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے کی صفت کا انکار ہے آخر کس دیانت و امانت کا فیصلہ ہے؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ کی مذکورہ بالا عبارت میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ للعالمین کی نفی نہیں کی گئی بلکہ بعض اوروں پر بھی رحمۃ للعالمین کے اطلاق کو بتاویل جائز کہا ہے اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے مگر لاعلمی، جہالت اور ضد کا کوئی علاج نہیں۔ ان اللہ لا یھدی من ھو کاذب کفار۔

اتمام حجت کے لیے ہم حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی کتاب بوستان سے ایک شعر پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے حاکم کی تعریف کرتے ہوئے اس کو رحمۃ للعالمین کہا ہے

---

[1] پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۹ ؎ یحیٰی منیری (۸۱ء)

تو ئی سایہ لطف حق بر زمین   پیمبر صفت رحمۃ للعالمین [1]

ترجمہ ۔ تو زمین پر کرم خداوندی کا سایہ ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمت کی طرح کے تمام جہانوں کے لیے رحمت ہے ۔

انصاف کا تقاضا تھا کہ مولانا احمد رضا خاں حضرت شیخ سعدی کے خلاف بھی اسی سطح پر اترتے جو انہوں نے علماء دیوبند کے خلاف اختیار کی لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا آخر کیوں ؟ کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ حضرت شیخ سعدی انگریزوں کے خلاف برسرپیکار نہ ہوئے اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شریک ہوئے اور گرفتار بھی ہوئے ۔ اگر یہ وجہ فارق نہیں تو کوئی اور وجہ وجیہ بیان فرمائیے ۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تو سب انبیاء کرام کو رحمۃ للعالمین کہتے ہیں ان کے عقیدہ میں سب انبیاء کرام رحمۃ للعالمین تھے پس یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت خاصہ کیسے رہی ؟ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے منتخب مکتوبات کا عربی ترجمہ جو شیخ حلیمی نے استامبول سے شائع کیا ہے اس میں دفتر سوم کے مکتوب ۱۷ میں دیکھیے ۔

> والانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات رحمات عالمین بعثہم اللہ سبحانہ لہدایۃ الخلق و دعی عبادہ بتوسط ھؤلاء الاکابر الی جناب قدسہ وھداھم الی دار السلام [2]

ترجمہ ۔ اور انبیاء کرام سب کے سب رحمۃ للعالمین تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لیے بھیجا اور اپنے بندوں کو ان اکابر کے واسطہ سے اپنے دربار مقدس میں بلایا اور انہیں سلامتی کے گھر کی راہ دی ۔

---

[1] بوستان ص کلیات سعدیؒ ص۲۸۹ طبع ایران [2] المنتخبات من المکتوبات ص۱۹۹ مکتوب نمبر ۱۷ دفتر سوم

رحمۃ للعالمین کی ایک اور مثال

بریلوی لوگ اپنے اس دعویٰ میں کہ رحمۃ للعالمین کے الفاظ کسی تاویل سے بھی کسی اور پر نہیں آسکتے۔ یہ صرف خاصہ حضور رسالتمآب کا ہے اگر واقعی مخلص ہیں تو پھر وہ اپنے پیروں کی مدح و توصیف کرتے ہوئے ان کے لیے یہ الفاظ کیوں لے آتے ہیں ؟ مولوی غلام جہانیاں اپنے پیر صدر الدین کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

برائے چشم بینا از مدینہ بر سر ملتاں بہ شکل صدر دیں خود رحمۃ للعالمین آمد[1]

ترجمہ۔ جن کی باطن کی آنکھ کھلی ہے (وہ جانتے ہیں) کہ حضور رحمۃ للعالمین ہی مدینہ سے صدر دین کی صورت میں ملتان پہنچے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جتنی زمینیں پیدا کیں ان سب میں امر الٰہی کا نزول ہوا سو ان کے لیے کوئی نہ کوئی مرکز رحمت بھی ضرور تھا۔ مولانا لکھتے ہیں :-

ہر کجا ہنگامہ عالم بود رحمۃ للعالمینے ہم بود

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ درجہ میں رحمۃ للعالمین ہیں دیگر انبیاء و اولیاء آپ کے فیضِ نور سے اپنے اپنے درجہ میں جہانوں کی رحمت بنیں تو اس سے کونسا مانع شرعی ہے ؟ حق یہ ہے کہ بریلویوں کا یہ اعتراض ایک مغالطے سے زیادہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ جب کوئی ضد پر ہی آجائے تو اسے مخالف کی ہر چیز کھٹکتی ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری پر بہتان

مولانا احمد رضا خاں کی دیانت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر الزام تراشی میں رسوا ہوئی مولانا خلیل احمد صاحب کے بارے میں بھی اس کا یہی حال ہے پیشتر اس کے کہ اس کی تفصیل کی جائے ایک علمی سوال ضرور ملحوظ رہنا چاہیئے مولانا احمد رضا خاں اور ان کے پیرو آج تک اس سوال

---

[1] دیوان محمدی ص ۲۲

کا جواب نہیں دے سکے اس لیے نہیں کہ یہ سوال بہت مشکل تھا یا اس کا جواب انہیں نہ آتا تھا بلکہ اس لیے کہ اس کا جواب دینے سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ پر باندھے ہوئے بہتان کی پوری عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے۔ یہ سوال مولانا مرتضٰے حسن صاحبؒ نے مولانا احمد رضاں سے ۱۳۲۶ھ میں کہا تھا :-

اگر کسی اذل خلائق کو کسی ادنیٰ شئے کا علم یا قدرت کسی نص سے ثابت ہو اور کسی ولی یا نبی کی نسبت وہ خاص شئ منصوص بہ علم یا قدرت نہ ہو تو اگر اس شئ کا علم اول کو ثابت کیا جائے نہ ثانی کو تو کیا اس میں اول کی تعظیم و توقیر اور ثانی کی ذلت و توہین ہو گی ؟ اور وہ تمام علم و فضل اور کمالات ولایت و نبوت اب جاتے رہیں گے ؟ اگر ذلیل پیشوں یا ناجائز علموں کو جو آج کل کے مزوّر و ضاع چور ڈاکو جانتے ہیں ان کو تو ثابت کیا جائے اور اولیاء کرام اور انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے نفی کی جائے یا سکوت کیا جائے تو یہ لوگ اولیائے کرام اور انبیائے عظام سے بڑھ جائیں گے ؟ اس میں اولیاء اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی توہین لازم آئے گی اور نافی، ساکت کافر ہو جائے گا ؟

مولانا احمد رضا خاں صاحب اس سوال کا جواب اگر اس وقت دے دیتے تو یہ مسئلہ اب سے تقریباً صدی پہلے حل ہو چکا ہوتا اب بھی بریلوی مسلک کے علماء اگر اس کا جواب تحریر کر دیں تو معاملہ بہت کچھ سلجھ سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ تاریخی پس منظر بھی سامنے رکھئے :-

۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی حکومت۔ استحکام پکڑا تو اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمانوں میں کوئی نئے نئے مسائل اور نئے نئے عنوان زیر بحث لائے جائیں تاکہ یہ لوگ ان میں ہی الجھے رہیں اور آئندہ کسی وقت انگریزوں کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں انبیاء و اولیاء کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جس پر آج تک حدیث، تفسیر، فقہ، علم کلام کی کسی کتاب میں "باب

کون النبی حاضراً و ناظراً فی کل مکان و حین" نہ باندھا گیا تھا نہ مسلمانوں کے علمی حلقوں میں اس عقیدے کا کوئی وجود تھا نہ حدیث کی کتابوں میں اس عقیدے کا کوئی نشان ملتا تھا۔

نئے موضوع پر نئے دلائل

جب موضوع نیا ہو تو دلائل بھی نئے سرے سے مہیا کرنے پڑتے ہیں اس نئے مسئلے پر دلائل وضع کرنے کی ذمہ داری مولانا عبدالسمیع رامپوری پر آئی بجائے اس کے کہ قرآن کریم سے یہ دعوے پیش کرتے انہوں نے محض اٹکل اور قیاس سے اپنا یہ فرض پورا کیا۔ آپ عقائد جیسے نازک اور اہم موضوع پر محض قیاس سے یوں گویا ہوئے اور مقیس علیہ بھی کس کو بنایا ؟ شیطان کو !۔

شیطان بیک وقت مشرق و مغرب میں لوگوں کو گمراہ کرتا ہے ملک الموت بیک وقت مشرق و مغرب میں روحیں قبض کرتا ہے تو اگر وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوسکتا ہے تو انبیاء و اولیاء کیوں نہیں ہوسکتے۔ شیطان کو ہر وقت علم ہے کہ کس کو کس طرح گمراہی پر لانا اور نیکی سے ہٹانا ہے تو حضورؐ کو ہر شخص کے دل کے ارادوں کا ہر وقت علم کیوں نہ ہوگا [1]

شیطان کو مقیس علیہ بنانا

انبیاء و اولیاء کی صفات کو شیطان کی صفات پر قیاس کر کے ثابت کرنا معلوم نہیں بریلویوں نے کہاں سے اخذ کیا ہے ؟ بہرحال اسی اصول پر بریلوی مکتب فکر کی بنا پر قائم ہوئی اور اسی لائن پر سوچتے ہوئے مولانا احمد رضا خاں نے حضرت سہارنپوریؒ پر یہ بہتان باندھا تھا۔

براہین قاطعہ میں تصریح کی کہ ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور اس کا برا قول خود اس کے الفاظ میں ص۴۷ پر یوں ہے "شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے [2]

---

[1] راجع لہ الانوار الساطعہ ص۔ ملخصاً [2] حسام الحرمین ص۱۰۳

شیطان کا محدود دائرہ علم

خاں صاحب نے یہاں یہ بات نہیں کھولی کہ شیطان کے علم کی خاص نوع مراد تھی یا مطلق علم ؟ نہ انہوں نے یہ بات کھولی کہ شیطان کو کس قسم کا مکر وحیلہ اور علم دفن دیا گیا ہے ۔ شیطان کے علوم رذیلہ اور انبیار علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے علوم شریفہ میں کیا فرق ہے ؟ اگر وہ یہ بات کھول دیتے تو ان کا مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ پر اعتراض پادر ہوا ہو جاتا اور لوگوں کو علم ہو جاتا کہ حضرت سہارنپوریؒ نے شیطان کے لیے جس علم کی وسعت مانی ہے وہ مطلق علم نہیں بلکہ اس کے اپنے دائرہ کار کا علم تھا اور وہ علم رذیل ہے جسے وہی یا اسی کے طبقے کو لوگ جانتے ہیں ۔ وہ علم ہرگز نہیں جس میں انبیار کرام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں انبیار کے علوم بہت اشرف و برتر ہیں انہیں کوئی اور مخلوق ہرگز نہیں پہنچ سکتی چہ جائیکہ ابلیس لعین ۔

حضورؐ کے مطلق علم سے غلط مقابلہ

خاں صاحب اگر یہ بات کہہ دیتے کہ حضرت سہارنپوریؒ نے شیطان کے علم کی وسعت مطلق علم میں نہیں مانی بلکہ اس خاص علم میں جو اس کے دائرہ کار سے متعلق ہے اور وہ بھی اس لیے کہ اس کے لیے یہ وسعت نص سے ثابت ہے اور یہ کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے انبیار کرام کے لیے اس خاص وسعت علم کی نص کا مطالبہ کیا ہے جو شیطان کے دائرہ کار سے متعلق ہے تو یہ بات اپنی جگہ اور واضح ہو جاتی ۔ مسئلہ صرف یہی سامنے آتا کہ شیطانی علوم آپ کو حاصل تھے یا نہیں ؟

افسوس کہ خاں صاحب نے یہ بات بہت مجمل رکھی اور شیطان کے اپنے دائرہ علم کی وسعت کا ذکر کئے بغیر اس کا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مطلق علم سے مقابلہ کر دیا جس کی کسی مسلمان کو جرأت نہ ہو سکتی تھی اور مولانا پر الزام لگا دیا کہ وہ حضورؐ کے مطلق علم کو شیطان کے مطلق علم سے (معاذ اللہ) کم مانتے ہیں حالانکہ مولانا خلیل احمد صاحب نے یہ بات نہ کہی تھی ۔

حضرت مولانا مرتضےٰ حسن صاحبؒ نے اس سلسلے میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث

سہارنپوریؒ سے استفسار کیا حضرت سہارنپوریؒ نے جو جواب تحریر فرمایا اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

"میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر و مرتد و ملعون جانتے ہیں جو شیطان علیہ اللعن کو کیا کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے علم میں زیادہ کہے چنانچہ براہین کے صفحہ ۷ پر یہ عبارت موجود ہے پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا انتہی ——

خاں صاحب بریلوی نے مجھ پر یہ محض اتہام لگایا ہے اس کا حساب روز جزا ہوگا یہ کفریہ مضمون کہ شیطان علیہ اللعن کا علم نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہے براہین کی کسی عبارت میں نہ صراحۃً ہے نہ کنایۃً۔"

غرض خاں صاحب بریلوی نے یہ محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے مجھ کو تو مدت العمر کبھی وسوسہ بھی اس کا نہیں ہوا کہ شیطان کیا کوئی ولی فرشتہ بھی آپ کے علوم کی برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو یہ عقیدہ جو خانصاحب نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے کفر خالص ہے اس کا مطالبہ خانصاحب سے روز جزا ہوگا میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک وکفی باللہ شہیدا اہل اسلام عبارات براہین کو بغور ملاحظہ فرماویں مطلب صاف اور واضح ہے

بندہ خلیل احمد وفقہ اللہ للتزود لغد [1]

اب بھی کیا کوئی بدبخت کہہ سکتا ہے کہ مولانا خلیل احمد صاحب کا معاذ اللہ یہ عقیدہ تھا کہ (معاذ اللہ) شیطان کا علم حضورؐ کے علم سے زیادہ ہے ایسی غلط بات کہتے کچھ تو خدا کا خوف کیجئے

اب ہم براہین قاطعہ کی چند عبارات درج کرتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی مراد بالکل صحیح تھی اگر کہیں ابہام بھی ہوتا تو بھی اس میں قول مصنف ہی کا اعتبار تھا۔ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان مثل مشہور ہے بہرحال حضرت مولانا خلیل احمد براہین میں لکھ آئے تھے۔

---

[1] الختم علی لسان الخصم ص۱۰

> تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخر عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوق کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کر دیا اور بتلا دیا اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ کا علم ثابت کرنا شرک ہے [۱]

یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ یہاں مخلوق کے لیے علم ذاتی ثابت کرنے کو شرک کہہ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس میں کسی شخص کو کلام نہیں ہو سکتا خود مولانا احمد رضا خاں بھی تو یہی کہتے ہیں:

> علم ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے [۲]

اب بتائیے اس عقیدہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور مولانا احمد رضا خاں میں کیا فرق رہا؟ بریلوی حضرات اگر اس پر مولانا خلیل احمد صاحب پر فتوائے کفر لگاتے ہیں تو مولانا احمد رضا خاں پر وہ فتوائے کیوں منطبق نہیں کرتے۔ پھر حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ یہ بھی لکھ چکے تھے۔

> پھر جس کو جس قدر کوئی علم و قدرت وغیرہ عطا فرما دیا ہے اس سے زیادہ ہرگز ذرہ بھر بھی نہیں بڑھ سکتا شیطان کو جس قدر وسعت دی اور ملک الموت کو اور آفتاب و ماہتاب کو جس وضع پر بنایا ہے اس سے زیادہ کی ان کو کچھ قدرت نہیں [۳]

اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس عبارت میں جو مولانا احمد رضا خاں نے علماء عرب کے سامنے پیش کی تھی اور وہ حسام الحرمین میں منقول ہے۔ مولانا خلیل احمد صاحب کی مراد وہ علم ذاتی تھا جو بغیر عطاء الٰہی حضورؐ کے لیے ثابت کیا جائے اور ظاہر ہے کہ اس کے شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں یہ ص ۴۴ اور ص ۴۶ کی عبارتیں ص ۴۷ کی اس عبارت سے

---

[۱] براہین قاطعہ ص ۴۴ [۲] خالص الاعتقاد ص ۲۲ [۳] براہین قاطعہ ص ۴۶

پہلے تھیں جسے مولانا احمد رضا خاں نے لائق اعتراض بنایا کاش کہ وہ ان پہلی عبارات پر غور کر لیتے اور ان کی روشنی میں ص۴۷ کی وہ عبارت پیش فرماتے جس پر انہوں نے علماء عرب کو مغالطہ دیا تھا۔

پھر اس عبارت کے آگے ص۴۸ پر یہ عبارت بھی ملتی ہے۔ جو پہلی بات کی بالکل وضاحت کئے دیتی ہے۔

اور یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ کرے جیسا کہ جہلاء کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے یہ عقیدہ درست بھی نہیں اور بدون حجت ایسی بات کو عقیدہ کرنا موجب معصیت کا ہے [۱]

یہ چار عبارتیں آپ کے سامنے ہیں ص۴۴ کی، ص۴۶ کی، ص۴۷ کی اور ص۴۸ کی۔ ان میں سے ص۴۷ کی نامکمل عبارت سے لینا اور باقی اگلی پچھلی عبارات چھوڑ دینا کون سی دیانت اور امانت ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے ص۴۴، ص۴۶ اور ص۴۷ کی عبارات جو اس کی تشریح کر رہی تھیں انہیں یکسر چھوڑ دیا یا انگریزوں کے کھاتے میں ڈال دیا کیا یہی دیانت اور امانت کا فیصلہ تھا مصنف کی ان صاف اور صریح عبارات کے بعد بھی کیا کسی انصاف پسند کو کوئی شبہ رہ سکتا تھا ہر گز نہیں۔

عبارت زیر بحث میں ابلیس اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مطلق علم کا ہر گز مقابلہ نہ تھا۔ شیطان کے لیے وہ سفلی علوم جو نص سے ثابت ہیں انہیں محض قیاس سے حضور کے لئے بے عطائے الٰہی ثابت کرنا زیر بحث تھا اور ظاہر ہے کہ یہ تو ہر ایک کے نزدیک شرک ہے اور یہ ہر گز کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

حضورؐ کے کمالات میں کوئی آپ کا مماثل نہیں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں کوئی حضور

---

[۱] ایضاً ص۴۸

صلے اللہ علیہ وسلم کا مماثل نہیں یہ بات حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پہلے کہہ آئے ہیں۔ بریلوی حضرات اس عبارت کو ہی دیکھ لیتے تو مولانا مرحوم پر تکفیر کا گولہ اس بے دردی سے نہ پھینکتے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں :-

پس کوئی ادنیٰ مسلم بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ کے تقرب و شرف کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا [۱]

کیا اس میں صراحت نہیں کہ کوئی مخلوق بھی حضورؐ کی شان اور مرتبے کے برابر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ ابلیس لعین ؟

علماء دیوبند کا یہی عقیدہ ہے کہ کوئی مخلوق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں آپ کے برابر نہیں چہ جائیکہ آگے بڑھ سکے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اس موضوع پر ایک مفصل بیان ہے جو سند کی حیثیت رکھتا ہے و مسلک علماء دیوبند پر ایک فیصلہ کن تحریر ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مغیبات جنس احکام سے ہونگی یا جنس اکوان سے پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی کی باعتبار ماضی۔ حال مستقبل کی تین قسمیں کی گئی ہیں ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول الخ (جن رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل و تبویب اذکیائے امت نے کی اور اکوان غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریم صلعم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں [۲]

---

[۱] ایضاً ص ۴۲
[۲] تفسیر عثمانی ص ۵۵۲

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت محدث سہارنپوریؒ کی جس عبارت کو کفر قرار دیا اب ہم اسے پیش کرتے ہیں آپ اس پر اور غور فرمائیں اور ایک ایک قید پر گہری نظر رکھیں انشاء اللہ کہیں شبہ واقع نہ ہوگا۔

شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے [1]

اس عبارت میں یہ کا لفظ فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ شیطان کو جو برائی اور شر کے علوم حاصل ہیں وہ علوم رذیلہ پیغمبروں کو حاصل نہیں اور انہی علوم کی وسعت میں بات چل رہی ہے یہ علوم پیغمبروں کی شان کے مناسب نہیں۔ پیغمبروں کے علوم اعلیٰ واشرف ہوتے ہیں سفلے اور کمینے علوم سے ان کی ذات بہت بلند ہے اگر کوئی یہ کہے کہ علوم رذیلہ کی یہ وسعت شیطان کے لیے نص سے ثابت ہے۔ پیغمبروں کے لیے شر اور کمینے علوم کا دعوےٰ کرنا اس کے لئے کون سی نص ہے؟ تو اس سوال میں کون سی جرح کی بات ہے؟ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ شیطان لعین کے علم کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ کہا ہے۔ اگر خیانت اور شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟ حق یہ ہے کہ پیغمبروں کے لیے شر اور کمینہ پن کی وہ راہیں نہیں کھلی ہوئیں جو شیطان لعین کے لیے کھلی ہیں بلکہ شیطان تو بنا ہی انہی کاموں کے لیے تھا۔

"یہ وسعت" میں لفظ یہ فیصلہ کن ہے

اس عبارت میں لفظ یہ کو نظر انداز کر کے ان پڑھ اور جاہل مریدوں میں یہ بات پھیلانا کہ شیطان کے علم کو پیغمبر کے علم سے زیادہ کہہ دیا ایک مغالطے سے زیادہ کوئی درجہ نہیں رکھتا؟ لفظ یہ علم کے موضوع کو محدود کر چکا ہے اسی طرح ملک الموت اپنے موضوع کا علم رکھتا ہے لیکن پیغمبرانہ علوم کی دولت اس کے پاس بھی نہیں ہے لفظ یہ اس کے علوم کو بھی اس

---

[1] براہین قاطعہ ص ۴۷ حسام الحرمین ص ۱۰۳

کے دائرہ کار میں محدود کر چکا ہے اس ایک موضوع میں اگر اسے وسعت علمی حاصل ہے تو اس جزئی وسعت سے یہ کیسے لازم آیا کہ ملک الموت کا مطلق علم حضورؐ کے علم سے زیادہ ہو پس اس مضمون کو اس اپنی عبارت میں لانا جو مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں لکھی ہے ایک مغالطے اور خیانت سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا ۔ پھر اس پوری عبارت میں اگلے الفاظ "علم آپ کا ان امور میں" بھی لائق غور ہیں جو بتا رہے ہیں کہ مطلق علم کی گفتگو نہیں ہو رہی صرف انہی امور میں ہو رہی ہے جو ملک الموت کی کارکردگی کا موضوع ہیں ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے ان امور کا تفصیلی علم ملک الموت کو دینا ضروری تھا یہ علم اور اس کے مطابق کام پیغمبرانہ ذمہ داری میں داخل نہیں تھے جزئی وسعت کو مطلق وسعت قرار دینا اور اس پر اپنی اشتعال انگیز عبارت چڑھانا دھوکہ فریب اور خیانت کی انتہا ہے علمائے دیوبندؒ کا ہرگز وہ عقیدہ نہیں جو بریلوی حضرات ان کے ذمہ لگاتے ہیں ۔

کس قدر صریح بہتان ہے جو مولانا احمد رضا خاں نے حضرت محدث سہارنپوریؒ پر باندھا ظالم و مظلوم اب دونوں اللہ کے حضور پہنچے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے کردار کے ساتھ اس کی بارگاہ میں پیش ہیں ہمارے کسی کو اعلحضرت اور واہ واہ کہنے سے اس کا کوئی نفع نہیں اور بلاوجہ کسی کو کافر اور برا کہنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہر ایک اپنے اعمال کے ساتھ آخرت میں جواب دہ ہے یہاں کسی کا دل چیر کر اس کے عقیدے کو دیکھا نہیں جا سکتا ہے ۔ دل کی بات کا اظہار زبان یا قلم سے ہی ہوتا ہے جو لوگ مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی ان مفصل عبارات کے ہوتے ہوئے ایک مجمل عبارت کو اسکے سیاق و سباق اور معنی مراد سے کاٹ کر اسے مولانا مرحوم کے عقیدے کے طور پر پیش کرتے ہیں وہ کتنی بڑی خیانت کے مرتکب ہیں اس کا پتہ انہیں یوم الحساب لگے گا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ وہ لوگ مولانا احمد رضا خاں کے بار گناہ میں مزید اضافہ کر رہے ہیں جو غلط قدم اُٹھ گیا تو جب تک لوگ ان نشانات کی پیروی کرتے رہیں گے اس کی ذمہ داری پہلے نشان والے پر

برابر قائم رہے گی یاد رکھئے اہل حق پر غلط الزام قائم کرنے والے مقتدا اور اسے ہر جگہ دہرانے والے مقتدی خدا کی آخری عدالت میں اس دن کمزور ترین فریق کے طور پر پیش ہوں گے اور اس دن جاہل مقتدی اور ان پڑھ مرید کچھ کام نہ آسکیں گے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہونگے جو کہیں گے

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر[1]

اگر ہم دوسروں سے ہی کچھ سُن لیتے یا خود سمجھتے[2] تو آج آگ والوں میں نہ ہوتے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا مختصر عقیدہ ایک دفعہ پھر درج کر کے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر اور مرتد اور ملعون کہتے ہیں جو کہ شیطان علیہ اللعنۃ کو کیا بلکہ کسی مخلوق کو جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے علم میں زیادہ کہے غرض خانصاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے مجھ کو تو مدت العمر اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ شیطان تو کیا کوئی ولی اور فرشتہ بھی آپ کے علوم کی برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو یہ عقیدہ جو خانصاحب بریلوی نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کا مطالبہ خانصاحب سے روز جزا ہو گا میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک وکفیٰ باللہ شہیدا۔ خلیل احمد عفی اللہ عنہ[3]

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر یہ تہمت مولانا احمد رضا خاں کی دیانت و امانت کی منہ بولتی تصویر ہے اس بہتان تراشی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

وکم من عائب قولاً صحیحاً ۔۔۔ وآفتہ من الفہم السقیم

---

[1] پ ۲۹ الملک ع ۱ [2] ہدایت کے دو ہی راستے ہیں یا علم ہو یا تقلید، بصیرت ہو یا عقیدت جو اس سے محروم رہا اسے انجام کار آگ ہی میں جانا ہے وہاں جا کر وہ ان دونوں راہوں کو یاد کرے گا [3] فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۲ ص ۴۰

اس وقت ہماری غرض علماء دیوبند کی صفائی پیش کرنا نہیں مولانا احمد رضا خان صاحب کی امانت و دیانت کی ایک جھلک دکھانا ہے ان سب باتوں سے اسی شخصیت کا تعارف ہو رہا ہے جو امت میں تفرقہ ڈالنے میں چودھویں صدی کا سب سے بڑا کردار تھا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب پر ایک اور تہمت ۔ اردو زبان سیکھنے کا الزام

بریلوی حضرات نے جب دیکھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر یہ الزام ثابت نہیں ہو سکا تو ایک اور الزام تراشا کہ مولانا نے بیان کیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اردو زبان علماء دیوبند سے سیکھی تھی (معاذ اللہ) مولوی محمد عمر اچھروی لکھتے ہیں :-

> دیوبندی کہیں کہ اردو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے علمائے دیوبند سے حاصل ہوا تو یہ قرآن کریم کے صراحتہً خلاف ہے اور اپنے استاد بننے کے فخر میں قرآن مجید کا انکار ہے [1]

مولوی محمد عمر صاحب نے اس مضمون کے لیے مولانا خلیل احمد صاحب کی براہین قاطعہ ص۲۶ کا حوالہ دیا ہے ہم نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی عبارت کو بار بار پڑھا اس میں ہمیں کوئی لفظ ایسا نہیں ملا جس سے ثابت ہو کہ حضورؐ نے اُردو علماء دیوبند سے سیکھی معلوم نہیں مولوی محمد عمر صاحب نے اپنی اس عبارت میں علماء دیوبند کے استاد بننے کا لفظ کہاں سے لیا اور پھر اسے علماء دیوبند کی طرف منسوب کیا یہ بات قطعی غلط ہے مولانا کی اصل عبارت یہ ہے۔

> ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو آپ کو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو) اردو میں کلام کرتے دیکھا تو پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ تو عربی ہیں فرمایا کہ جب سے علماء مدرسہ دیوبند

---

[1] مقیاس حنفیت ص۲۰۹

سے ہمارا معاملہ ہوا - ہم کو یہ زبان آگئی - سبحان اللہ اس سے رتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا [1]

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل میں اردو زبان اگر اس وقت سے آئی ہو جب سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا علمائے دیوبند سے ملنا جلنا ہوا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے - اللہ تعالیٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ضرورت کے وقت اس کے متعلق علم عطا فرما دیں تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ——— یہاں یہ بات نہیں کہ حضورؐ نے (معاذ اللہ) اردو زبان علمائے دیوبند سے سیکھی بریلوی مولوی از راہ خیانت اس حوالے کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں گویا آپؐ نے اردو زبان علمائے دیوبند سے سیکھی یہ جھوٹ اور بریلوی خیانت ہے - علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ کوئی انسان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھلانے والا نہ تھا - دیوبند کے مشہور بزرگ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :-

> نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا اس پر کمال یہ کہ جن علوم و معارف اور حقائق و اسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے [2]

شیخ الاسلام ایک دوسری جگہ پر لکھتے ہیں :-

> بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا وہ رب قدیر تھا جس نے فرمایا الرحمٰن علم القرآن [3]

اب بھی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ علماء دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ نے اردو علماء دیوبند سے سیکھی اور علماء دیوبند بارہا کہیں کہ کوئی انسان حضورؐ کا استاد نہ تھا تو آپ ہی بتائیں کہ حق کدھر ہے اور الزام کس طرف سے آرہا ہے جب کوئی شخص یا جماعت خود اپنا عقیدہ بیان کر دے تو کسی کو حق نہیں رہتا کہ ان کی طرف اس کے خلاف کوئی اعتقاد منسوب کریں۔

---

[1] براہین قاطعہ ص۲۶ [2] تفسیر عثمانی ص۲۲۵

پھر خواب کے معاملات کو عقائد کی اساس بنانا اور اس قسم کے کمزور سہاروں سے اُمت میں تفریق ڈالنا یہ ان لوگوں کا کام نہیں ہو سکتا جن کی امانت و دیانت قائم ہو اور وہ آخرت کے حساب و کتاب پر یقین رکھتے ہوں ۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے پیروؤں نے جب دیکھا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا نانوتوی، حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت محدث سہارنپوری رحمہم اللہ اجمعین کے خلاف ان کا کوئی الزام ثابت نہیں ہو سکا تو انہوں نے اسی جماعت کے ایک اور بزرگ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر ایک نیا الزام تراشا آئیے مولانا احمد رضا خاں کی امانت و دیانت کا مزید جائزہ لینے کے لیے اس الزام کی بھی کچھ تحقیق کریں ۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر بہتان

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ۱۳۱۹ھ میں تین سوال آئے۔
پہلا سوال قبروں پر سجدہ کرنے کے بارے میں تھا دوسرا قبروں کے گرد طواف کرنے کے متعلق تھا۔ اور تیسرا سوال یہ تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غیبی علوم بتلائے گئے ان کی بناء پر آپ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہ؟ آپ نے تینوں سوالات کا جواب نفی میں دیا نہ قبروں پر تعظیمی سجدے کی اجازت دی نہ قبروں کا طواف صحیح بتلایا نہ عالم الغیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیئے جائز کہا۔
اس تیسرے سوال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک سے بحث نہ تھی کہ کتنا ہے اور کتنا نہیں معلوم صرف یہ کرنا تھا کہ آپ کو عالم الغیب کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

عالم الغیب کا اطلاق

اس وقت ہمیں علم غیب سے بحث نہیں نہ یہ موضوع حضرت اشرف علی تھانویؒ کی کتاب حفظ الایمان میں زیر بحث تھا حفظ الایمان کے تیسرے سوال میں اس پر بحث تھی کہ عالم الغیب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیئے بھی آسکتا ہے یا نہ؟
ہم بھی اس وقت اسی عنوان پر گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام جنہیں اللہ تعالیٰ بہت سے امور میں غیب پر اطلاع بخشتے ہیں یا اولیاء کرام جنہیں کئی دفعہ الہاماً غیب کی خبریں مل جاتی ہیں ان پر عالم الغیب کا لفظ کسی طرح آسکتا ہے یا نہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ علم غیب ذاتی طور پر ـــــ بے عطائے غیر ـــــ غیب جاننے کو کہتے ہیں۔ اس لیئے عالم الغیب کا لفظ قرآن کریم نے صرف اللہ رب العزت کے لیئے اطلاق کیا ہے اور کسی پر نہیں۔

عالم الغیب والشہادۃ ھو الرحمٰن الرحیم۔[1]

ترجمہ:۔ وہ عالم الغیب ہے اور جاننے والا ظاہر کا۔ وہ رحمٰن ہے رحیم ہے۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔[2]

ترجمہ: عالم الغیب اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں فرماتا، مگر جو چن لے کسی رسول کو۔

قرآن مجید نے عالم الغیب کے معنی یہ بیان فرمائے ہیں۔

عالم الغیب ج لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوات ولا فی الارض ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔[3]

ترجمہ، قسم ہے عالم الغیب کی جس سے غائب نہیں کوئی ذرہ آسمانوں میں نہ زمین میں اور اس سے کوئی چھوٹی یا بڑی چیز ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو۔

قرآن کریم کے ان تینوں مقامات پر عالم الغیب کا لفظ خدا کے لیئے استعمال ہوا ہے۔

پس عالم الغیب کا لفظ صرف اسی ذات کے لیئے ہے جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کرے۔ یہ علم محیط تفصیلی صرف اللہ رب العزت کی شان ہے ہر چیز کی ہر خبر ہر وقت برابر رہے دُور ہو یا نزدیک —— چھپی ہو یا کھلی —— اندھیرے میں ہو یا اجالے میں —— آسمانوں میں ہو یا زمینوں میں —— پہاڑوں میں ہو یا سمندروں میں —— یہ اللہ ہی کی شان ہے کسی مخلوق کو یہ علم محیط تفصیلی حاصل نہیں ہوتا نہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ مستقل طاقت دی ہے کہ اسے اب غیب کی کسی بات کے معلوم کرنے میں خدا کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے اور مخلوق تو درکنار کوئی شخص اگر حضور اکرمؐ کے لیئے بھی اس علم محیط کا اقرار کرے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ مالکی مسلک کے مشہور مفسر علامہ احمد الصادی المالکی لکھتے ہیں:۔

---

[1] پ ۲۸ الحشر ع ۶ [2] پ ۲۹ الجن ع ۲ [3] پ ۲۲ السبا ر

واما من قال ان نبینا او غیرہ احاط بالمغیبات علما کما احاط علم اللہ بہا فقد کفر۔[1]

ترجمہ: اور جو شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے علاوہ کوئی اور شخص غیب کی باتوں کا علمی طور پر اسی طرح احاطہ کیئے ہوتے ہے جس طرح اللہ کا علم ان پر محیط ہے تو اس نے کفر کیا۔

مولانا احمد رضا خاں بھی لکھتے ہیں۔

علم ذاتی اور علم بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے لیئے خاص ہیں بندوں کے لیئے صرف ایک گونہ علم بعطائے الٰہی ہے۔[2]

عالم الغیب وہ ہے جو ہر غیبی بات کو از خود جانے اور ہر غیب کا ہر وقت ہر طرف سے احاطہ کرے پس عالم الغیب کا اطلاق اللہ رب العزت کے سوا اور کسی کے لائق نہ ہوگا صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور بزرگان امت میں سے کسی نے کسی مخلوق کے لیئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا نہ کسی فرشتے اور پیغمبر کے لیئے یہ لفظ اطلاق شریعت میں وارد ہے۔

مولانا احمد رضا خاں خود بھی لکھتے ہیں۔

مخلوق کو عالم الغیب کہنا مکروہ ہے۔[3]

اطلاق عالم الغیب کا اصول

وہ کیا اصول ہے جس کی وجہ سے عالم الغیب کا لفظ اللہ رب العزت کے سوا

---

[1] الصاوی علی الجلالین ج ۲ ص ۱۷ [2] خالص الاعتقاد ص ۲۳ [3] الامن والعلی ص ۲۰۳ ان کے ہم مسلک مولوی محمد اجمل سنبھلی لکھتے ہیں. لفظ عالم الغیب کے اطلاق میں احتیاط کی جاتی ہے ہمارا یہی مسلک ہے (ردسیف یمانی ص ۱۹ مطبوعہ مراد آباد)

کسی کے لائق نہیں ہر انسان چھوٹا ہو یا بڑا کوئی اس نام کے سزوار نہیں۔ عالم الغیب نہ ہونے میں چھوٹے بڑے سب یکساں ہیں ان کے مطلع علی الغیب ہونے میں غیب کی مقدا گو کتنی مختلف ہو کسی کے پاس زیادہ اور کسی کے پاس کم تاہم عالم الغیب کا لفظ بولا جانے کا مجاز نہ ہونے میں سب برابر ہیں خدائی نام اور خدائی صفات میں کوئی خدا کا شریک نہیں اپنے اپنے درجہ میں بڑا اور چھوٹا ہونے کے باوجود خدا نہ ہونے میں سب افرادِ مخلوق ایک سے ہیں اور اس بات میں برابر ہونے سے لازم نہیں آتا کہ ہر بات میں برابری ہو۔ علوم وکمالات ہر ایک کے اپنے اپنے ہیں اور اس پہلو سے ہر ایک کی شان جدا اور ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔ مگر خدا نہ ہونے میں سب برابر ہیں۔

انبیاء ومرسلین کو اللہ تعالیٰ نے لاکھوں اور کروڑوں غیوب سے نوازا ہے۔ لاتعداد غیب کی خبریں دی ہیں اور چھوٹے درجے کی مخلوق کو بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ غیب پر ضرور اطلاع دے رکھی ہے کم از کم اتنا علم تو ہر جانور کو بھی ہے کہ کوئی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور سب شجر وحجر اس کی تسبیح کرتے ہیں[1] لیکن اللہ رب العزت کے علم کے سامنے اعلیٰ وادنیٰ ہر مخلوق کا علم مطلق بعض ہی ہے کہ اسے بعض ہی کہا جائے گا گو ایک مخلوق کے لیئے اس بعض کی مقدار بہت زیادہ ہو اور دوسری مخلوق کا یہ بعض بہت کم۔ لیکن بعض مطلق غیب کے اطلاق میں سب برابر ہوں گے کہ ہر کسی کی اطلاعات پر بعض کا لفظ ہی بولا جائے گا اور اس بعض کی مقدار ہر کسی کے اپنے درجے اور اپنے حالات کے مطابق ہوگی مطلق بعض علوم غیبیہ ہر مخلوق کو اپنے اپنے درجے کے مطابق ملتے ہیں اور بعض کا لفظ ہر ایک کے علوم کے لیئے برابر استعمال ہوتا ہے اس سے علم میں برابری کا ایہام پیدا کرنا ایک بڑی غلط بیانی ہوگی۔

---

[1] ان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحھم بنی اسرائیل ع ۵

مولانا احمد رضا خاں ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

اس قسم کے کروڑوں علم عام انسان بلکہ تمام حیوانات کو روزانہ ملتے ہیں اور قرآن کریم خود غیر خدا کے لیئے انہیں ثابت فرماتا ہے۔[1]

اس عبارت سے اگر کوئی یہ استدلال کرے کہ مولانا احمد رضا خاں نے تمام حیوانات گدھے اور بیل وغیرہ کو بھی انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین کے علم میں شریک کر دیا اور عام انسانوں کو بھی اس میں شریک بتلایا تو اسے یہی کہا جائے گا کہ یہ شریک بنانا مطلق بعض میں ہے غیبی امور کی مقدار اور تفصیل میں نہیں مقدار میں برابر ہونے کی جب تک تصریح نہ ہو اتنی بڑی بات کسی کے ذمہ نہیں لگائی جا سکتی۔

نیک گمان کا تقاضا ہے کہ اسے مطلق غیب میں شریک سمجھا جائے مقدار غیب میں نہیں ایک بات میں شرکت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ غیب کی مقدار اور نوع ہر چیز میں برابر کی ہو۔ ہر مخلوق اپنے اپنے درجے میں رہتے ہوئے خدا نہ ہونے میں برابر ہے۔ خدا کا لفظ جس طرح ادنیٰ درجے کی مخلوق کے لیئے نہیں آسکتا۔ اسی طرح یہ لفظ اعلیٰ درجے کی مخلوق کے بھی سزاوار نہیں۔ خدائی صفات نہ رکھنے میں سب افراد مخلوق برابر کے شریک ہیں۔ اللہ رب العزت کے علم کے سامنے اعلیٰ و ادنیٰ ہر مخلوق کا علم مطلق بعض ہے (کہ اسے بعض ہی کہا جائے گا) اور مقدار بعض ہر ایک کی اپنے اپنے مرتبہ اور حال کے مطابق ہوگی۔

یاد رہے کہ کسی ایک بات میں برابر ہونے سے اعلیٰ درجے کی مخلوق کی کوئی توہین نہیں ہو جاتی نہ اس سے ان کی شان گرتی ہے جس طرح ہم کسی ادنیٰ مخلوق کے لیئے یہ کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا نہیں ہر اعلیٰ مخلوق کے لیئے بھی یہ بات اسی طرح درست

---

[1] الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام ص ۱۲۔ مؤلفہ مولانا احمد رضا خاں۔

ہے کہ یہ بھی خدا نہیں مطلق مخلوق ہونے میں سب برابر کے شریک ہیں اور اس طرح برابر ہونے کا علماء نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے اس میں اعلیٰ مخلوق کی ہرگز بے ادبی نہیں ہے۔

اکابر اُمت کی تصریحات

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ (۹۴۴ھ) اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

لقد خلقنا الانسان فی کبد اینجا اولیاء انبیاءؑ خواص وعوام برابر اند الدنیا محنۃ ودار بلاء بیان ایں مقام است[1]۔ اس جگہ اولیاء انبیاء خواص وعوام سب برابر ہیں۔

امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی (۱۰۳۵ھ) ایک جگہ اسی انداز میں برابر کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔

نمے بینی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات با عامہ در نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت و ذات ہمہ متحد تفاضل باعتبار صفات کاملہ آمدہ است[2]۔

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ انبیاء کرام عام لوگوں کے ساتھ انسان ہونے میں برابر کے شریک ہیں اور حقیقت و ذات میں سب متحد ہیں۔ فضیلت ان میں صفات کاملہ کے پہلو سے آئی ہے۔

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ۱۲۴۸ھ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

نعمت ہائے عامہ اند کہ غنی و فقیر و وضیع و شریف و صحیح و مریض و عالم و جاہل و مومن و کافر و صالح و فاسق دراں یکساں و برابر اند۔

ترجمہ: ایک وہ نعمتیں ہیں جو عام ہیں۔ امیر و غریب، چھوٹا و بڑا، تندرست و مریض، عالم و جاہل، مومن و کافر، صالح و فاسق ان میں ایک جیسے اور برابر ہیں[3]۔

---

[1] مکتوب ۱۴۴ صفحہ ۲۰۸ [2] مکتوب دفتر اول صفحہ ۳۲۹ [3] تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۷۱۔

اکابرِ امت کی ان تصریحات پر غور فرمائیں ان حضرات نے مشترکہ احکام میں نہایت واضح طور پر چھوٹے بڑے کے لیئے برابر کا لفظ استعمال کیا۔ ہے ان بزرگوں پر کسی نے الزام نہیں لگایا کہ انہوں نے انبیاء کرام اور اولیاء وصلحاء کو ہر خاص و عام کے ساتھ برابر کر دیا۔ کیونکہ یہ برابری صرف مشترکہ احکام میں تھی۔ باقی خصائص اور صفات و کمالات ہر ایک کے اپنے اپنے ہیں اور انبیاء و اولیاء کے کمالات کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

لیجیئے مولانا احمد رضا خاں بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو بات شرک ہے اس میں حکم میں احیاء و اموات وانس و جن و ملک وغیرہم تمام مخلوق الٰہی یکساں ہیں کہ غیر خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہو سکتا۔[1]"

اس میں اقرار ہے کہ مخلوق ہونے اور خدا نہ ہونے میں سب مخلوق الٰہی چھوٹی ہو یا بڑی سب یکساں و برابر ہے مخلوق ہونے کا لفظ سب پر برابر آئے گا۔ تمام مخلوق میں جن و شیطان جانور حیوانات اور حشرات الارض سبھی شامل ہیں اور مخلوق ہونے میں سب برابر کے شریک ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو علوم معارف اپنی کسی بھی مخلوق کو عطا فرمائے وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں علم الٰہی کے سامنے سب کے علوم بعض ہی ہوں گے اور اس مطلق بعض میں (کہ اسے بعض ہی کہا جائے) سب افراد مخلوق برابر کے شریک ہوں گے کسی کا علم علم الٰہی کے برابر نہ ہو سکے گا۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ ہر کسی کا بعض اس کے اپنے درجے کے مطابق ہو۔ مطلق بعض میں یکساں ہونے سے اس بعض کی مقدار میں برابری لازم نہ آئے گی

---

[1] حیات الموات صلا۱۸ مؤلفہ مولانا احمد رضا خاں۔

حضرت تھانویؒ کی عبارت کا حاصل

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں جو سوال کیا گیا تھا وہ علم غیب سے متعلق نہ تھا اطلاق عالم الغیب کے بارے میں تھا۔ مولانا تھانویؒ نے جواب دیا کہ آپؐ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق اگر بعض غیوب پر مطلع ہونے کی وجہ سے کیا جائے تو لازم آئے گا کہ ہر شخص جو کسی مقدار میں بھی بعض غیب کو جانتا ہو اسے بھی عالم الغیب کہا جا سکے اور ادنیٰ غیب جاننے والی مخلوقات کو بھی باین اصول کہ وہ بھی کچھ نہ کچھ غیب جانتے ہیں۔ (کم از کم اتنا علم تو سب کو ہے کہ کوئی ان کا پیدا کرنے والا ہے) عالم الغیب کہنا درست ٹھہرے جس کی کوئی عاقل متدین اجازت نہ دے گا بعض کا لفظ جس طرح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کثیر علم مبارک کے لیئے بولا جا سکتا ہے اسی طرح لفظ بعض ہر ادنیٰ مخلوق کے قلیل علم پر بھی بولا جا سکتا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر اعلیٰ و ادنیٰ مخلوق کا علم خدا کے علم کے سامنے مطلق بعض ہے گو ہر ایک کا بعض اس کے اپنے درجہ کے مطابق ہو۔ پس جان لینا چاہیئے کہ بعض غیبی اُمور پر اطلاع کی وجہ سے گو وہ قلیل ہوں یا کثیر کسی مخلوق کے لیئے عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں کیونکہ اُسے حضورؐ پر اطلاق کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہے گی۔ ہر مخلوق پر یہ لفظ بولا جا سکے گا اور پھر اس لفظ کا اطلاق کسی کمال پر مبنی نہ ہوگا۔ جو لوگ اس طرح حضورؐ کو عالم الغیب کہیں گے ان کے عقیدہ پر لازم آئے گا کہ وہ زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون اور جملہ حیوانات کو بھی عالم الغیب کہیں ظاہر ہے کہ کوئی شخص اس غلط اطلاق کی اجازۃ نہ دے گا۔ حق یہ ہے کہ اس لفظ کا اطلاق مطلق بعض غیب کی بناء پر نہیں۔ کل علم غیب پر مبنی ہے۔ اور کوئی اللہ ربّ العزت کے سوا اس نام کا حقدار نہیں ہے وہی عالم الغیب ہے۔ اور قرآن کریم نے صرف اسی ایک کو عالمُ الغیب کہا ہے۔

جواب کے پہلے الفاظ

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اس سوال کے جواب میں یہ الفاظ تھے۔

"آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا (آپؐ کو عالم الغیب کہنا) اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب (مطلق بعض) تو زید عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیئے بھی حاصل ہے۔ کیوں کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔"

اس عبارت میں ایسا علم غیب سے مراد مطلق بعض غیب تھا (جسے بعض غیب کہا جا سکے) حفظ الایمان میں بعض کی مقدار زیر بحث نہ تھی نہ ایسا علم غیب سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاعات غیبیہ تھیں نہ کوئی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو ہر زید عمرو کے علم کے برابر کہہ سکتا ہے۔ عبارت ہذا میں مولانا مرحوم کی مراد مطلق بعض غیب تھی اور مطلق میں ذات سے تعرض ہوتا ہے۔ صفات اور امتیازات سے نہیں۔ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک نہ تھا اور اس پر حسب ذیل شواہد موجود ہیں۔

① مولانا مرحوم نے پہلے کل غیب کے حکم کی وضاحت کی ہے پھر بعض غیب کی بنا پر اطلاق عالم الغیب کی تفصیل کی ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا

ایسا علم غیب تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد مطلق بعض ہی ہو سکتا ہے نہ کہ حضورؐ کے علم مبارک کی مقدار اور اس مطلق بعض کی تفصیل بھی محض اس لیئے تھی کہ آیا اس بنا پر عالم الغیب کا اطلاق جائز ہو سکتا ہے یا نہ؟

(۲) اس عبارت کے آخر کا یہ جملہ کہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے سے مخفی ہے بتلا رہا ہے کہ زید و عمر و صبی و مجنون اور حیوانات کے علم سے محض چند جزئیات مراد ہیں جنہیں مطلق بعض کہا جا سکے ان کے اس مطلق بعض کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلق بعض سے ملانا اور ان سب کے علم کو برابر قرار دینا ہرگز مراد نہ تھا۔

(۳) حفظ الایمان کی اس عبارت کے بعد ایک اور یہ عبارت بھی موجود ہے اس اگلی عبارت کے ہوتے ہوئے اس عبارت کے الفاظ ایسا علم غیب سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک ہرگز نہیں ہو سکتا یہ صرف مطلق بعض ہے جس میں عام انسانوں اور حیوانات کو شریک بتلایا ہے ان کی مقدار بعض برابر نہیں بتلائی نہ کوئی مسلمان یہ بے ادبی کر سکتا ہے۔ حفظ الایمان میں وہ اگلی عبارت یہ ہے افسوس کہ اعتراض کرنے والے اسے چھپا جاتے ہیں۔ اور اسے ساتھ ملا کر اس پر گفتگو نہیں کرتے۔ وہ اگلی عبارت یہ ہے۔

نبوت کے لیئے جو علوم لازم اور ضروری ہیں وہ آپ کو تمامہا حاصل ہو گئے تھے۔[۱]

(۴) مولانا اشرف علی تھانویؒ سے جب دریافت کیا گیا کہ ایسا علم غیب سے ان کی مراد کیا تھی تو انہوں نے صاف تحریر کیا۔

"لفظ ایسا کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا علم واقع میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے نعوذ باللہ منہا بلکہ مراد اس لفظ ایسا سے وہی ہے مطلق بعض علم گو وہ ایک ہی چیز کا ہو اور گو وہ چیز ادنیٰ ہی درجہ کی ہو۔"[۲]

پھر مولانا آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

---

[۱] حفظ الایمان صفحہ ۸ [۲] بسط البنان صفحہ ۱۰

اس عبارت سے چند سطر بعد دوسری عبارت میں تصریح ہے کہ نبوت کے لیئے جو علوم لازمی اور ضروری ہیں وہ آپ کو بہ تمامہا حاصل ہو گئے تھے۔ انصاف شرط ہے جو شخص آپ کو جمیع علوم عالیہ شریفہ متعلقہ نبوت کا جامع کہہ رہا ہے کیا وہ نعوذ باللہ زید وعمر وصبی ومجنون وحیوانات کے علم کو مماثل آپ کے علم کے بتلائے گا؟ کیا زید وعمرو وغیرہ کو یہ علوم حاصل ہیں۔ آپ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

یہ علوم تو آپ کے مثل دوسرے انبیاء وملائکہ علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں۔[1]

اب دیکھیئے مولانا احمد رضا خاں نے حسام الحرمین میں مولانا تھانوی کا عقیدہ کن الفاظ میں پیش کیا اور کس طرح بات کا موضوع بدلا ہے۔ تحریف مضمون کی یہ بدترین مثال ہے۔ خان صاحب حسام الحرمین میں لکھتے ہیں:۔

ومن كبراء هؤلاء الوهابية الشيطانية رجل اخر من اذناب الكنكوهي يقال له اشرف على التانوى صنف رسيلة لاتبلغ اربعة اوراق وصرح فيها بان العلم الذى لرسول الله صلى الله عليه وسلم بالمغيبات فان مثله حاصل لكل صبى وكل مجنون بل لكل حيوان وكل بهيمة وهذا لفظه الملعون:

ان صح الحكم على ذات النبى المقدسة بعلم المغيبات كما يقول به زيد فالمسئول عنه انه ماذا اراد بهذا أبعض الغيوب ام كلها فان اراد البعض فاى خصوصية فيه لحضرة الرسالة فان مثل هذا العلم بالغيب حاصل

---

[1] بسط البنان صفحہ ۱۱

لزید وعمر بل لکل صبی و مجنون بل لجمیع الحیوانات و البہائم وان اراد الکل بحیث لا یشذ منہ فرد فبطلانہ ثابت نقلاً وعقلاً ۔ اقول فانظر الی اثار ختم اللہ تعالیٰ کیف یسوّی بین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بین کذا وکذا۔[1]

اب اس کا ترجمہ بھی خانصاحب کے ہی قلم سے لیجئے :۔

اس نے ایک چھوٹی سی رسلیا تصنیف کی کہ چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور چوپائے کو حاصل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور چنیں وچناں میں۔[2]

مولانا احمد رضا خاں کے اس افترار کے بعد مولانا تھانویؒ نے عبارت بدل کر اور آسان کر دی حفظ الایمان کے نئے ایڈیشن میں اب یہ عبارت یُوں ہے :۔

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب ۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تخصیص ہے مطلق بعض علوم غیبیہ تو غیر انبیاء علیہم کو بھی حاصل ہیں تو چاہئیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔[3]

پُرانے ایڈیشن میں بھی یہ بات بڑی واضح تھی لیکن نئے ایڈیشن میں تو یہ اور بھی

---

[1] حسام الحرمین ص۱۰۸ [2] ایضاً ص۱۰۹ [3] حفظ الایمان ص ۷ ، فتاویٰ امدادیہ ج ۶ ص ۱

سہل ہو گئی۔ اب بھی جو لوگ اسے غلط رنگ میں پیش کر کے اس کی تشریح خلافِ مراد متکلم کرتے ہیں۔ وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں۔ اپنی فرقہ بندی کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت سے کھیلنا کسی مسلمان کا کام نہیں ــــ

"علوم شریعت کے ایک ایک جزو کا اسی طرح امور تکوینیہ مناسبہ منصب نبوت کی ایک ایک جزئی کا علم آپ کو عطا فرمایا گیا اور بعض نہیں عطا فرمائے بعض علم عطا ہوئے ہیں اور بعض نہیں عطا ہوئے اس پر سب کا اتفاق ہے[۱]۔"

مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

ہم نہ علم الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لیئے علم بالذات جانیں اور عطاء الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع[۲]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ تحریر بھی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں درج ہے۔

میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع کمالات العلمیہ والعملیہ ہونے کے باب میں یہ ہے ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر[۳]

نظیر فی التعبیر

حضرت مولانا تھانویؒ کی اس تعبیر کی کیا پہلے سے بھی کوئی نظیر موجود ہے؟ ہاں یہ تعبیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ایجاد نہیں۔ آپ سے چھ سو سال پہلے بھی اہل السنت و الجماعت کے جلیل القدر محقق شیخ ابوالثناءؒ اور علامہ سید شریف جرجانیؒ یہ تعبیر اختیار کر چکے ہیں

---

[۱] بوادر النوادر صفحہ ۷۵۰ [۲] خالص الاعتقاد صفحہ ۱۲ [۳] فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ صفحہ ۴۸۔۴۹

رأس المحققین شیخ شمس الدین ابو الثنا اصفہانیؒ (۷۴۹ھ) قاضی بیضاویؒ کی کتاب طوالع الانوار کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وان اراد به الاطلاع علی بعضها فلا یکون ذلك خاصة النبیؐ اذ ما من احد الا ویجوز ان یطلع علی بعض الغائبات۔[1]

ترجمہ: اور اگر وہ اس سے بعض غیب پر مطلع ہونا مراد لیں تو اس میں نبی کی کوئی تخصیص نہیں رہتی۔ کیوں کہ بعض غیبی امور پر تو ہر ایک کو (کچھ نہ کچھ) اطلاع ہوتی ہے۔

کیا کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ شیخ محقق نے سب مخلوق کو نبی کے علم کے برابر کر دیا اور سب کے علم کے مساوی تبلایا۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہ شرکت صرف مطلق بعض میں ہے جسے بعض کہا جا سکے مقدار بعض میں نہیں۔ نہ نبی کے علم کو کوئی اور پہنچ سکتا ہے۔

محقق اہل السنت والجماعت علامہ سید شریف جرجانیؒ (۸۱۶ھ) بھی ایک بحث میں فلاسفہ کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

قلنا ما ذكرتم مردود اذ الاطلاع علی جمیع المغیبات لا یجب للنبی اتفاقاً منا ومنكم والبعض ای الاطلاع علی البعض فلا یختص به النبیؐ۔[2]

ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ تم کہتے ہو لائق رد ہے کیونکہ ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے کہ غیب کی تمام باتوں پر مطلع ہونا نبی کے ضروری نہیں اور بعض پر مطلع ہونا اس میں نبی کی کوئی تخصیص نہیں یعنی مطلق بعض گو کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ہر ایک کو حاصل ہے۔

---

[1] مطالع الانظار شرح طوالع الانوار ص ۲۰۸ طبع استامبول ص ۱۹۹ طبع مصر

[2] شرح مواقف موقف سادس مرصد اول مقصد ۱ ج ۲ ص ۱۷۵ طبع مصر

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس تعبیر میں پہلے شخص نہیں آپ سے پہلے بھی محققین اہل السنۃ یہ تعبیر اختیار کر چکے ہیں۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
جنید و شبلی و عطار ہم مست!

دیوبندی مذہب لاالہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ

مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا احمد سعید کاظمی نے الحق المبین کے نام سے ایک کتاب لکھی اس میں بغلی سرخی "دیوبندیوں کا مذہب" باندھ کر آپ نے لکھا۔

دیوبندیوں کا مذہب اشرف علی تھانوی نے نہ صرف خواب بلکہ بیداری کی حالت میں لاالہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ پڑھنے کو اپنے متبع سنت ہونے کا اشارہ غیبی قرار دے کر پڑھنے والے کی حوصلہ افزائی کی ہے[1]

کاظمی صاحب یہ الزام باندھنے میں مولانا احمد رضا خاں سے بھی آگے نکل گئے ہیں اور آپ نے یہاں تین کھلی خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے۔

۱۔ بیداری کی حالت کے ساتھ بے اختیاری کے الفاظ نہیں لکھے ــــ آخر کیوں؟ کیونکہ جو الفاظ زبان سے بے اختیاری سے نکلیں زبان پر قابو نہ رہے تو شریعت ان پر تعزیر نہیں لگاتی اور آخرت میں بھی ان پر مواخذہ نہیں۔

۲۔ مولانا تھانویؒ نے بے اختیاری سے صادر ہونے والے ان الفاظ کو آئندہ پڑھنے اور اختیار سے پڑھنے کی کہیں تلقین نہیں کی مولانا احمد سعید کاظمی کا اسے پڑھنے والے کی حوصلہ افزائی قرار دے کر کھلا جھوٹ بولا ہے۔ بے دین طبقے علماء کی زبان سے اس قسم کے جھوٹ سن کر دین سے اور بیزار ہوتے جا رہے ہیں۔

---

[1] الحق المبین ص۵۶ شائع کردہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال۔

۲- اس خواب کے واقعہ کو اور بیداری کے غیر اختیاری سانحہ کو ایک فرقے کا مذہب قرار دینا اور اس پر دیوبندیوں کا مذہب کی سی جلی سرخی باندھنا معترض کی انتشار پسندی اور اندرونی شقاوت کا واضح پتہ دیتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے جس مرید نے یہ خواب دیکھا تھا اس نے اس کے خواب ہونے اور حالت بیداری میں اپنی بے اختیاری حالت ہونے کی پوری تصریح کر دی تھی اور مولانا احمد سعید کاظمی کو بھی اس پس منظر کا پورا علم تھا مگر افسوس کہ جس وقت وہ یہ سطور قلمبند کر رہے تھے ان کا دل خوف خدا سے یکسر خالی تھا۔

اصل واقعہ کاظمی صاحب نے خود ماہنامہ الفرقان جلد ۲ نمبر ۱۲ کے صفحہ ۸۵ سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے :-

خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہوں لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ حضور کا نام لیتا ہوں اتنے میں دل کے اندر خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی پیدا ہوئی۔ کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیئے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں۔ دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جائے لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے حالانکہ مجھ کو اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے ..... اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بدستور تھا لیکن جب حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دور کیا جائے اس واسطے کہ پھر کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے۔ بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صلے علیٰ سیدنا و نبینا و مولانا اشرف علی حالانکہ اب بیدار ہوں خواب نہیں۔ لیکن بے اختیار ہوں مجبور ہوں زبان اپنے قابو میں نہیں

اس تحریر میں ایک جگہ نہیں پانچ جگہ اس کلمہ کے غلط ہونے کی تصریح ہے اور پانچ جگہ اپنے بے اختیار ہونے، اسے بے ساختہ پڑھنے اور زبان کے اپنے قابو سے باہر ہونے کی تصریح ہے مگر خدا تعصّب کا بُرا کرے مولانا احمد سعید کاظمی آخرت سے کس قدر بے فکر اور خوفِ خدا سے یکسر خالی ہو کر عامۃ المسلمین کو گمراہ کر رہے ہیں کہ علمائے دیوبند کا کلمہ (معاذ اللہ) لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ ہے ہم اس کے جواب میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے سوا اور کچھ نہیں کہتے وہ دن دور نہیں جب ظالم اور مظلوم دونوں خدا تعالےٰ کے سامنے پیش ہوں گے ۔ بریلوی علماء کو اس دن پتہ چلے گا کہ علماء حق پر افترا پردازی اور حضورؐ کی امت میں انتشار پیدا کرنا کتنے بڑے گناہ تھے جو یہ لوگ ساری عمر کرتے رہے اور اسی فرقہ بندی پر ان کے حلوے اور مانڈے چلتے رہے ۔

اصل واقعہ آپ کے سامنے ہے اور اسے ہم نے مولانا احمد سعید کاظمی کی نقل سے ہی ہدیہ قارئین کر دیا ہے اگر دنیا سے انصاف ختم نہیں ہو گیا اور کسی بریلوی کا ضمیر کسی درجے میں بھی زندہ ہے تو خود ہی فیصلہ دیجئے کہ مذکورہ واقعہ کی روشنی میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ دیوبندیوں کے ہاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ ہے اور وہ اسی کو کلمہ مانتے ہیں اور اسی کا ورد کرتے ہیں ۔ اعاذنا اللہ من سوء الخاتمہ ۔

مولانا احمد رضا خاں کے خلفاء نے جب یہاں پر بھی شکست کھائی تو اپنے ترکش سے آخری تیر نکالا اور اسے بھی چلا دیا ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر ایک اور الزام لگایا کہ انہوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی توہین کی ہے ۔

ایک تعبیر پر حضرت عائشہ کی توہین کا الزام

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ خواب اور اس کی تعبیر میں یا کشف اور اس کی حقیقت میں کتنے وسیع فاصلے ہوتے ہیں اور بعض اوقات ادنیٰ سی مناسبت کس طرح دونوں کو ملا دیتی

ا؎ منقول از حق المبین مؤلفہ مولانا احمد سعید کاظمی ص۵۷

ہے ۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خواب بہت ڈراؤنا ہے مگر اس کی تعبیر بہت حسین نکلی افسوس کہ فرقہ بندی میں جکڑے انسان خواب اور کشف و الہام کے ان مواقع کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور واقعات پر بات نہ بن سکے تو ایسے مشاہدات کو ہی لے اُٹھتے ہیں اسی سلسلہ میں رضا خانی فرقہ کے جناب ارشد القادری صاحب سے سُنئے :۔ آپ مولانا تھانویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ایک غیبی الزام تراشا اور خود ہی اس کی تعبیر بھی بیان کی انہی کے قلم سے الہام اور الہام کی تعبیر ملاحظہ فرمائیں لکھتے ہیں :۔

ایک ذاکر صالح کو مکشوف ہوا کہ احقر کے گھر حضرت عائشہؓ آنے والی ہیں انہوں نے مجھ سے کہا میرا ذہن معاً اس طرف منتقل ہوا (کہ کم سن بیوی ملیگی) اس مناسبت سے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے جب نکاح کیا تھا تو حضور کا سن شریف پچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہؓ بہت کم عمر تھیں وہی قصہ یہاں ہے [1]

اب علم تعبیر کے امام حضرت الشیخ عبد الغنی النابلسی سے سنئے :۔

من رای من الرجال احداً من ازواج النبیؐ وکان اعزب تزوج امرأۃ صالحۃ [2]

ترجمہ :۔ کسی مرد نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو خواب میں دیکھا ... غیر شادی شدہ تھا اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ کسی نیک عورت سے شادی کرے گا ۔

ماں کی زیارت سے ذہن بیوی کی طرف کیسے منتقل ہوا یہ شیخ عبد الغنی نابلسی سے پوچھئے اور تعبیر میں بعض اوقات بہت وسیع فاصلے ہوتے ہیں ۔ امام ابن سیرین لکھتے ہیں اگر کسی نے یہ خواب دیکھا کہ اس نے ماں یا بہن یا کسی اور ذی قرابت سے نکاح کیا ہے اور یہ خواب حرمت

---

[1] بحوالہ الخطوب المذہبہ صہ ۸ [2] تعطیر الانام فی تعبیر المنام حصہ اول صہ ۱۴

کے مہینوں میں ہو تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ وہ شخص ارض حرم پہ چلے گا اسے حج نصیب ہوگا۔ [1]

علم تعبیر کی بات آپ کے سامنے آچکی ہے اہل علم کے لیے اس کے بعد کسی اور حجت کی ضرورت نہیں رہ جاتی لیکن علماء سور کی دل لگی دیکھئے اور ان کی امت میں انتشار پھیلانے کی جذباتی کوششوں کا جائزہ لیجئے۔ ارشد القادری صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ پر غور کیجئے اور سوچئے کہ کیا ان کے سینہ میں واقعی انسان کا دل تھا یا جب وہ یہ سطور لکھ رہے تھے۔ وہ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل کی مجسم تصویر بنے ہوئے تھے ان کے درج ذیل الفاظ پڑھئے اور درد دل سے سوچیئے

سوچئے ارشد القادری صاحب کے یہ الفاظ کن بزرگوں کو بے غیرت انسان کی زد میں لے آئے ہیں حقیقت حال آپ کے سامنے ہے۔ یہی علماء سوء کا کردار ہے اور یہ اب آپ سے مخفی نہیں ہے مولانا احمد رضا خاں کی ذریت اپنے اسی کردار سے اعلیٰ حضرت کی روح کو قیامت تک ایصال ثواب کرتی رہیگی

غیرت ایمانی کو آواز:۔ اس مقام پر پہنچ کر ام المومنین کے وفادار فرزندوں کو آواز دینا چاہتا ہوں۔ دنیائے اسلام کی مادر مشفقہ کے لئے احترام و ادب کا کوئی جذبہ ان کے سینے میں موجود ہو تو وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس مصنوعی کشف اور اس کی تعبیر سے ایمان و عقیدت کے جذبے کو ٹھیس لگتی ہے یا نہیں۔ تھانہ بھون کے سوا مشکل ہی سے کہیں ایسا بے غیرت انسان .... ملے گا جس کا ذہن اپنی ماں کی آمد کی خبر سن کر کسی کم سن بیوی کی طرف منتقل ہو جائے اس مناسبت سے کہ جب وہ اس کے باپ کے گھر آئی تھی تو اسکی عمر بہت کم تھی [1]

[2] دیکھئے تعبیر الرویا، باب دہم ص

[1] زیروزبر علامہ ارشد القادری ص ۲۰۶ مطبوعہ ساہیوال

ایک سوال اور اس کا جواب

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا عبارات و الفاظ میں ہیر پھیر کرنے اور دوسروں کے کلام میں اپنے معنی ڈالنے کا یہ لائق رحم نقشہ جب لوگوں کے سامنے آتا ہے تو وہ لبا اوقات یہ پوچھتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے دوسروں کی عبارات میں ہیر پھیر کرنے کی یہ مشق علماء دیوبند کی عبارات میں ہی کیوں کی؟ گائے منہ مارنے پر ہی آئے تو اپنے پرائے کھیت میں کچھ فرق نہیں کرتی۔ مولانا نے یہ مشق ستم کیا کسی اور پر بھی کی ہے؟

جواب: علماء بدایوں مولانا فضل رسول بدایونی کی پیروی میں مولانا احمد رضا خاں کے ہم خیال اور ہم مسلک تھے۔ پاکستان میں مولانا عبدالحامد بدایونی کا مسلک کس سے ڈھکا چھپا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں علماء بدایوں کے منہ لگے تو ان پر بھی آپ نے وہی ہاتھ صاف کیئے جن کی مولانا کو عادت تھی۔ بدایوں کے پرچے شمس العلوم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ جملہ مرقوم تھا کہ:-

"ہر شخص آپ کا اور آپ کی ہر ادا کا مفتون ہو جاتا تھا"

یہاں لفظ مفتون دیکھ کر مولانا کو اعتراض کی راہ مل گئی۔ سرخی جمائی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائشی سخت سخت جملے" اور یوں گویا ہوئے:-

یہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فتان وفتنہ انگیز اور حضورؐ کی محبت کو فتنہ کہنا ہے۔ اس کا استعمال معشوقان مجازی میں اس لیئے ہے کہ ان کی محبت فتنہ ہے اور وہ فتنہ گر —— وہی خطاب آپ نے ان کو دیا جو ہر فتنہ کے مٹانے والے ہیں اور ان کی محبت اصل ایمان ہے صلی اللہ علیہ وسلم[۱]

علماء بدایوں نے دوسروں کو مفتون کہا تھا حضور کو فتنہ گر نہ کہا تھا مگر دیکھا خانصاحب

---

[۱] سد الفرار صہ

نے لفظ مفتون سے استنباط کرتے ہوئے کس دیدہ دلیری سے حضورؐ کو فتنہ گر کہہ دیا اور اس عقیدے کو علماء بدایوں پر لازم کیا اور یہاں لزوم و التزام کا فرق بھی نہیں کیا۔ اب آپ ہی کہیں کہ حضورؐ کو فتنہ گر کہنا کفر ہے یا نہیں؟ کون ہے جو اس کا نفی میں جواب دے۔ بہرحال خان صاحب نے اپنی عادت پوری کرنی تھی کرلی اور نہ دیکھا کہ آپ کے اس شرارہ سے حضرت مولانا جامی بھی بُری طرح جُھلس گئے ہیں۔ جو کہتے ہیں :۔

روحی فداک ای صنم ابطحی لقب　　　آشوب ترک شور عجم فتنہ عرب

مولانا جامیؒ کے الفاظ صنم، آشوب اور شور میں تاویل ہو سکتی ہے۔ تو لفظ فتنہ کی کسی اچھی تعبیر میں تشریح نہیں ہو سکتی تھی؟

بدایوں کے پرچہ شمس العلوم میں حق تعالیٰ کے کرم اور مغفرت کے بیان میں لکھا گیا :۔

گناہگار میدانِ قیامت میں بھٹکتے پھریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اگر میں تم سے وہی کروں جس کے تم مستوجب ہو تو کرم ہی نہ رہے گا۔[1]

اس پر خان صاحب یُوں برسے :۔

اگر اللہ تعالیٰ کا کرم گناہگاروں کی معافی کا محتاج ہو اکہ معاف نہ فرمائے کرم ہی نہ رہے اور کرم رہنا ضرور ہے تو معاف فرمانا اللہ پر واجب ہوا۔ کہ اپنا کرم تو باقی رکھے۔[2]

خان صاحب کے استنباط کی داد دیجئے۔ دوسروں کی بات کو کُفر تک لانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ کسی پر رحم کرنا اور اس کی بات میں تاویل کو راہ دینا حضرت کو آتا ہی نہیں۔ آپ نے اس پر دو سُرخیاں قائم فرمائیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ پر حملہ۔ ۲۔ معتزلہ کی تقلید۔

افسوس کہ آپ کے اس شرارہ تکفیر سے حضرت مولانا نظامی گنجویؒ بھی بُری طرح جُھلس گئے۔ جنہوں نے کہا تھا

---

[1] شمس العلوم صد　[2] سد الفرار صد ۸۳

گناہے من ارنامدے در شمار　　ترا نام کے بودے آمرزگار

ترجمہ۔ اگر میرے گناہ شمار میں نہ آتے تو اے میرے اللہ تیرا نام کیسے معاف کرنیوالا ہوتا۔

بدایوں کے پرچہ شمس العلوم میں سیدنا حضرت اویس قرنیؓ کے بارے میں لکھا ملا:۔

"یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار جمال جہاں آرائے احمدی پر شیدا اور اس کے دیوانہ ہیں۔"

اس پر مولانا احمد رضا خاں کے غصے کی آگ یوں بھڑکی:۔

سیدنا اویسؓ کو دیوانہ کہا۔ فاروق اعظم کو دیوانہ کہا۔ مولا علی کو دیوانہ کہا۔ ہزاروں صحابہ کو دیوانہ کہا۔ یہ آپ کا ادب ہے۔[1]

بات صرف حضرت اویس قرنی کی ہو رہی تھی۔ خانصاحب سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کو یونہی درمیان میں لے آئے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ پر ویسے ہی مشق کرنے لگے۔ اور ایک نہیں سب صحابہ کو نقلاً دیوانہ کہہ دیا۔ خانصاحب کو بات بڑھانے کی اس مشق سے کیا ملا؟ صرف عادت پوری ہوئی۔ علماء بدایوں پر غصہ نکالنے کا خوب موقعہ ملا اور بھول گئے کہ دیوانہ سے مراد دیوانگانِ عقل ہی نہیں ہوتے۔ دیوانگانِ عشق پر بھی کبھی یہ لفظ بول دیئے جاتے ہیں۔ ؎

اُلٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق　　آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیئے

حضرت امیر خسروؒ تو جبریل روح الامین تک کو اس راہ میں مرغ کہہ گئے تھے اور دیگر فرشتوں کو مکھی تک کہہ دیا تھا۔ لیکن باعثِ مسرت ہے۔ کہ خانصاحب نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ امیر خسرو کہتے ہیں۔ ؎

مبارک نامۂ قرآں تو داری　　کہ مرغ نامہ شد روح الامینش

لبش جز انگبیں ریزد در اُفتد　　ملائک چوں مگس در انگبینش

---

[1] سد الفرار صد ۱۰۴

خان صاحب خود کہنے پر آئیں تو حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو مرغ اصیل[۱]
یک کہہ دیں اور اس میں بے ادبی نہ سمجھیں۔ لیکن علماء بدایوں حضرت اویس قرنیؓ کو
جمالِ مصطفےٰ کا دیوانہ کہہ دیں۔ تو یہ حضرت فاروقِ اعظم کو دیوانہ کہنے کا جُرم ٹھہرے۔ یہ انصاف
ہے یا خان صاحب کی مشق خاص کہ جب چاہو الفاظ سے کھیلو۔ دوسروں کے کلام میں اپنے معنی
ڈالو اور پھر کفر سے نیچے اور کسی الزام پر نہ ٹھہرو۔ مکر کی معراج اسے ہی کہتے ہیں۔

اسی پرچہ شمس العلوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کے بارے میں بطور محبت
یہ الفاظ کہے گئے تھے۔ "چمکتے مکھڑے کی بلاس" اس پر خانصاحب نے اپنی عادت یوں پوری کی۔

مکھڑا صیغہ تصغیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تصغیر حرام ہے
علماء کرام نے حمائل کو مصحیف چھوٹی مسجد کو مسیجد کہنے کو منع فرمایا۔[۲]

مکھڑا کیسے صیغہ تصغیر بن گیا۔ اردو میں کوئی صیغہ تصغیر نہیں۔ نہ اس کا کوئی وزن مقرر
ہے اور تصغیر بھی وہ حرام ہے جو توہین کے لیئے ہو۔ میرٹھ کے مشہور شاعر بیان یزدانی
نے ایک نعتیہ غزل میں کہا تھا۔ ؎

بے نقاب رُخ تو اے گیسوؤں والے آجا   خواب میں زلف کو مکھڑے سے ہٹائے آجا

کیا خان صاحب نے بیان یزدانی پر توہین نبوت کا فتوے دیا۔ اگر نہیں تو پھر علماء
بدایوں حضورؐ کے چہرہ مبارک کے لئے لفظ مکھڑا استعمال کرنے میں خان صاحب کا تختۂ
مشق کیوں بنے ؟

اہل بدایوں کے پرچہ مذاکرہ علمیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں لکھا تھا۔
یہ ایک ایسی نعمت ہے کہ واللہ اس کے مقابلہ میں دنیا و آخرت کی تمام
نعمتیں ہیچ ہیں۔

اس پر خانصاحب نے اپنی عادت یوں پوری کی۔

---

[۱] حدائق بخشش حصہ دوم صہ [۲] سد الفرار صہ ۱۳

آخرت کی اعظم نعمت دیدار الٰہی و رضوانِ اکبر ہے۔ ان کو ہیچ کہنا کونسی دینداری ہے۔[۵]

کیا علمائے بدایوں نے دیدارِ الٰہی کی نعمت کو ہیچ کہا تھا؟ نہیں۔ مگر خان صاحب کی مشقِ تکفیر دیکھئے، کس طرح ان کی عبارت سے استدلال کیا اور بات کفر تک کے قریب پہنچا دی۔ حضرت مولانا معین الدین اجمیری نے آپ کی اس مشقِ تحریف کی کچھ اور مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

ان حقائق سے مولانا احمد رضا خاں کی عام عادت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دوسروں کی باتوں میں کھینچ تانی سے الزاماً اپنے معنی داخل کرتے ہیں اور جب استدلال قائم ہو جاتا ہے تو بے دریغ اسے کسی نہ کسی نئے شکار پر اُتار دیتے ہیں۔ سو علمائے دیوبند ہی ان کی نگاہِ ناز کے گھائل نہیں، یہ آپ کی وہ تیغ تکفیر ہے جو ہر اپنے پرائے پر بے دریغ چلتی رہی ہے۔ خان صاحب کی طبع برق بار نے سوائے انگریزوں کے کسی کو معاف نہیں کیا۔ آپ کی تکفیر کا نیزہ کسی نہ کسی وقت مسلمانوں کے ہر طبقے کی پشت میں بڑی بے رحمی سے پیوست ہوا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں خود تو منزل پر پہنچ گئے اور ان کے قلم کی جولانی بکھر رُک گئی۔ لیکن آپ اپنی سیاسی محنت سے ایک ایسا معاشرہ پیدا کر گئے جو خاں صاحب کے ایصال ثواب میں برابر اس محنت کو جاری کئے ہے۔ اس جماعت کے کتنے اصاغر ہیں جو اپنے اکابر کی اصلاح کے درپے ہوئے ان کی عبارات میں تاویل و تزویر کے مختلف رنگوں کے جال بچھائے اور بزعم خود حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی قدوۃ العارفین حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری یہاں تک کہ خود مشائخ بریلی کی بھی اصلاح کر دی۔

نامناسب نہ ہو گا کہ بریلوی حضرات کی امانت و دیانت کے اس جائزہ میں ایک نظر تذویر الاصاغر لاصلاح الاکابر کے کچھ صفحات پر بھی کر لی جائے۔

---

[۵] سد الفرار ص ۸۸

تزویر الاصاغر لاصلاح الاکابر

حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کی اصلاح (معاذاللہ)

حضرت امام ربّانی محبوب سبحانی نقشبندی سلسلے کے روحانی پیشوا اور کل اسلامیانِ ہند کے مایۂ ناز دینی رہنما ہیں۔ آپ نے حکومت کے غلط فیصلوں کے خلاف آواز اٹھائی اور اس کے نتیجے میں قلعہ گوالیار میں اسیر بھی ہوئے لیکن اقتدار میں کبھی پناہ تلاش نہ کی۔ علامہ اقبال مرحوم بال جبریل میں آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار

وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار[1]

حضرت امام ربّانی تو مسلمان حکمران سے بھی سازگار نہ ہوئے کیونکہ اس کی روش تقاضائے اسلام کے خلاف تھی مگر مولانا احمد رضا خاں انگریزوں کے بھی جو قطعاً غیر مسلم تھے ہمنوا ہو گئے۔ آپ نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ "مسلمانانِ ہند کے لیے حکمِ جہاد و قتال نہیں[2]۔ اور یہ کہ انگریزوں سے مالی امداد لینا درست ہے[3]۔"

ظاہر ہے کہ مولانا احمد رضا کی روش حضرت امام ربانی کی روش سے بالکل مختلف

---

[1] کلیات اقبال ص۴۳ [2] مقدمہ دوام العیش ص [3] المحجۃ المؤتمنہ فی آیت الممتحنہ ص

تھی حضرت امام ربّانی کے علمی اور رُوحانی وارث حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ تھے جو ان کی روش پر چلے اور کبھی اقتدار کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا۔ مولانا احمد رضا کا مولانا اسماعیل شہید کے خلاف بغض و عناد بھی ان کی اسی سیاسی پالیسی کا نتیجہ تھی۔ گو انھوں نے اسے مختلف عنوان سے تعبیر کیا۔ لیکن جس نے بھی بات سمجھنے کی کوشش کی اس کے لیے راز درون پردہ یہی کھلا۔

اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ بریلوی حضرات حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ کی تعلیمات کو مسخ کریں انہیں کل اسلامیانِ ہند کے دینی پیشوا کے بجائے صرف ان دہلوی حضرات کا پیشوا کہیں، ان کی غلطیاں نکالیں، ان پر طنز کریں اور درون پردہ نقشبندیوں کو طرح طرح سے بدنام کریں۔ مولانا احمد رضا خاں حضرت مجدد صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایسی طرز اختیار کرتے ہیں کہ گویا کسی مخالف کا تذکرہ کر رہے ہوں اور ان کا دل حضرت امام ربّانی کے بغض سے اس قدر بھرا ہُوا ہوتا ہے کہ خُدا کی پناہ۔ ایک جگہ مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

”کوئی مجدّدی ان کے قول سے استدلال کرے اس کو وہ جانے ہم تو ” ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صحو سے بتایا۔ خدا کے فرمانے سے کہا۔ تمام جہان نے جو زبانی دعوے کیے ہیں ظاہر کر دیا ہے کہ ہمارا سکر ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہوں سے ہوتی ہیں ناواقفی یا سکر، سکر تو یہی ہے[۱]۔“

یعنی مطلب یہ ہے کہ اعلحضرت کے شیخ نے جو فرمایا ہے وہ سارا درست ہے ان کے علاوہ تمام جہان کے شیوخ جنہوں نے علم و عرفان کے دہانے کھول دیے آپ

---

[۱] ملفوظات حصہ سوم صفحہ

ان کی باتوں کو محض ان کے زبانی دعوے سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں کہ "ظاہر کردیا ہے کہ ہمارا سکر ہے" یعنی مدہوشی اور نشہ کی حالت میں وہ ایسی باتیں کہہ آئے ہیں (معاذ اللہ) اور آگے قلم لکھنے سے تھراتا ہے کہ اعلیٰحضرت نے تمام جہانوں کے شیوخ کو کیا سمجھ رکھا ہے؟ آپ ایک جگہ حضرت امام ربانی کو یہ لقب مرحمت فرماتے ہیں۔

تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت[1]۔

گویا ان پر حضرت امام ربانی کا کوئی احسان نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت امام ربانی کا تمام فیض۔ دہلی والے لے گئے، لیکن دوسروں کے لیے یہ نری طوطا چشمی تو کسی طرح مناسب نہ تھی۔ افسوس ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کہیں آپ کے نام کے ساتھ "رحمۃ اللہ علیہ" بھی نہیں لکھا نہ اس کی اعلیٰحضرت کو کبھی توفیق ہوئی۔

حضرت مجدد صاحب کے خلاف اس بغض و عناد کا لازمی نتیجہ تھا کہ مولانا احمد رضا اور ان کے خلیفہ مولانا ابوالبرکات، حضرت مجدد الف ثانی رح کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے درپے ہوئے اور اس طرح نقشبندی سلسلے کو بری طرح بدنام کیا۔ آپ کے مکتوبات شریفہ میں اس قدر تحریف کی کہ اگر علمائے حق نہ ہوتے۔ نقشبندی چشمہ صافی بالکل گدلا ہو کر رہ جاتا۔

اس مہم کو سر کرنے کا سہرا مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا ابوالبرکات سید احمد ناظم حزب الاحناف ہند کے سر ہے۔ دیکھیے آپ کس طرح اور کس بے رحمی سے بیک جنبش قلم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق اور حضرت امام ربانی پر بریلویت کا ہاتھ صاف کرتے ہیں اور عجیب طرز سے ان پر بہتان باندھتے ہیں۔

---

[1] الکوکبۃ الشہابیہ ص۴۱ الیاقوتۃ الواسطہ ص۲۶

۲۵
ا

حضرت مجدد الف ثانی رح نے ایک حدیثِ قدسی نقل فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

یا محمد أنا وانت وما سواك خلقت لاجلك

(ترجمہ) اے محمدؐ میں ہوں اور تُو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے پیدا کیا۔

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا:

اللهم انت وما أنا وما سواك تركت لاجلك [1]

(ترجمہ) اے اللہ تو ہے اور میں نہیں ہُوں اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے چھوڑا۔

مگر مولانا ابوالبرکات سیّد احمد (بریلوی) نے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے خدا کی بھی اور رسول کی بھی اور مجدّد صاحب کی بھی اصلاح کر ڈالی (معاذ اللہ) آپ اسے حضرت مجدّد صاحب کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

"حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضور سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ وعلیٰ آلہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ سے عرض کی اللھم انت وانا وماسواك تركت لاجلك۔ یعنی اے اللہ تو ہے اور میں ہوں اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا یا محمد انا وانت وماسواك خلقت لاجلك یعنی اے محبوب میں ہوں اور تو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے ہی لئے پیدا کیا۔" [2]

---

[1] مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۸۔ [2] رسالہ حزب الاحناف ص۲

حدیث کی اصلاح

مولانا ابوالبرکات نے یہ حدیث نئی طرح سے ترتیب دی اور اسے حضرت امام ربانیؒ کے حوالہ سے پیش کیا اور وماأنا کی جگہ وأنا لکھ دیا ما کا لفظ ہضم کر گئے جو سراسر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے۔ مجدد صاحبؒ نے یہ حدیث اس طرح کہیں نہیں لکھی۔ اسے حضرت مجدد صاحبؒ کے نام سے پیش کرنا خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ مولانا ابوالبرکات اپنی تحقیق سے جو بات کہتے انہیں اس کا پورا حق تھا لیکن مجدد صاحبؒ کے نام سے انہیں اپنی بات پیش کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا۔ اس بارے میں وہ خود عدالت باری میں جواب دہ ہوں گے۔

مولانا ابوالبرکات کو جب اس طرف توجہ دلائی گئی کہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی یہ اصلاح آخر کس دلیل کے سہارے کی ہے تو فرمایا کہ تفسیر حسینی میں یہ حدیث اس طرح لکھی ہے۔ تفسیر حسینی کے مصنف شیعہ واعظ کی حیثیت سے بہت معروف ہیں۔

بڑے افسوس کا مقام ہے اگر اس طرح کی حدیث تفسیر حسینی میں لکھی بھی تھی تو مولانا ابوالبرکات صاحب اس کا حوالہ دیتے اور اسے حضرت مجدد صاحب کی بیان کردہ روایت میں داخل نہ کرتے۔ مگر یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے کہ انہوں نے اپنی یا تفسیر حسینی کی بات حضرت مجدد صاحبؒ کے نام سے اور ان کی کتاب کا حوالہ دے کر پیش کی ہے اور یہ سراسر جھوٹ اور خیانت ہے۔

تفسیر حسینی کے مصنف ملا معین واعظ کاشفی ... سنہ میں گزرے ہیں۔ ان کا مرتبہ علم وثقاہت اور مسلک میں حضرت امام ربانی کا سا نہیں۔ بعض علماء نے انہیں شیعہ

بھی لکھا ہے۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری کی جرأت کی داد دیجئے کہ ملا کاشفی کے سہارے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اصلاح کر ڈالی اور اس حدیث کو ملا کاشفی کی بجائے حضرت مجدد صاحب کے نام سے پیش کیا۔ بڑوں کی اصلاح کا یہ گھناؤنا انداز انتہائی لائقِ مذمت ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ایک اور اصلاح

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں روح کی نسبت بحث کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"روح لامکانی است در مکان نمیگنجد و روح را در ماوراء عرش اثبات نمودن ترا در وہم نیندازد کہ روح از تو بعید ہے و مسافت دور و دراز درمیان تو و روح است نہ چنین است روح را نسبت با جمیع امکنہ باوجود لامکانیت برابر است ماوراء عرش گفتن معنے دیگر دارد تا بآنجا نرسی نتوانی دریافت[1]۔

(ترجمہ) روح لامکانی چیز ہے مکان میں نہیں سماتی، روح کو ماورائے عرش ثابت کرنا تجھے اس وہم میں نہ ڈالے کہ روح تم سے دور ہے اور تم میں اور روح میں دور و دراز کی مسافت ہے ایسا نہیں۔ روح کی نسبت تمام جگہوں کے ساتھ لامکانی ہونے کے باوجود ایک سی ہے۔ عرش سے ورے بتلانا اس کی حقیقت کچھ اور ہے جب تک اس مقام پر نہ پہنچے تو اس بات کو پا نہیں سکتا۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی جلد ا صفحہ ۳۷۱ نمبر ۲۸۵۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے اس ارشاد میں مومن اور کافر کی روح کا فرق نہ تھا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بھی ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

"مرنے کے بعد رُوح کا ادراک بے شمار بڑھ جاتا ہے خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی ہے"[1]

مگر مولانا ابوالبرکات کی جرأت دیکھیے کہ حضرت امام ربانی کی عبارت کو بدل کر ان کے نام سے اسے اس طرح پیش کیا :

"انبیاء و اولیاء کی پاک روحوں کو عرش سے فرش تک ہر جگہ برابر کی نسبت ہوتی ہے۔ کوئی چیز ان سے نزدیک و دور نہیں"[2]

اصل عبارت میں انبیاء و اولیاء کا ذکر کہیں نہ تھا۔ یہ سب مولانا کی اپنی ایجاد و افتراء ہے۔ مولانا کی اس تحریف سے غرض یہ تھی کہ کسی طرح انبیاء و اولیاء کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت کر سکیں۔ ہم اس نیت پر اظہار افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اپنی اغراض کے لیے حضرت امام ربانی کی اصلاح کرنا یہ کس ضابطۂ اخلاق کی رُو سے بریلویوں کے لیے جائز ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی ایک اور اصلاح

نقشبندی حضرات بدعات کے سخت مخالف اور بدعات کو روکنے میں سر دھڑ کی بازی لگانے والے ہیں اور سنتوں کے شدید حامی ہوئے ہیں۔ حضرت امام ربانیؒ نے مولود خوانی میں ہونے والی بہت سی بدعات پر نکیر کی تو ان سے جناب خواجہ حسام الدینؒ نے سوال کیا جسے حضرت مجدد صاحبؒ یوں نقل فرما رہے ہیں:

---

[1] ملفوظات احمد رضا حصہ اول ص۹۱ [2] رسالہ حزب الاحناف ص۴

"دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیّر حروف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت بآن طریق الحان با تصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر بر نہج خوانند کہ تحریفے در کلمات قرآنی واقع نشود و در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نگردد و آں را ہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است؟"

(ترجمہ) دوسری بات مولود خوانی کے بارے میں لکھی تھی۔ اچھی آواز سے قرآن پڑھنے اور نعت و مناقب کے قصیدے پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ حروف قرآن میں کہیں تبدیلی اور تحریف ہو جائے اور گانے کے مقامات اور موسیقی سے آواز لوٹانے کی رعایت کہ شعر میں بھی جائز نہیں، کی پابندی کی جائے۔ اور تالیاں بجائی جائیں۔ اگر اس طرح پڑھیں کہ کلمات قرآنی میں کوئی تحریف نہ ہونے پائے اور قصائد پڑھنے میں بھی مذکورہ صورتیں واقع نہ ہوں اور اسے بھی کسی صحیح مقصد کے لیے پڑھا جائے اس میں کونسی چیز مانع ہے؟

حضرت امام ربانی کا جواب یہ تھا:

"مخدوما بخاطر فقیر مے رسد تا سد ایں باب مطلق نکنند بو الہوساں ممنوع نمیگردند اگر اندک تجویز کردند منجر بہ بسیار خواہد شد قلیلہ تفضی الی کثیرۃ قول مشہور است والسلام۔"[1]

(ترجمہ) مخدوم! فقیر کے دل میں یہی بات آتی ہے کہ جب تک اس کا دروازہ مطلقاً بند نہ کیا جائے گا۔ بو الہوس لوگ باز نہ آئیں گے۔ اگر اس کی (مولود کی) کچھ بھی اجازت

---

[1] مکتوبات امام ربانی جلد سوم ص ۱۱۶

دے دی جائے تو اس سے بات بڑھ جائے گی۔ تھوڑی بات زیادہ تک پہنچاتی ہے مشہور بات ہے، والسلام۔

یہ دونوں باتیں سوال وجواب کی صورت میں تھیں، مگر مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلیفہ اجل مولانا ابوالبرکات نے حضرت امام ربانی کے مکتوبات سے سوال کی آخری عبارت کو جو خط کشیدہ سطور سے ظاہر ہے جواب میں داخل کر کے بڑی ہیرا پھیری کر دی اور عبارت کے ترجمہ کو اس طرح پیش کیا:

"مجلس میلاد شریف میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کی جائے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف اور صحابۂ کرام واہلِ بیت عظام و اولیائے اعلام رضی اللہ عنہم المنعام کی منقبت کے قصیدے پڑھے جائیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ناجائز بات تو یہ ہے کہ قرآن عظیم کے حروف میں تغیر و تحریف کر دی جائے اور قصیدے پڑھنے میں راگنی اور موسیقی کے قواعد کی رعایت و پابندی کی جائے اور تالیاں بجائی جائیں جس مجلس میلاد مبارک میں یہ ناجائز باتیں نہ ہوں اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ ہاں جب تک راگنی اور تال سُر کے ساتھ گانے اور تالیاں بجانے کا دروازہ بالکل بند نہ کیا جائے۔ بوالہوس لوگ باز نہ آئیں گے۔ اگر ان نامشروع باتوں کی ذراسی بھی اجازت دے دی جائے گی تو اس کا نتیجہ بہت ہی خراب نکلے گا[1]۔"

سوال اسی مولود خوانی کے بارے میں کیا جا رہا ہے جس میں کوئی خلافِ شرع

---

[1] رسالہ حزب الاحناف ص۸

بات نہ ہو سائل خود خلافِ شرع امور کو اپنے سوال میں ذکر کر رہا ہے۔ حضرت امام ربّانی اسی مولود خوانی کو منع فرما رہے ہیں جس کے بارے میں وہ پوچھ رہا ہے مگر مولانا ابوالبرکات جواب کے پہلے لفظ (مخدوما) کو یکسر ہضم کر کے اپنی طرف سے یہ الفاظ لکھ گئے ہیں جو حضرت مجدد صاحب کی عبارت میں نہ تھے۔

"جب تک راگنی اور تال سر کے ساتھ گانے اور تالیاں بجانے کا دروازہ بالکل بند نہ کیا جائے گا۔"

مولانا ابوالبرکات کی چال ملاحظہ کیجئے۔ اسے ہی ایجاد بندہ کہتے ہیں۔ لوگوں سے اپنا عقیدہ منوانے کی خاطر حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رح کے قولِ فیصل کو ہی بدل ڈالا۔ مولانا ابوالبرکات اپنا عقیدہ جو چاہتے جس طرح چاہتے بیان کرتے انہیں اس کا حق تھا لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اعلیٰحضرت کے اس خلیفہ اجل نے حق خلافت ادا کرتے ہوئے حضرت مجدّد صاحب رح کی طرف اس بات کی نسبت کر ڈالی، جو انہوں نے نہ کہی تھی بلکہ اس کی تردید فرمائی تھی۔ یوں سمجھیے کہ مولانا ابوالبرکات نے حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی کی ہی اصلاح کر ڈالی۔

ہمارے کرم فرما جناب ماسٹر غلام نبی صاحب سابق ٹیچر کارپوریشن ہائی سکول مزنگ لاہور ساکن کرامت اسٹریٹ راجگڑھ لاہور جو حضرت مجدد الف ثانی رح کے بہت معتقد ہیں۔ آپ سے یہ دن دھاڑے ڈاکہ برداشت نہ ہو سکا۔ آپ اس تحریف کو جو اعلیٰحضرت کے خلیفہ مولانا ابوالبرکات نے کی تھی لے کر اسے دکھانے کے لیے سیدھے مولانا ابوالبرکات کے پاس پہنچے اور ایک تحریر پیش کی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ اصل خط ہمارے پاس موجود ہے اور اسی کے حاشیے پر حزب الاحناف لاہور کے نائب مفتی مولانا ابوالریان محمد رمضان کے جوابی نوٹ مرقوم ہیں خط کی عبارت یہ ہے:

معظم و محترم جناب مولانا مدظلہ العالی!

السلام علیکم، مؤدبانہ گزارش ہے کہ مجھے اتفاقاً آپ کے شائع کردہ ایک چھوٹے سے رسالے کے مطالعہ کا موقع ملا، جس کا نام، چالیس ارشادات امام ربانی ہے۔ دو تین جگہ مجھے امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل مکتوبات دیکھ کر اختلاف ہوا ان میں سے دو ہو بہو نقل کرنے کی جرأت کرتا ہوں اُمید ہے کہ آپ میرے اس شبہہ کا ازالہ فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔

رسالہ کی عبارت

(۱) حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے عرض کی اللّٰھم انت وأنا وما سواك تركت لاجلك۔ اے اللہ تو ہے اور میں ہوں اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا یا محمد أنا وانت وما سواك خلقت لاجلك یعنی اے محبوب میں ہوں اور تو ہے اور تیرے سوا جو کچھ ہے سب کو میں نے تیرے لیے پیدا کیا[۱]۔

مکتوب کی اصل عبارت

و در حدیث قدسی مکرر باین خصوصیت اشارتست کہ وارد شدہ محمد أنا و انت وما سواك خلقت لاجلك فقال محمد علیہ وعلی الہ الصلوٰۃ والسلام اللّٰھم انت وما أنا وما سواك تركت لاجلك[۲]

---

[۱] رسالہ حزب الاحناف ص۲۔ [۲] مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۸

رسالہ کی عبارت

(۲) مجلس میلاد شریف میں اگر اچھی آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کیجائے اور حضورؐ کی نعت شریف..... ہاں جب تک راگنی اور تال سر کے ساتھ گانے اور تالیاں بجانے کا دروازہ بالکل بند نہ کیا جائے گا بوالہوس لوگ باز نہ آئیں گے۔ اگر ان نامشروع باتوں کی ذراسی بھی اجازت دے دی جائے گی تو اس کا نتیجہ بہت ہی خراب نکلے گا۔[ا]

مکتوب کی اصل عبارت

دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود[ع]..... اگر بنہجے خوانند کہ تحریفے در کلمات قرآنی واقع نشود و در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نگردد و آنرا ہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است؟

مخدوما بخاطر فقیر میرسد کہ تا سد ایں باب مطلق نکنند بوالہوساں ممنوع نمے گردند اگر اندک تجویز کردند منجر بہ بسیار خواہد شد قلیلہ تفضی الی کثیرۃ قول مشہور است[۳]

جناب من مندرجہ بالا دو عبارتیں اصل مکتوب سے حرفاً و معناً دونوں طرح مختلف ہیں ازراہِ کرم اختلاف پر روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں۔

والسلام بندہ غلام نبی

۲/ فروری ۱۹۶۶ء مدرس کارپوریشن ہائی اسکول مزنگ لاہور۔

ساکن ۳۷/ کرامت اسٹریٹ مسلم پارک لاہور

ا۔ یہ پوری عبارت ص۳۸۵ پر آچکی ہے اس لیئے یہاں اختصار کیا گیا۔ ع۔ خط میں پوری عبارت ہے
۳۔ اصل عبارت ص۳۸۵ پر گزر چکی ہے۔ ۳۔ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۱۶۔

مدرسہ حزب الاحناف لاہور کے نائب مفتی مولانا ابوالریان محمد رمضان صاحب نے اس خط کے جواب میں حضرت مجدد صاحب کی ان دو عبارتوں میں تحریف کرنے کی مندرجہ ذیل وجوہ تحریر فرمائی ہیں۔ یہ جواب مفتی صاحب حزب الاحناف لاہور نے ماسٹر غلام صاحب کے اسی خط کے حاشیے پر لکھا ہے جو ہمارے پاس بعینہ محفوظ ہے مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

جواب(۱)

اصل مکتوب کی عبارت غلط چھپی ہے کیونکہ معنی بنتا نہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکتوب کی عبارت کے بموجب اللہ تعالیٰ سے عرض کی اللّٰھم انت وما أنا" اس کا معنی یہ ہوا یا اللہ تو ہے اور میں نہیں ہوں حالانکہ مطلب یہ تھا کہ یا اللہ تو ہے اور میں ہوں اور تمام ماسوی اللہ کو میں نے تیری وجہ سے چھوڑ دیا ہے اور تفسیر حسینی میں بھی چالیس ارشادات کے موافق ہے اگرچہ لفظ بدلے ہوئے ہیں لیکن مفہوم وہی ہے۔ اس میں یوں ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا اے محمد انا وانت وماسویٰ ذالک خلقتہ لاجلک۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا یا رب انا وانت وماسوی ذالک ترکتہ لاجلک۔ البتہ چالیس ارشادات میں فرق ضرور ہے کہ مکتوبات کی اصل عبارت میں تو اللہ تعالیٰ کا قول پہلے ہے اور چالیس ارشادات میں ترجمہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پہلے ہے لیکن مفہوم میں کچھ فرق نہیں اور اس قسم کی غلطی کتابت میں ہو جاتی ہے صحت کرتے وقت خیال نہیں۔ رہا(۱)

ے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بعد ہونے کی صورت میں اس نیاز مندی کا مظہر تھی جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے جواب میں ہونی چاہیے۔ اسی کو مولانا ابوالبرکات ختم کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے کر دکھایا اور اصلاح کر ڈالی، اس میں کاتب کی بھول کہاں سے آگئی۔

جواب (۲)

جب کسی عبارت کا ترجمہ کیا جائے گا تو حرفوں میں تو ضرور فرق پڑے گا اور اس عبارت کے ترجمہ میں معنا فرق نہیں کیونکہ ترجمہ یہی کیا گیا ہے [۱] "جس میلاد مبارک میں یہ ناجائز باتیں نہ ہوں۔ اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے" یعنی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا میلاد شریف جائز ہے جس میں قرآن کے حروف کو بدلا نہ گیا ہو اور نعت و قصائد پڑھنے میں فن موسیقی کے قواعد کی پابندی نہ کی جاتے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہی مجدد صاحب فرما رہے ہیں کہ کلمات قرآنی میں تحریف واقع نہ ہو اور قصائد پڑھنے میں شرائط مذکور متحقق نہ ہوں یعنی نغمہ اور گلہ پھرانا اور تالیاں وغیرہ نہ ہوں۔ اس میں کچھ مانع نہیں۔ تا سد ایں باب مطلق نہ کنند سے دھوکہ لگ سکتا ہے کہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ بالکل میلاد شریف کرنے کی اجازت ہی نہ دیں۔ ایسا سمجھنا غلط فہمی پر مبنی ہے بلکہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ نغمہ اور ترديد صوت اور تالیاں وغیرہ کی اجازت مطلقاً نہ دیں، جیسا کہ ختنہ و شادی کے موقع پر دف بجانے اور گانے کی رخصت ہے اور اس امر کی تائید شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدارج النبوۃ کی عبارت سے ہوتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ اس جگہ میلاد شریف کرنے والوں کے لیے سند ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات میں خوشی کریں اور مالوں کو خرچ کریں ۔ لیکن محرمات شرعیہ سے بچیں۔

یعنی حضرت مجدد الف ثانی نے حدیث کے بیان میں خدا کی بات جو پہلے لکھی تھی۔ مولانا ابو البرکات نے اسے بدل کر حضور کی بات کو اول اور خدا کی بات کو آخر چھپکا تو کیا اس قسم کی غلطی کتابت کی ہے۔

[۱] مفتی صاحب کو چاہیے تھا کہ یوں لکھتے "سوال میں یہ کہا گیا ہے" مگر مولانا ابو البرکات نے چونکہ تحریف کر کے اسے جواب کی عبارت ظاہر کیا تھا اس لیے مولانا ابو الریان صاحب سوال و جواب سے ہٹ کر یوں لکھ رہے ہیں کہ "ترجمہ میں یہ کہا گیا ہے۔" نہ سوال کا اقرار ہے نہ جواب کا۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمہ نے میلاد شریف کرنے کی اجازت دی.
محرمات سے روکا، اس طرح مجدّد علیہ الرحمہ اس میلاد شریف کو جائز فرما رہے ہیں جس
میں نغمہ اور گانا اور تالیاں اور تحریف قرآن نہ ہو۔
اندک تجویز کردند سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر نغمہ تالیاں موسیقی وغیرہ میں سے کسی
ایک چیز کی تھوڑی اجازت دے دی تو اس کے بعد زیادہ کرنے لگ جائیں گے۔ لہٰذا
ان چیزوں کی اجازت بالکل مت دو۔ واللہ اعلم۔

احقر العباد

مولوی ابوالریان محمد رمضان نائب مفتی و فاضل دارالعلوم

مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۹۶۶ء حزب الاحناف لاہور

افسوس کہ اس جواب سے وہ تحریف درست نہ ہو سکی جو مولانا ابوالبرکات نے
حضرت مجدّد الف ثانی کی عبارات میں کی تھی اس لیے ماسٹر صاحب موصوف نے پھر
ایک عریضہ لکھا اور مولانا سے درخواست کی کہ اصل اشکال کو حل فرمائیں۔ اس کے
جواب میں حزب الاحناف کے نائب مفتی صاحب کا جو جواب موصول ہوا وہ درج ذیل ہے:

مکرم و محترم جناب ماسٹر صاحب زید مجدہم

السلام علیکم، حضرت مجدّد صاحب علیہ الرحمہ کے مکتوبات میں جو عبارت شبِ
معراج کی گفتگو کے متعلق چھپی ہے وہ غلط ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام شبِ اسراء
اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں اللّٰھم انا وانت وما سواک ترکت لاجلک (یا اللہ
اس نہاں خانہ خاص میں میں ہوں اور تو ہے اور جو تیرے سوا ہے اس کو میں نے تیری وجہ
سے چھوڑ دیا ہے) مکتوبات میں یوں شائع ہوا ہے اللّٰھم انت وما انا وما
سواک ترکت لاجلک (اب یہ معنی ہوا یا اللہ! تو ہے اور میں نہیں ہوں اور جو

تیرے سوا ہے اس کو میں نے تیری وجہ سے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ حضور علیہ السلام شب معراج موجود تھے۔ نیز تفسیر حسینی اور اس کے ترجمہ تفسیر قادری میں سورہ نجم پارہ ۲۷ زیر آیت فاوحی الی عبدہ ما اوحی مندرج ہے کہ حق سبحانہٗ نے فرمایا:۔ انا وانت وما سوی ذالک خلقتہ لاجلک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا یارب انا وانت وما سوی ذالک ترکتہ لاجلک واللہ اعلم۔

احقر العباد، مولوی ابوالریان محمد رمضان

نائب مفتی و فاضل دار العلوم حزب الاحناف لاہور

ابھی یہ مندرجہ بالا خط ماسٹر غلام نبی صاحب کو موصول نہ ہوا تھا کہ جناب ماسٹر غلام نبی صاحب نے ایک اور عریضہ ان کی طرف ارسال کیا جس کی نقل یہ ہے:۔

مکرم ومحترم مولانا زاد الطافکم

السلام علیکم۔ حضرت میں نے مورخہ ۲ فروری ۱۹۶۶ء کو ایک عریضہ آپ کی خدمت عالیہ ارسال کیا تھا جس کا جواب آپ کے نائب مفتی صاحب کی معرفت ۱۰ جولائی ۱۹۶۶ء کو ملا[1]۔ اس جواب میں صاحب موصوف نے اصل اعتراضات سے کلیتہً اعراض فرما کر اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے دو ماہ کا عرصہ ہوا۔ اک اور عریضہ آپ کی خدمت میں لکھا تھا کہ اپنی ان عبارات کی تصحیح فرما دیں تاکہ مجدد صاحب کی عبارت میں تحریف کا سوال پیدا نہ ہو۔ لیکن تا دم تحریر کوئی جواب موصول نہیں ہوا، دوبارہ ملتمس ہوں کہ مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو اپنے تراجم کے بالمقابل شائع کر کے غلط فہمی کو دور فرمانے کی کوشش فرما دیں۔

میں نے گزشتہ عریضہ میں تمام اعتراضات مفصل لکھ دیے تھے۔ اس عریضہ میں

---

[1] یعنی دو جوابوں کے لکھنے میں پانچ مہینے اور آٹھ دن گزر گئے کہ اس کا کیا جواب لکھا جائے؟

انحصار سے کام لیا ہے۔ اگر وہ عریضہ آپ کے پاس نہیں پہنچا تو دوبارہ ارشاد پر پھر لکھ دوں گا ورنہ اصل اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

اگر بے اعتنائی کا یہی عالم رہا تو شاید کچھ عرصہ بعد مجھے دونوں عبارتیں بالمقابل شائع کرنے پر مجبور ہونا پڑے۔

آپ کی عالی ذات کے متعلق ایسی بدگمانی نہایت بُری ہے کہ اصل عبارت جلی حروف میں شائع کی جاتے ہوئے اس طرح بدل دیا جائے کہ اصل و نقل میں بالکل مطابقت نہ ہو۔

خدا جانے اس دنیا میں اس طرح کی غلط فہمیاں کتنی ہو چکی ہوں گی جو امتِ مسلمہ کی گمراہی کا باعث بنی ہوں گی۔ اس وقت تو حُسنِ اتفاق سے اصل مکتوب جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے موجود ہے۔ آپ کی حیات میں یہ غلطی آپ درست کر سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ آپ کے پیش کردہ حوالہ جات میں فرق موجود ہو تو غلطی چھپانے کی کتنی گنجائش ہے۔ آپ یہ مان کر کہ اصل عبارت میں اور ترجمہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ درست کرانے کو تیار نہیں بلکہ مجدد صاحب کی غلطیاں نکال رہے ہیں۔ دیگر فرقوں کے سربراہوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

یہ تو آپ کی ذات والا صفات کو معلوم ہو گا کہ مرزا غلام احمد نے دن دہاڑے لکھ دیا تھا کہ مجدد صاحب نے لکھا ہے کہ جس شخص کو کثرت سے مکالمہ اور مخاطبہ ہو وہ نبی ہوتا ہے لیکن جب اس کی بددیانتی پکڑی گئی تو انہوں نے اسے جائز اور درست ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ آپ کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا یہ بالکل معمولی بات ہے آئندہ اشاعت میں تبدیلی کر دی جائے۔ دین و دنیا میں سرخروئی نصیب ہو گی، ورنہ تحریف کا جُرم ثابت رہے گا۔

معذرت خواہ ہوں کہ آپ کی ذاتِ گرامی کی فضیحت مقصود نہیں صرف اصلاحِ احوال منظور ہے۔

رسالہ کے سرورق پر اگر مجدد الف ثانی امام ربّانی کے چالیس ارشادات کے الفاظ نہ لکھتے بلکہ اپنے عقائد وغیرہ لکھتے تو کوئی اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ آپ کا مسلک بالکل واضح ہے۔ اعتراض صرف یہ ہے کہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ نقل کرنے میں آپ نے اصل الفاظ کی ترتیب کو بدلا۔ معانی بدل دیے حتیٰ کہ الفاظ بھی بدل دیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا اللّٰھم انت وما أنا آپ نے ترجمہ بھی اور اصل عبارت یوں کر دی۔

اللّٰھم انت وأنا — لاحول ولا قوۃ اور جواب میں لکھا ہے عبارت غلط چھپی ہے۔ عبارت غلط تھی تو اس مکتوب کا حوالہ اور صفحہ کیوں دیا۔ اس کتابی نسخہ کا حوالہ دیتے جہاں ٹھیک عبارت چھپی تھی۔

اب بھی آپ اس نسخہ کا پتہ دیں جس میں عبارت اس طور پر چھپی ہو جس طرح آپ نے درج فرمائی ہے۔ مجدد صاحبؒ کی غلطیاں درست کرنا مقصود تھا تو کھلے طور پر رسالہ لکھتے کہ مجدد صاحبؒ غلط باتیں دُنیا میں پھیلاتے رہے ہیں جس طرح آپ کے ہمعصران سے اختلاف رکھتے تھے آپ بھی اسی زمرہ میں شامل ہو جاتے۔ آپ دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر بندوق کیوں چلاتے ہیں۔

مولود شریف میں حضرتؒ کا مسلک مکتوب نمبر ۲۷۳ میں موجود ہے وہاں پڑھا جا سکتا ہے۔

معذرت خواہ، جواب کا منتظر

غلام نبی، ۳۰ کرامت اسٹریٹ مسلم پارک لاہور — ۶/۱۱/۶۷

ماسٹر غلام نبی صاحب کا یہ خط مولانا ابوالبرکات کو ملا اور انہوں نے اسے اپنے نائب مفتی کو دیا تو نائب مفتی مولانا ابوالریان صاحب نے تو اصلاحِ عبارت کی نیت کرلی۔ مولانا ابوالریان کا یہ خط ہمارے پاس محفوظ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا ابوالریان تو اس غلطی کو مان گئے لیکن مولانا ابوالبرکات پھر بھی خاموش رہے تسلیم حق کے لیے ان کی زبان نہ کھل سکی۔ کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ وہ مولانا احمد رضا کے خلیفہ تھے۔ مان کیسے لیتے۔ بہرحال وہ خط درج ذیل ہے:۔

مکرمی من سلامت باشند

السلام علیکم مجدد صاحب علیہ الرحمۃ کے اصل مکتوبات اور ان کے تراجم دیکھنے سے معلوم ہوا تو واقعی جو آپ کہتے تھے، وہی درست ہے۔ مجدد علیہ الرحمۃ اپنی طریقت کی مخالفت کی بنا پر مولود خوانی کے بالکل قائل نہیں۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں لوگوں نے مولود خوانی میں گانے بجانے کو شامل کرلیا تھا اس لیے آپ نے فرمایا اگر ان لوگوں کو ایسے مولود شریف کی بھی اجازت دی جس میں تال سر اور گلہ پھرانا نہ ہو تو خواہش نفس کے بندے اس اجازت سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر مولود خوانی میں گانا بجانا شامل کریں گے۔ نیز آپ کے نزدیک مولود قصائد نعت اور اشعار غیر نعت ہے۔ اس لیے بھی آپ نے فرمایا ہے۔ نیز شعر خوانی نقشبندی طریق کے خلاف ہے۔ اس لیے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔ آپ کی اصل عبارت مولود شریف کے متعلق یہ ہے: مولود کہ عبارت از قصائد نعت و اشعار غیر نعت خواندن است۔ نیز آپ نے فرمایا ہے مبالغہ را منع بواسطہ مخالفت خود است حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند نہ ایں کار میکنم و نہ انکار میکنم۔ اور حدیث قدسی کے متعلق آپ کا اصرار فضول ہے کہ مجدد صاحب کے مکتوبات سے دکھلاؤ کہ کسی ایڈیشن میں آپ کے شائع کردہ ارشادات

امام ربّانی کے موافق چھپی ہو۔تفسیر حسینی کا حوالہ لکھا جاتا ہے، وہاں سے آپ دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ مکتوبات کے متعدد ایڈیشن تلاش کریں۔ اگر وقت ملا تو ہم تلاش کریں گے۔ نیز جس طرح مکتوبات میں یہ حدیث قدسی شائع ہوئی ہے۔ اس سے معنی نہیں بنتا اور کتابت کی غلطی سے ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ میں نے سیّد صاحب کو واضح کر دیا ہے کہ ارشادات امام ربّانی میں مکتوبات کی عبارت غلط چھپی ہے۔ لہٰذا آئندہ اشاعت میں انشاء اللہ درستی کر دی جائے گی، یا شاید یہ عبارت شائع ہی نہ کی جائے۔ فقط والسلام۔ الراقم مولوی عبدالریان محمد رمضان نائب مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور۔ مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۶۸ء

آپ حیران ہوں گے کہ مفتی صاحب نے آئندہ درستی کرنے کے وعدہ کے ساتھ یہ کیوں فرما دیا کہ "شاید یہ عبارت شائع ہی نہ کی جائے"۔ یہ محض اس لیے کہ کہیں حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کا مسلک عوام کو معلوم نہ ہو پائے۔ بہر حال محترم ماسٹر غلام نبی صاحب کی مساعی جمیلہ لائق تشکر ہیں کہ ان کی اس گرفت سے بریلویوں کی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کی اصلاح کی یہ مہم کافی حد تک رک گئی۔ اب یہ لوگ اپنی مجلسوں میں تو حضرت کی غلطیاں نکالتے ہیں لیکن انہیں تحریر میں لانے کی اب انہیں ہمت نہیں ہوتی الحق یعلو ولا یعلی علیہ آخری فتح حق کی ہی ہوتی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

لے سبحان اللہ، مولانا ابوالبرکات نے حوالہ اپنی کتاب میں مکتوبات کا دیا تھا اور آپ یہاں پر تفسیر حسینی کا حوالہ دے رہے ہیں۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایک طرف محض یہ مطالبہ ہے کہ کم از کم دکھا دیں کہ آپ نے نقل کہاں سے کیا ہے؟ تاکہ آپ کو لکھتے ہوئے اور تمام ایڈیشن تلاش کرتے ہوئے زیادہ وقت نہ لگے اور ادھر یہ حال ہے کہ ایک حوالہ جو کہ آپ کے بموجب صحیح ہو اسے تلاش کرتے ہوئے جان نکل رہی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

مفتی صاحب کی خدمت میں یاد دہانی کا خط

مفتی صاحب کا مذکورہ وعدہ ۲۸ جنوری ۱۹۶۸ء کا ہے۔ ماسٹر غلام نبی صاحب مسلسل تیرہ سال انتظار کرتے رہے کہ کب یہ لوگ حضرت مجدّد الف ثانی ؒ کے مکتوبات میں کی گئی تحریف سے رجوع کرتے ہیں لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے اپنی مشق تحریف جاری رکھی۔ یہاں تک کہ مؤلف پمفلٹ مذکور مولانا ابوالبرکات سیّد احمد کا انتقال بھی ہو گیا اور اُن کا پمفلٹ مذکور اپنے غلط حوالوں کے ساتھ ہی چھپتا رہا۔ پھر ماسٹر غلام نبی صاحب نے ۱۵ مارچ ۱۹۸۱ء کو مفتی ابوالریان محمد رمضان صاحب کی خدمت میں یاد دہانی کا ایک اور خط لکھا۔ وہ خط اور مفتی صاحب کا جواب دونوں ہدیہ قارئین ہیں۔

ماسٹر غلام نبی صاحب کا خط

مکرم و معظم جناب مفتی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ:

السلام علیکم۔ عرصہ ہوا۔ میں نے ایک عریضہ جناب سیّد ابوالبرکات صاحب مرحوم و مغفور کی خدمت عالیہ میں ارسال کیا تھا۔ اس عریضہ میں مکتوبات مجدد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی نقل اور اصل درج کر کے گزارش کی تھی کہ اصل اور نقل مندرجہ چالیس ارشادات امامِ ربانی مطابق نہیں ہے۔ یہ خط و کتابت آپ کی معرفت ہوتی رہی۔ پہلے جواب پر سیّد صاحب مرحوم کی تصدیق بھی موجود تھی۔ آخر میں آپ نے مجھے ایک چٹھی لکھی۔ جس کی عبارت یوں ہے۔

ماسٹر صاحب:

مکتوبات اور تراجم کے مطالعہ سے پتہ چلا ہے کہ آپ کی بات درست ہے۔

مجدد صاحب اپنے مسلک کے لحاظ سے مولود خوانی کے قائل نہ تھے اور دوسری حدیث قدسی کے متعلق عرض ہے کہ میں نے سید صاحب سے کہہ دیا ہے کہ یا یہ عبارت دوبارہ شائع نہ کیجاوے۔ کیجاوے تو درست کر کے شائع کی جاوے۔

یہ خط و کتابت میرے پاس موجود ہے۔ ان دونوں مکتوب کی نقل ارسالِ خدمت کرنا تو بے معنی ہو گا البتہ ان کے نمبر اور ارشاداتِ ربانی شائع کردہ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے لائل پور کے صفحات درج کئے دیتا ہوں۔

نمبر مکتوب مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ	نمبر و صفحہ چالیس ارشادتِ ربانی
مکتوب نمبر ۸ جلد دوم صفحہ ۱۸	نمبر ۷ صفحہ ۳
مکتوب نمبر ۲۷/۱۰۰ جلد سوم صفحہ ۱۱۶	نمبر ۳۷ صفحہ ۱۴

اب گزارش صرف یہ ہے کہ میں نے بہت کوشش کی ہے کہ درست شدہ نسخہ کہیں مل جائے لیکن مجھے دستیاب نہیں ہوا اگر آپ کے علم میں ہو تو مجھے اطلاع دیں تاکہ میں اسے حاصل کر سکوں اور اگر اب تک وہ شائع نہیں ہوا تو کرم فرما کر وعدہ فرمادیں کہ جلد یہ کام ہو جائیگا۔ مرحوم سید صاحب تو اس جہان فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔ ان کے نامہ اعمال سے یہ غلطی اگر دھل سکتی ہے تو آپ کے دم قدم سے دھل سکتی ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے روز جناب مجدد صاحب پر افترا کے مجرم ہونگے۔ امید ہے، آپ اپنے جواب باصواب سے جلد بندہ کو سرفراز فرمادینگے۔ آپ کی ذاتِ والاصفات سے یہی توقع ہے کیونکہ آپ نے پہلے صاف صاف اقرار فرمایا تھا کہ

مجدد صاحب مولود کے قائل نہ تھے اور نیز دوسری حدیث قدسی غلط چھپی ہے۔ اُسے بھی جلد درست کر دیا جائیگا۔ والسلام۔

اللہ تعالیٰ آپ جیسے بزرگوں کا سایہ دیر تک لوگوں کے سر پر قائم رکھیں۔

جواب کا طالب ماسٹر غلام نبی

۸۱/۸/۱۵ ۳۷، کرامت سٹریٹ زا جگڑھ لاہور۔

لفافہ ارسالِ خدمت ہے۔ اُمید ہے جواب جلد ارسال فرمائیں گے۔

مفتی ابوالریان صاحب کا جواب

جناب ماسٹر صاحب زادلطفکم:

السلام علیکم۔ چالیس ارشادات امام ربانی سیّد صاحب کے بیٹے محمود احمد رضوی نے شائع کئے تھے۔ ان میں وہی غلطی موجود تھی۔ اب وہ ختم ہو گئے ہیں۔ اب کسی اور مولوی صاحب نے چھاپے ہیں۔ ان میں بھی وہی غلطی موجود ہے۔ محمود احمد صاحب سے کئی مرتبہ میں ملنے گیا مگر وہ ملے نہیں۔ داتا دربار کے خطیب مولوی محمد سعید صاحب نے مسلک امام ربانی کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس میں بھی انھوں نے وہی غلطی شائع کی ہے۔ بلکہ مولانا نور احمد امرتسری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ محمد مراد مکی نے لکھا ہے کہ مولود شریف کے منع کی وجہ مجدد علیہ الرحمۃ کے نزدیک گانے کی طرز اور تالیاں وغیرہ ہے اگر یہ اشیاء نہ ہوں تو جائز ہے۔ مجدد علیہ الرحمۃ کی مراد صرف یہی ہے کہ گانا وغیرہ نہ ہو۔ میں مولوی محمد سعید سے پہلے

ملا تھا جس زمانہ میں آپ سے اس کے متعلق خط وکتابت ہوئی تھی۔
ان کو سمجھایا تھا لیکن وہ سمجھے نہیں۔ اب آپ مکتوب کی پوری عبارت
سوال اور آپ کا جواب پوری نقل کر کے بھیجدیں تو میں ان لوگوں کو بتلاؤں۔
از طرف مفتی ابوالرضوان محمد رمضان
میں نے مولوی محمد سعید صاحب کو چٹھی لکھی ہے کہ آئندہ صحیح لکھیں سوال
کو جواب نہ بنائیں۔ اس پتہ پر خط بھیجیں۔
بمقام لاہور محلہ گگے زئیاں، عقب مسجد وزیر خاں۔ چھٹی مسجد
مولوی مفتی محمد رمضان کو ملے۔ حلقہ نمبر ۸۔

نہایت افسوس ہے کہ اب اس وعدہ کو اٹھارہ سال ہو چکے اور پمفلٹ مذکور
ابھی تک ان تحریفات کے ساتھ ہی شائع ہو رہا ہے۔ جن کی ماسٹر صاحب نے نشاندہی
کی تھی اور بار بار مدرسہ حزب الاحناف اس سلسلہ میں خط لکھتے رہے۔ مولانا ابوالبرکات
کی وفات کے بعد اب تو اس کا امکان ہی نہیں رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوریؒ کی اصلاح

حضرت میاں شیر محمد صاحب حضرت مجدد الف ثانی کے سلسلہ کے مشہور بزرگ
گزرے ہیں۔ آپ مکان شریف کے نقشبندی آستانہ سے بیعت تھے اور وہیں سے
آپ نے خلافت پائی۔ آپ کا نقشبندی طریقت کا فیضان بہت دور دور تک پھیلا
ہوا ہے۔ آپ پہلے نعت خوانی اور مولود کی طرف کچھ مائل تھے لیکن جوں جوں حضرت
مجدد الف ثانیؒ کا مسلک آپ پر کھلتا گیا۔ آپ اس نعت خوانی اور مولود خوانی سے کنارہ
کرتے گئے۔ آپ نے اپنے مشرب عالی میں ان جیسی باتوں کو بالکل چھوڑ دیا تھا۔ آپ کا
سوانح نگار لکھتا ہے:-

پہلے آپ کی مسجد میں نعت خوانی غزل خوانی ہوا کرتی تھی اور آپ سنا کرتے تھے اور خود بھی بہت شعر پڑھا کرتے تھے۔ آپ نعت خوانوں کو نعت کی کاپیاں لکھ کر دیا کرتے تھے۔ جب آپ کا مشرب عالی ہوگیا۔ آپ کی مجلس شعر اشعار سے خالی ہوگئی اور آپ ہر وقت قال اللہ اور قال الرسولؐ ہی فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نظموں میں نہیں ہے بلکہ حال میں ہے۔ تم ایسے بن جاؤ۔ تمہارا ہر فعل، ہر قول، ہر حرکت، ہر عمل صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ بعض بے سمجھ کہہ دیتے ہیں کہ یہ مسجد وہابیوں کی ہے[1]۔

یہ سوانح نگار آپ کے متوسل صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوریؒ تھے جو خود بڑی اونچی نسبت کے بزرگ تھے۔ آپ کی یہ شکایت کہ حضرت میاں صاحب کی مسجد کو وہابیوں کی مسجد کہا جاتا تھا۔ اہل بدعت سے ہے۔ اس میں آپ نے حضرت میاں صاحبؒ کا عقیدہ علماء دیوبندؒ کے بارے میں بھی تحریر کیا ہے۔

دیوبند میں چار نوری وجود

حضرت میاں صاحبؒ اپنے مسلک عالی میں اس بات کے قائل تھے کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ آپ دیوبندی مسلک رکھتے تھے۔ صوفی صاحب لکھتے ہیں:

مولٰینا مولوی انور علی شاہ صاحب صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرقپور شریف حاضر ہوئے اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو بڑی ارادت سے ملے۔ آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے اور شاہ صاحب خاموش رہے۔ پھر آپ نے مولٰینا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ موٹر کے اڈے تک حضرت میاں صاحبؒ خود سوار کرانے کے لیے

---

[1] خزینہ معرفت ص ۲۵۹ میاں صاحب کی سیرت اور مقامات پر یہ مفصل کتاب ہے

تشریف لائے ۔ شاہ صاحب نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ سے کہا۔ آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں ۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور رخصت کر کے واپس مکان پر تشریف لے آئے ۔ بعد آپ نے بندہ سے فرمایا ۔ شاہ صاحب بڑے عالم ہو کر اور پھر میرے جیسے خاکسار سے فرمار ہے تھے کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں ان میں سے ایک شاہ صاحب ہیں [۱]

حضرت میاں صاحب کے بھائی میاں غلام اللہ خاں صاحب کے صاحبزادے میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری کے خیال میں علماء دیوبند صحیح مسلک پر نہیں آپ نے کمر ہمت باندھی ۔ کتاب مذکور سے یہ عبارت نکال کر خود حضرت میاں صاحبؒ کی اصلاح کر دی ۔ گویا چھوٹوں نے اپنے بڑوں کی اصلاح کر دی ۔ اب بھی کتاب کا یہ صفحہ اور وہاں سے اکھڑا ہوا چربہ صاحبزادہ جمیل احمد کی اپنے بڑوں کے کلام میں تحریف کی غمازی کر رہا ہے لیکن افسوس کہ انہیں اس کتاب سے وہ عبارت نکالنی یاد نہ رہی جو مشرب عالی میں تبدیلی کے عنوان سے ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں ۔ خزینہ معرفت میں یہ عبارت اب بھی موجود ہے [۲] ۔ اُمید ہے کہ اب اگلے گدی نشین صاحبزادہ جمیل احمد صاحب کی بھی اصلاح کر دیں گے اور اس عبارت کو بھی آئندہ ایڈیشن میں نہ رہنے دیں گے ۔ خزینہ معرفت کے پرانے اور نئے دونوں اڈیشنوں کا عکس سامنے ہے ۔

حضرت میاں صاحبؒ کی اس تصریح کے بعد شرقپور کے کسی معتقد کے لئے علماء دیوبند کے خلاف کسی قسم کی لب کشائی کی اجازت نہیں رہتی بلکہ دیوبند کو ایک بقعۂ نور ماننا پڑتا ہے ۔

---

۱ خزینہ معرفت ص ۳۸۴ ۲ ایضاً ص ۲۵۹

نے فرمایا ہم صوفی نہیں ہیں۔ صوفی وہ ہوتا ہے۔ جس نے اپنی نسبت شمس سے درست کی ہو یعنی آفتاب کیطرح اسکی شفقت عام ہو۔ آپنے ہدیہ اور آٹا واپس کر دیا" بندہ کہتا ہے بالکل درست فرمایا۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ عام لوگ جس کی داڑھی لمبی دیکھتے ہیں۔ اسکو مولوی یا صوفی کہنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ کہ صوفی کسے کہتے ہیں" عارف باللہ حضرت حسین منصور بن حلاج رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں جو تعریف صوفی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ عرض کرتا ہوں۔ آپ نے رات دن میں چار صد سے چھ صد تک رکعت پڑھنا اپنے اوپر فرض کر لی تھیں۔

ایک دفعہ سفر حجاز میں آپ کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے۔ جب خانہ کعبہ میں پہنچے۔ تب برہنہ سر اور ننگے بدن ایک سال دھوپ میں کھڑے رہے۔ جس سے ہڈیوں سے گودا و مغز انگھل انگھل کر پتھروں پر گرتا تھا۔ اور کھال پھٹی جاتی تھی۔ اور آپ وہاں سے حرکت بھی نہ کرتے تھے۔ ہر روز لوگ ایک پانی کا کٹورا اور ایک روٹی کی ٹکیہ آپ کو دیتے۔ آپ اُس روٹی کے کنارے کھا لیتے اور باقی روٹی آبخورہ میں رکھ دیتے اور فرماتے معرفت اس کا نام ہے۔ کہ تمام موجودات کو مقام فنائیت میں دیکھے۔

اور صوفی وہ ہے۔ کہ حق کے اشارے سے کام کرے۔ اور خود درمیان سے محو ہو جائے۔ اور فقیر وہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرے۔ جب حضرت منصور بن حلاج علیہ الرحمۃ کو طرح طرح کی ایذائیں دینے کے بعد سُولی پر لے گئے۔ تب حضرت شبلی علیہ الرحمۃ نے کہا۔ اے منصور تصوف کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ ادنیٰ درجہ تصوف کا یہ ہے۔ کہ جو تو میرا حال دیکھ رہا ہے۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔ بلند ترین درجہ کونسا ہے۔ آپنے فرمایا۔ تجھے وہاں تک رسائی نہیں ہے۔

دیوبند میں چار نوری وجود

مولنا مولوی انور شاہ صاحب صدر مدرسہ دیوبند ہمراہ مولوی احمد علی صاحب مہاجر لاہوری شرقپور شریف حاضر ہوئے۔ اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو بڑی ارادت سے ملے۔ آپ ان سے کچھ باتیں کرتے رہے۔ اور شاہ صاحب خاموش رہے۔ پھر آپنے مولینا انور شاہ صاحب کو بڑی عزت سے رخصت کیا۔ موٹر کے اڈے تک حضرت میاں صاحب رح خود سوار کرانے کے لئے ساتھ تشریف لائے۔ شاہ صاحب نے میاں صاحب علیہ الرحمۃ سے کہا۔ آپ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اور رخصت کر کے واپس مکان پر تشریف لے آئے۔ بعد ازاں آپ نے بندہ سے فرمایا۔ شاہ صاحب بڑے عالم ہیں اور پھر میرے جیسے خاکسار سے فرما رہے تھے۔ کہ میری کمر پر ہاتھ پھیر دیں۔ اور حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ کہ دیوبند میں چار نوری وجود ہیں۔ ان میں سے ایک شاہ صاحب ہیں۔

نے فرمایا ہم صوفی نہیں ہیں صوفی وہ ہوتا ہے جس نے اپنی نسبت شمس سے درست کی ہو یعنی آفتاب کیطرح اسکی شفقت عام ہو۔ آپنے بطریں اور آٹا واپس کر دیا" بندہ کہتا ہے بالکل درست فرمایا اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ عام لوگ جس کی داڑھی لمبی دیکھتے ہیں۔ اسکو مولوی یا صوفی کہنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ صوفی کسے کہتے ہیں "عارف باللہ حضرت حسین منصور بن حلاج رحمتہ اللہ علیہ کے ذکر میں جو تعریف صوفی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ عرض کرتا ہوں۔ آپ نے رات دن میں چار صد سے چھ صد تک رکعت پڑھنا اپنے اوپر فرض کر لی تھیں۔

ایک دفعہ سفر حجاز میں آپ کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے۔ جب خانہ کعبہ میں پہنچے۔ تب برہنہ سر اور ننگے بدن ایک سال دھوپ میں کھڑے رہے۔ جس سے ہڈیوں سے گودا د مغز اگھل پگھل کر پتھروں پر گرتا تھا اور کھال لپٹی جاتی تھی۔ اور آپ وہاں سے حرکت بھی نہ کرتے تھے۔ ہر روز لوگ ایک پانی کا کٹورا اور ایک روٹی کی ٹکیہ آپ کو دیتے۔ آپ اس روٹی کے کنارے کھا لیتے اور باقی روٹی آبخورہ میں رکھ دیتے۔ اور فرماتے معرفت اس کا نام ہے۔ کہ تمام موجودات کو مقام فنائیت میں دیکھے۔

اور صوفی وہ ہے۔ کہ حق کے اشارے سے کام کرے۔ اور خود درمیان سے محو ہو جائے۔ اور فقیر وہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کیطرف رجوع کرے۔ جب حضرت منصور بن حلاج علیہ الرحمتہ کو طرح طرح کی ایذائیں دینے کے بعد سولی پر لے گئے۔ تب حضرت شبلی علیہ الرحمتہ نے کہا۔ اے منصور تصوف کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ ادنیٰ درجہ تصوف کا یہ ہے۔ کہ جو تو میرا حال دیکھ رہا ہے۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔ بلند ترین درجہ کونسا ہے۔ آپنے فرمایا۔ تجھے وہاں تک رسائی نہیں ہے۔

تحریف شدہ صفحہ

صاحبزادہ جمیل احمد صاحب شرقپوری کی ایک اور بھول

صاحبزادہ جمیل احمد صاحب نے یوں تو بڑی ہمت کی کہ خزینہ معرفت سے معرفت کا ایک موضوع اڑا دیا۔ دیو بند کا ذکر محو کر دیا تاکہ بریلوی حضرات کو خوش کر سکیں لیکن افسوس کہ انہیں حکیم محمد اسحٰق صاحب (مزنگ لاہور) کو یہ کہنا یاد نہ رہا کہ وہ کہیں یہ ظاہر نہ کریں کہ حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ نے انہیں دیوبند حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر کے لیے بھیجا تھا۔ حضرت میاں صاحبؒ کے خلیفہ جناب سید محمد اسماعیل شاہ صاحب بخاری (المعروف حضرت کرمانوالے) کے سوانح حیات ان کے سلسلہ جناب محمد اکرام صاحب نے معدن کرم کے نام سے شائع کیے ہیں۔ اس میں ہے

حکیم محمد اسحٰق صاحب مزنگ والے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حکیم صاحب اور ایک ساتھی کے ہمراہ حضرت میاں صاحب کے حکم کے مطابق دیوبند گئے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ حضرت شرقپور سے تشریف لائے ہیں تو بے ساختہ فرمایا، وہ جہاں اللہ کا نفیر رہتا ہے میری تمنا ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف نیاز حاصل کروں۔ چنانچہ وہ حضرت قبلہ کی حاضری کے لیے شرقپور تشریف لائے اور بوقت روانگی حضرت قبلہ سے پیٹھ پر بغرض حصول فیوض و برکات ہاتھ پھیرنے کی خواہش فرمائی اور خوشی خوشی رخصت ہوئے۔[1]

---

[1] معدن کرم ص ۶۶ نثار آرٹ پریس لاہور ۱۹۷۸ء

کیا اس بیان سے دیوبند اور حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری کے باہمی تعلقات اور نسبت کا پتہ نہیں چل گیا۔ اب آپ ہی سوچیں کہ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب کو خزینہ معرفت سے مذکورہ بالا عبارت کو اڑانے سے کیا حاصل ہوا۔ جناب محمد اکرم صاحب، جناب سید محمد اسماعیل شاہ صاحب المعروف حضرت کرمانوالے کے حالات میں ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

> ابتدائی کتابیں پڑھ لینے کے بعد آپ تقریباً بیس سال کی عمر میں اعلیٰ دینی علوم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے۔ سہارنپور میں مدرسہ مظاہر العلوم ان دنوں تشنگان علم دین کے لیے ایک چشمہ فیض تھا آپ نے وہیں کا قصد کیا[1]

[1] معدن کرم ص ۹۵

یہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور وہی جگہ ہے جہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری صدر مدرس تھے اور وہیں سے مولانا احمد رضا خان کے فتوے تکفیر (حسام الحرمین) کے خلاف ہندوستان میں پہلی آواز اٹھی تھی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری نے المہند علی المفند تحریر فرما کر وہیں سے حسام الحرمین کا پردۂ فریب چاک کیا تھا حضرت کرمانوالہ کے وہاں جانے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولینا احمد رضا خان کی ان دنوں کوئی علمی حیثیت معروف نہ تھی۔ اور یہ کہ حضرت کرمانوالے ان اختلافات میں علماء دیوبند کے ساتھ تھے۔

اُن کے علماء لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے یہ کہہ دیتے ہیں کہ جب حضرت کرمانوالے نے مدرسہ مظاہر العلوم کا رُخ کیا تھا اس وقت مدرسہ والوں کے عقائد اچھے تھے۔ ان حضرات کا یہ عذر صحیح نہیں۔ ان دنوں بھی وہاں صدر مدرس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب ہی تھے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ تھے۔

[1] معدن کرم ص ۹۵۔

اکرم صاحب لکھتے ہیں :

مدرسہ مظاہر العلوم میں ان دنوں مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے۔ وہاں سے تکمیل علم کی سند حاصل کر کے آپ نے دہلی میں مدرسہ مولوی عبد الرب میں داخل ہو کر شیخ الحدیث مولانا عبد العلی صاحب قاسمی جیسے متبحر عالم سے دورہ حدیث ختم کیا۔[1]

شیخ الحدیث مولانا عبد العلی صاحب بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی نسبت سے ہی قاسمی کہلاتے تھے۔ حضرت کرمانوالہ شریف کے نہایت شفیق استاذ تھے۔ علماء دیوبند سے یہ حسن اعتقاد ان حضرات کو حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ سے ہی وراثت میں ملا تھا مگر افسوس کہ میاں جمیل احمد صاحب کو خزینہ معرفت کی اس تحریف سے کچھ نہ ملا اور حضرت میاں صاحبؒ کے دوسرے متوسلین علماء دیوبند کی شان میں رطب اللسان ہی رہے۔

قاضی محمد رضا صاحب مہتمم دار العلوم عطائیہ نلی ضلع سرگودھا حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوروالوں کے سلسلہ کے مشہور متوسل ہیں آپ نے شجرہ مودت جس میں حضورؐ کے خاندان اور صحابہ کی اولاد کی مبارک رشتہ داریوں کا بیان ہے کو نلی ضلع سرگودہا سے تیسری مرتبہ شائع کیا ہے۔ اس کے تعارف میں لکھا ہے :

"ہمارے مرشد کامل ترجمان حقیقت، محب و محبوب الٰہی سیدنا و مرشدنا حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب بربلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال مبارک تھا کہ اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اب اپنے محبوب مرشد کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر یہ قدم اٹھایا گیا

---

[1] معدن کرم صہ ۹۵

ہے۔ اس کے جملہ مصارف پیر سیّد محمد شاہ صاحب اور جناب قاضی محمد رضا صاحب سجادہ نشین سکنہ نلی نے ادا کیے ہیں۔"

مؤلف شجرہ مودت پروفیسر خالد محمود کے بارے میں لکھتے ہیں:

پروفیسر موصوف کے علمی نکات سے صرف کالجوں کے نوجوان ہی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ آپ کے علمی جواہر ریزوں سے عام مذہبی انسان بھی یکساں مستفید ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ علامہ مذکور سے مشرقی اور مغربی علوم کے دلدادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں قلمی استعداد بھی بخشی ہے۔ شجرہ مودت بھی اس کی ایک کڑی ہے۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت میاں شیر محمد صاحب اور ان کے اکابر خلفاء علماء دیوبند کے بارے میں حسنِ اعتقاد رکھتے تھے وہ قطعاً مولانا احمد رضا خاں کے مذہب پر نہ تھے کہ جو علماء دیوبند کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر قرار پائے۔ لاہور جامع مسجد نیلا گنبد میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری خلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ حضرت مولانا محمد عمر صاحب بریلوی جب بھی لاہور آتے جمعہ مسجد نیلا گنبد میں ادا فرماتے۔ علمائے دیوبند کے بارے میں ان کا حسن اعتقاد بہت معروف تھا

متوسل حضرت میاں صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب قصوری

حضرت میاں شیر محمد صاحبؒ کے مرید مولانا عبدالرحمان صاحب قصور کوٹ فتح دین خاں میں جامع مسجد کے خطیب تھے۔ آپ فاضل دیوبند تھے برملا مولانا احمد رضا خاں کی تردید کرتے اور فرماتے کہ میرا علماء دیوبند کے بارے میں وہی

عقیدہ ہے جو میرے پیرو مرشد حضرت میاں شیر محمد صاحب کا تھا کہ دیو بند میں واقعی چار نوری وجود تھے۔ اب ان حقائق و واقعات کی روشنی میں آپ ہی سوچیں کہ میاں جمیل احمد صاحب کو خزینہ معرفت سے اس عبارت کو نکلوا کر کیا ملا۔ اپنے بڑوں کی اصلاح کا جذبہ انہیں کہاں سے کہاں لے گیا۔

لاہوری کتب فروش نے بریلوی مشائخ کی اصلاح کر دی

مولانا احمد رضا خاں کی وفات پر بریلوی مشائخ کرام مولانا احمد رضا خاں صاحب کو صحابہ سے اُوپر لانا چاہتے تھے۔ کسی بزرگ کو صحابہ سے اُوپر لانا در اصل اس کی معنوی نبوت کی بنیاد رکھنا ہے۔ صحابہ سے اُوپر صرف نبوّت کا مقام ہے معلوم نہیں۔ بریلوی مشائخ کرام کیوں مولانا احمد رضا خاں کو صحابہ پر فوقیت دینے پر تلے ہوئے تھے۔ یہ بات عقائد اہلِ سنّت میں سے ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

مولانا احمد رضا خاں کے بارے میں مولانا حسنین رضا خاں لکھتے ہیں

> زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اعلحضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے اتباعِ سنّت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہو گیا تھا۔[1]

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ رضا خانیوں کے ہاں مولانا احمد رضا خاں صحابہ سے بھی آگے نکلے ہوئے تھے۔ تبھی تو ان کے ہوتے ہوئے انہیں ان کی زیارت کا شوق کم ہو گیا تھا۔

---

[1] وصایا شریف صـ ۲۴

نوری کتب خانے کا اصلاحی اقدام

نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب لاہور نے جملہ بریلوی مشائخ کرام کی اصلاح کرتے ہوئے وصایا شریف کے جدید اڈیشن میں یہ عبارت بدل دی ہے اب یوں تحریر کیا ہے

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اعلیحضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے اتباع سنت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق اور زیادہ ہو گیا تھا۔

یہ اصلاح معیوب نہیں مولانا حسنین رضا خاں نے جو صحابہؓ کی توہین کی تھی مالک نوری کتب خانہ نے اچھا کیا جو آستانہ بریلوی کی اصلاح کردی کوئی بُرا کام نہیں کیا۔

مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی اصلاح

مولانا نعیم الدین صاحب کا عقیدہ تھا کہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر تھے۔ آپ نے اپنے اس عقیدہ کو اپنے حاشیہ قرآن میں کئی مقامات پر تحریر کیا ہے۔ آپ نے ایک مختصر سی کتاب "کتاب العقائد" کے نام سے بھی تحریر کیا ہے اس میں ہے

اللہ تعالیٰ نے خلق کی ہدایت کے لیے جن بندوں کو اپنے احکام لے جانے کے واسطے بھیجا ان کو نبی کہتے ہیں۔ انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے۔[1]

نوری کتب خانہ والے پبلشر نے اس کتاب کے تیسرے اڈیشن میں وہ بشر ہیں کے الفاظ کو وہ نور ہیں سے بدل دیا اور اپنی یہ پہلی نیکی بھی برباد کر ڈالی۔

ان کے ہاں فرقہ بندی کی پرورش بزرگوں کے احترام سے زیادہ ضروری ہے بزرگوں کی بات بدل جائے تو پروا نہیں۔ پر اپنے نذرانوں میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔

---

[1] کتاب العقائد ص۴ اڈیشن اول و دوم [2] وصایا شریف سے توہین صحابہ کے الفاظ بدل دینا۔

نوری کتب خانہ کے مالک نے اپنے خیال میں بہت بڑی دینی محنت کی کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی کتاب "العقائد" سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے بشر کا لفظ نکال دیا اور مولانا نعیم الدین کی اصلاح کردی اپنے عوام کو یقین دلایا کہ ہم بریلوی لوگ انبیاء علیہم السلام کو نوعِ بشر سے نہیں مانتے وہ سب کے سب نور تھے۔ لیکن افسوس کہ بھیرہ ضلع سرگودھا کے پیر کرم شاہ صاحب نے نوری کتب خانہ کی اس دینی محنت پر یکسر پانی پھیر دیا اور اپنے رسالہ ماہنامہ ضیاء حرم کی ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں شمالی پنجاب کی مشہور گدی سیال شریف کی طرف سے انبیاء کرام کی بشریت کا عام اعلان کر دیا۔ مولانا احمد رضا خان اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"دونوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و رسل بشر ہیں۔ اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ایسے نابغہ روزگار عالم انبیاء و رسل کی بشریت کا کیسے انکار کر سکتے ہیں جب کہ قرآن گواہی دیتا ہے۔ اور صراحتہً بیان کرتا ہے کہ انبیاء بشر ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں عالم انبیاء کی بشریت پر پختہ عقیدہ رکھتے ہیں اور جو شخص انبیاء و رسل کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جس طرح امام احمد رضا خان نے اپنے فتاویٰ رضویہ کے جزءِ ششم میں بڑی صراحت سے بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ دونوں عالم اس بات کو مستحسن (یعنی ضروری نہیں) سمجھتے ہیں۔ جب انبیاء کو بشر کہا جائے تو احترام و تکریم کے کسی لفظ کا اضافہ کیا جائے۔ جیسے خیر البشر و سید البشر، افضل البشر، صرف کلمۂ بشر کا استعمال ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہے[1]"

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں۔

"دونوں کا یہ اعتقاد ہے جس طرح مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ انبیاء بشر ہیں اور ابوالبشر آدم علیہ السلام کی ذریت سے ہیں[2]"

٢٧

---

[1] ماہنامہ ضیاء حرم، ص ۵۷ و ۵۸ جنوری ۱۹۸۳ [2] ماہنامہ ضیاء حرم ص ۱۷۱۔

یہاں علماء دیوبند کو بھی مسلمان لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ مولانا احمد رضا خان اور مولانا نعیم الدین اس عقیدے میں دوسرے علماء کے ہم اعتقاد ہیں انبیاء کی بشریت کے منکر نہیں ہیں وہ مسلمانوں کے موافق عقیدہ رکھتے ہیں ۔ کتنا اچھا ہوتا اگر یہ بھی لکھ دیا جاتا کہ یہ صرف مسلمانوں سے موافق ہی نہیں خود بھی مسلمان ہیں ۔

بریلوی عوام کی پریشانی

بریلوی حضرات کی اس روش سے ان کے عوام سخت پریشان ہیں ۔ وہ اپنے واعظین اور مقررین کو دن رات انبیاء کی بشریت کی نفی کرتے سنتے ہیں اور پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب ضرورت لاحق ہوئی ان حضرات نے کھلے بندوں انبیاء کی بشریت کا اقرار کیا اور تصریح کی کہ ان کا عقیدہ اس باب میں دوسروں کے بالکل مطابق ہے ۔ ان کے بعض دوست اس حیرت میں پکار اٹھتے ہیں ، یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے ؎

کس کا یقین کیجئے، کس کا یقین نہ کیجئے
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

اس پہلو سے دیکھا جائے تو ان حضرات کی مثال عرب کی اس عورت کی سی ہے جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے ۔ وہ سارا دن سوت کاتتی اور شام کو اپنا سارا کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ۔ افسوس کہ ہمارے یہ بریلوی دوست بھی قدم قدم پر اس حادثہ سے دوچار ہیں ۔ اسے خود فراموشی کہئے یا مذہبی خودکشی کا نام دیجئے ان کے اپنے ہاں بھی اس تصور سے ہر دل فگار اور ہر آنکھ اشکبار ہے ۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا ؕ[1]

(پ ۱۴ ، النحل : آیت ۹۲)

---

[1] ترجمہ ! اور اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد خود ریزہ ریزہ کر دیا تھا "

مخالف لشکر ۔ں سے معرکہ آرائی تو عام لوگوں نے دیکھی ہوگی لیکن خود اپنے لشکروں سے ہی پنجہ آزمائی ، اس کے نمونے لوگوں نے بہت کم دیکھے ہوں گے۔ اوّل تو ان لوگوں میں کوئی شخص صحیح بات کہتا نہیں اور اگر کوئی کبھی کہہ بھی دے تو پھر دوسرے اس کی اصلاح پر اتر آتے ہیں یہ لوگ اگر صرف اپنوں کی اصلاح کرتے اور بات یہیں تک رہتی تو ہم شکوہ نہ کرتے۔ لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے اس مشق تحریف میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح اور ان کے سلسلہ کے مردِ حقانی شیر یزدانی حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہ چھوڑا۔ جس ایک چیز پر یہ بریلوی قائم ہے وہ صرف امت کی تھوک تکفیر ہے۔ مولانا ظفر علی خان جو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور اہل دل بزرگ تھے[1] انہوں نے مولانا احمد رضا خان اور ان کے پیرؤوں کی اس تحریکِ تکفیر کا بڑے دل نشین پیرایہ میں ذکر کیا ہے[2]

بھیرہ کے پیر کرم شاہ صاحب ابتداءً مولانا احمد رضا خان کے پیرو نہ تھے۔ مولانا احمد رضا نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی تحذیر الناس میں جو توڑ پھوڑ کی اور تین مختلف جگہوں سے عبارات اٹھا کر انہیں ایک عبارت بنایا ، اور پھر اس پر حکم کفر آرام سے اتار دیا پیر کرم شاہ صاحب اس مشق تحریف میں ان کے ساتھ نہ تھے۔ آپ نے تحذیر الناس کے حق میں بیان دیا جسے ہم شرح تحذیر الناس کے مقدمہ میں نقل کر چکے ہیں اور وہاں پیر کرم شاہ صاحب کے اصل خط کا عکسی فوٹو بھی ساتھ دیا ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ لیکن کیا یہ مقام افسوس نہیں کہ پیر کرم شاہ صاحب اپنے اس موقف پر جم نہ سکے اور مریدوں کے جھگھٹے میں انہیں بھی بریلوی دھارے میں بہنا پڑا اور امتِ مسلمہ کو تھوک تکفیر کا صدمہ ہر چھوٹے بڑے بریلوی کے ہاتھوں سہنا پڑا۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

---

[1] مہر منیر ص۲۷ مؤلفہ مولانا فیض احمد صاحب۔ [2] دیکھئے کتاب ہذا ص۴۱۶

ذوقِ تحریف کی مار

ان حضرات کے ذوقِ تحریف کا کہاں تک ماتم کریں اور کس کے سامنے یہ زخم کھولیں۔ مولانا احمد رضا خاں نہ صرف علمائے دیوبند پر جھوٹ باندھتے رہے بلکہ انہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں بھی کچھ باک محسوس نہ ہوا۔ فرماتے ہیں۔

" جاڑا، طاعون اور وبائی امراض جسقدر ہیں اور نابینائی و یک چشمی، برص، جذام وغیرہ کا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ یہ امراض تجھے نہ ہونگے" [۱]

جاڑا سردی کو کہتے ہیں۔ ایک معنی بخار تپ لرزہ کے ہیں۔ یہ بخار سردی لگنے سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے یہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یہ بات بنالی لیکن انہیں یہ یاد نہ رہا کہ پہلے خود ہی کہہ آئے ہیں۔

" مجھے بخار آگیا اور میری عادت ہے کہ بخار میں سردی بہت معلوم ہوتی ہے" [۲]

کاش مولانا احمد رضا خاں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ بات نہ بنائی ہوتی۔ کہ انہیں کبھی سردی کا بخار نہ ہوگا اور نہ کبھی آشوبِ چشم میں مبتلا ہوں گے۔ مولانا خود ہی فرماتے ہیں۔

" میری آنکھ پر آشوب آیا سوا پانچ مہینے تک لکھنا پڑھنا موقوف رہا۔ مسائل سن کر زبانی جواب لکھوانا رہا۔ اسی طرح بعض رسائل لکھوائے آنکھ پر اب تک بہت ضعف ہے" [۳]

مولانا احمد رضا خان کا شوقِ تحریف صرف وہیں منزل طے نہیں کرتا جہاں انہوں نے کوئی معرکہ سر کرنا ہو یا کسی کو دبانا ہو بلکہ جہاں کچھ بھی مفاد نہیں وہاں بھی اپنی عادت پوری کر گزرتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ بقرہ کو اس کے حقائق و دقائق کے ساتھ بارہ سال میں پڑھ کر فارغ ہوئے [۴]

اب دیکھئے خان صاحب نے کس طرح اس روایت کو سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اٹھا کر حضرت

---

[۱] ملفوظات مولانا احمد رضا خان حصہ چہارم ص۵۷ [۲] ملفوظات حصہ دوم ص۸ [۳] حیات اعلیٰحضرت ص۲۹۸
[۴] کشف الحجاب عن مسائل ایصال الثواب، مؤلفہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی

عبداللہ بن عمرؓ پر لگا دیا۔ یا یوں کہئے کہ اسے رہنے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہ ہی دیا مگر بارہ کو آٹھ سے بدل کر اپنی عادت پوری کر لی۔ فرماتے ہیں۔

"سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ برس میں سورۂ بقر شریف ختم فرمائی اور بعد اختتام ایک اونٹ قربانی فرمایا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سورۂ بقر شریف بارہ برس میں پڑھی[1]"

یہاں پہنچ کر ہر شخص سر تھام لیتا ہے۔ کسی غرض سے امانت و دیانت کو ہاتھ سے دینا یہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ کمال مولانا احمد رضا خان میں ہی دیکھا ہے کہ بلا کسی مقصد کے اپنی عادت پوری کرتے جا رہے ہیں۔ مسائل میں خودکشی کو دیکھنا ہو تو ان کا خودکشی کا مسئلہ ہی دیکھ لو۔ خان صاحب لکھتے ہیں۔

"فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی[2]"

اور پھر فرماتے ہیں۔

"خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی، ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا ان کے جنازہ کی نماز نہیں[3]"

یہ فیصلہ تو بریلوی حضرات ہی کریں گے کہ خانصاحب نے کونسی بات غلط کی ہے لیکن ان تفصیلات سے یہ حقیقت سامنے آئے بغیر نہیں رہتی کہ عبارات کو بدلنا مطالب کو بگاڑنا لفظوں سے کھیلنا خانصاحب کے ذوقِ تحریف کی عام مشقیں تھیں۔ دوسروں کی کتابیں تو درکنار خود اللہ کی کتاب بھی آپ کی اس مشق سے بچی ہوئی نہ تھی۔

قرآن کریم میں ہے کہ اللہ رب العزت نے دو دن میں زمین پیدا کی اور پھر دو دن میں اس کے پہاڑ، نباتات وغیرہ بنائے۔ کل چار دن ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اگلے دو دنوں میں آسمانوں کو تکمیل بخشی قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ

---

[1] ملفوظات حصہ اول صفحہ ۱۵۹ [2] فتاویٰ افریقہ صفحہ ۳۷ [3] ملفوظات حصہ اول صفحہ ۹۰

فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ ۝ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ط قَالَتَا أَتَيْنَا طَآئِعِينَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا ۔ (پ ۲۴، حم سجدہ، آیات ۸ تا ۱۲)

ترجمہ : آپ کہہ دیں کیا تم اس سے منکر ہو رہے ہو جس نے زمین دو دن میں بنائی اور تم ٹھہراتے ہو اس کے شریک ۔ وہ تو رب ہے سب جہانوں کا پھر اس نے رکھے اس زمین پر پہاڑ اور برکت رکھی اس میں۔ اور مقرر کیں اس میں روزیاں ۔ چار دن میں کام پورا ہوا پوچھنے والوں کے لئے ۔ پھر وہ بالا ہوا آسمان کو اور وہ (آسمان) دھواں ہو رہا تھا پھر اسے اور زمین کو کہا تم دونوں طوعاً اور کرہاً حاضر ہو دو ۔ وہ بولے ہم خوشی سے آئے ۔ اللہ نے پھر انہیں سات آسمان دو دنوں میں بنایا اور ہر آسمان میں اپنا حکم اتارا "

قرآن کریم صراحت سے بتلا رہا ہے کہ اللہ رب العزت نے دو دنوں میں آسمانوں کو تخلیق بخشی مگر افسوس صد افسوس کہ خانصاحب یہاں بھی بات بگاڑے بغیر نہ رہے ۔ اور فرمایا نہیں اللہ تعالےٰ نے آسمان چار دنوں میں بنائے تھے ۔ آپ کے ملفوظات میں ہے ۔

" رب العزت تبارک و تعالیٰ نے چار روز میں آسمان اور دو دن میں زمین یکشنبہ (اتوار) تا چہارشنبہ (بدھ) آسمان اور پنجشنبہ (جمعرات) تا جمعہ زمین ۔ نیز اس جمعہ میں بین العصر والمغرب آدم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا[1] "

آسمانوں کی تخلیق میں دو اور چار کا اختلاف قرآن کریم سے کتنا کھلا تصادم ہے ۔ پھر داد دیجئے کہ زمین اور آدم کی تخلیق ایک ہی دن ہوئی بیان کی ۔ گویا خدا نے آدم کی تخلیق سے پہلے جب فرشتوں کو کہا تھا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں اس وقت تک زمین کہیں نہ تھی نہ عالم وجود میں اس کا کوئی تصور تھا نہ فرشتے اس بات کا کوئی معنی سمجھ رہے تھے ۔

ہاں شیطان کو پتہ تھا کہ آدم کو زمین پر بھیجا جائے گا اس کے لئے یہ ہمدردی کیوں ؟

---

[1] ملفوظات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول صٓ

شیطان کے لئے گوشہ ہمدردی

جو شخص اہل اللہ کے لئے سنگدل ہو ان پر بہتان باندھنے اور ان کی عبارات کے مفہوم کچلنے اور ان پر کفر کے گولے برسانے میں ذہنی سکون محسوس کرے اس کا لازمی عکس یہ ہے کہ پھر وہ شیطان کا ساتھی بنے اور اس کے لئے اس کے دل میں گوشہ ہمدردی پیدا ہو اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کی شروع سے چلی آئی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مولانا احمد رضا خاں کے ذوقِ تحریف نے علمائے دیوبند سے مخالفت مول لی تو ضروری تھا کہ اب آپ اپنے دِل میں شیطان کے لئے ضرور کوئی نرم گوشہ پیدا کریں اور آپ کو شیطان کی چالوں میں بھی سچائی کی خوشبو محسوس ہو اور آپ سمجھیں کہ اب یہ بھی آپ کی طرح اللہ والا ہو گیا ہے۔

شیطان کا عرصہ تسویل و تلبیس

شیطان راندہ درگاہ الٰہی ہوا تو اس نے قیامت تک کے لئے زندگی کی مہلت مانگی جو اسے دی گئی اس نے پھر اپنی پالیسی کا اعلان کیا۔

قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم ۝ ثم لاٰتینّھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ولاتجد اکثرھم شٰکرین۔ پ الاعراف ع ۲ نمبر آیت ۱۶، ۱۷

ترجمہ:۔ بایں طور کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور اولاد آدم کی تاک میں تیرے سیدھے رستے پر بیٹھوں گا پھر میں ان کے پاس آؤں گا۔ آگے سے بھی پیچھے سے بھی، داہنے سے بھی، اور بائیں سے بھی، اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا

شیطان نے یہ جو سنا دی کہ اکثریت میرے ساتھ ہوگی۔ میں انہیں صراطِ مستقیم پر نہ رہنے دوں گا۔ کیا یہ ہو کر نہیں رہا؟ اس اغواء کی مہلت شیطان نے کب تک کے لئے مانگی تھی؟ قیامت تک کے لئے ــــ اس سے پچھلی آیت میں ہے اس نے سوال کیا تھا:۔

انظرنی الٰی یوم یبعثون۔ مجھے مہلت دے حشر کے دن تک کی۔

لہ یہ مول کس نے اد کیا یہ اس وقت موضوع نہیں نہ انگریز حکومت کی پالیسی اس وقت زیر بحث آئے گی۔

سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جب تک یہ معرکہ خیر و شر موجود ہے شیطان اولاد آدم کے اغواء میں ہر وقت گھات لگائے بیٹھا ہے ایک دوسرے مقام پر اولادِ آدم کو اس کی خبر بھی دے دی گئی:

انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ پ الاعراف ع ۳۔ آیت ۲۷

(ترجمہ) بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں دیکھ نہیں پاتے۔

مولانا احمد رضا خاں کا عقیدہ دربارہ ابلیس

خاں صاحب کا عقیدہ ہے کہ شیطان توبہ کر چکا ہے اور اپنے کئے پر نادم ہے اور اب وہ نماز بھی پڑھتا ہے خاں صاحب کو کہا گیا کہ اگر وہ کہیں نماز پڑھتا دیکھا گیا ہے تو کیا اس میں بھی اس کا کوئی داؤ نہ ہوگا؟ کسی کو ہیری کے چکر میں لانا ہوگا؟ فرمایا نہیں وہ آخرت کے خوف سے نماز پڑھتا ہے کہ شاید اس نماز کے باعث اس کی بخشش ہو جائے خاں صاحب فرماتے ہیں:

"ایک پری مشرف باسلام ہوئی اور اکثر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کرتی تھی ایک بار عرصہ تک حاضر نہ ہوئی دریافت فرمایا عرض کی حضور میرے ایک عزیز کا ہندوستان میں انتقال ہو گیا تھا وہاں گئی تھی راہ میں میں نے دیکھا کہ ایک پہاڑ پر ابلیس نماز پڑھ رہا ہے میں نے اس کی یہ نئی بات دیکھ کر کہا کہ تیرا کام تو نماز سے غافل کر دینا ہے تو خود کیسے پڑتا ہے اس نے کہا رب العزت تبارک وتعالیٰ میری نماز قبول فرمائے اور مجھے بخش دے[1]"

یہ بات بالکل من گھڑت ہے موضوع ہے شیطان ہرگز اخلاص سے نماز نہیں پڑھتا یہ غلط ہے کہ وہ چاہتا ہے اس کی بخشش ہو خاں صاحب نے اس موضوع روایت کو بیان کر کے خود حضور پر افتراء باندھا ہے نہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس طرح پریوں کو اپنے پاس آنے دیتے تھے اور نہ پریوں کو ہندوستان جانے میں کوئی اتنا وقت لگتا ہے۔ حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) منقر بن الحکم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

كذا وقع في موضوعات ابن الجوزي ولا يدري من ذا ولعله وضع هٰذا قال حدثنا ابن لهيعة عن ابيه عن ابن الزبير عن جابر قال كانت جنية تاتي النبي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في نساء منهم

---

[1] ملفوظات حصہ اول ص۱۲

فابطأت علیہ........ فرایت فی طریقی ابلیس یصلی علی صخرۃ...
.... قال لا ارجومن ربی اذا ابر قسمہ ان یغفرلی[1]

(ترجمہ) اور یہ جانا نہیں گیا۔ وہ کون ہے اور غالباً اسی نے یہ روایت گھڑی ہے کہ ایک جن عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جن عورتوں کیساتھ آتی تھی۔ ایک دفعہ وہ کچھ دیر سے آئی (اس نے اپنی وجہ دیری بیان کرتے ہوئے کہا) میں نے رستے میں ابلیس کو دیکھا۔ وہ ایک پہاڑ پر نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا میں اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی قسم سچی کرے اور مجھے بخش دے۔

شیطان سے حسن عقیدت

ابلیس جب راندہ درگاہ ہوا تو اس کی آخری خواہش اس طرح پوری کی گئی کہ اس نے قیامت تک کے لئے تسویل وتلبیس کی جو مہلت مانگی وہ اسے دی گئی یہ نہیں کہ شیطان مستجاب الدعاء تھا اور اس کی یہ دعا تھی جو پوری ہوئی تھی اسلام میں دعا کا یہ تصور نہیں جو شیطان کی اس آخری خواہش میں پایا جاتا ہے کہ مجھے مہلت دے میں تیرے بندوں کو قیامت تک گمراہ کرتا رہوں ـــــ اس خواہش کو دعا کا نام دینا اور شیطان کو مستجاب الدعا سمجھنا عجیب بریلوی عقیدہ ہے جو ہماری سمجھ سے بالا ہے

مولانا احمد رضا خاں کے مرید خاص مفتی احمد یار گجراتی لکھتے ہیں:

خیال رہے کہ موت کا دن بزرگوں کی دعا سے ٹل جاتا ہے بلکہ شیطان کی دعا سے بھی ـــ اس کو عمر لمبی بخشی گئی فرماتے ہیں فانک من المنظرین[2]

بریلوی ہر جگہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ ہم اولیاء کی شان گراتے نہیں بڑھاتے ہیں سو یہاں اولیاء اللہ (بزرگوں) کو شیطان سے ملانا اولیاء اللہ کو گرانے کے لئے تو نہیں ہو سکتا پس اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں کے ہاں شیطان کو اتنا اونچا کیا گیا ہو کہ اسے اولیاء اللہ سے ملا دیا جائے معلوم نہیں یہ لوگ شیطان کے اتنے معتقد کیوں ہوئے بیٹھے ہیں اور کیوں اسے اولیاء اللہ سے ملا رہے ہیں

ہم سمجھتے ہیں کہ اس عبارت میں بریلویوں نے اولیاء اللہ کی سخت توہین کی ہے انہیں شیطان سے لا ملایا ہے یہ شیطان سے محبت اور ہمدردی کا فکری نتیجہ ہے

علم غیب رکھنے میں شیطان کو انبیاء سے ملانا

مولانا احمد رضا خان نبی کا معنی ہی غیب جاننے والا کرتے ہیں اور بریلوی حلقے علم غیب

[1] میزان الاعتدال ج ۲ صفحہ ۱۹ طبع ۲:۵ ـ [2] نور العرفان صفحہ ۶۸۸ پ ۲۲ السباء

رکھنے کو کمالات نبوّت میں سے سمجھتے ہیں پھر ان حضرات کی عبارت ملاحظہ کیجیے کہ کس طرح شیطان کو علم غیب جاننے والا قرار دیتے ہیں مفتی احمد یار صاحب لکھتے ہیں :۔

شیطان کو بھی آئندہ غیب کی باتوں کا علم دیا گیا چنانچہ اکثر لوگ ناشکرے ہیں [1]

شیطان پر صالحین کو قیاس کرنے کا شوق

شیطان کی دعا سے اس کی عمر لمبی کر دی گئی رب نے فرمایا انك من المنظرین جب شیطان مردود کی دعا سے عمر میں زیادتی ہو سکتی ہے۔ تو صالحین کی دعا یا نیک اعمال سے بھی عمریں بڑھ سکتی ہیں [2]

جب شیطان کی دعا پوری ہوئی تو کیا پھر بھی وہ مردود ہی رہا مردود نے کچھ تو سوچا ہوتا۔

حاضر و ناظر ثابت کرنے میں ابلیس کو مثال میں لانا

مولانا احمد رضا خان کے پیشرو مولانا عبد السمیع رامپوری انوار ساطعہ (جس پر مولانا احمد رضا خاں کی بھی تصدیق ہے) میں لکھتے ہیں :۔

" اصحاب محفل میلاد (یعنی ہم لوگ) کو زمین کی تمام پاک و ناپاک مجالس مذہبی اور غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعوے کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا تو اس سے بھی زیادہ تر مقامات میں پایا جاتا ہے۔" [3]

اس وقت یہ بحث بریلویوں نے کس بے ادبی سے شیطان کی وسعت اراضی (کہ کہاں کہاں تک اس کی گردش اور دائرہ سیر ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت ارضی سے زیادہ بتلائی ہے۔ اس وقت ان عبارات سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ لوگ کس طرح ہر بات میں شیطان کو آگے رکھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ کہ شیطان کس طرح اخلاص سے نماز پڑھتا ہے ان کے دل و دماغ پر پورا چھایا ہوا ہے یہ کون ہیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اولئك حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان هم الخاسرون

(پ ۲۸ المجادلہ آیت ۱۹)

---

[1] نور العرفان ص ۲۴۱ [2] نور العرفان ص ۲۹۴ [3] انوار ساطعہ ص ۵۷

قرآن میں فاضل دیوبند ہونے کا تذکرہ

شیطان کے حاشیہ نشینوں نے اپنے شیطان کے ان تعلقات پر پردہ ڈالنے کے لئے الٹی چال چلی اور کہا کہ شیطان فاضل دیوبند ہے تاکہ ان کی شیطان سے دوستی عوام کے سامنے نہ آسکے ـــ افسوس انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جس وقت انہوں نے شیطان کو فاضل دیوبند ہونے کی سند دی ہے اس وقت نہ دیوبند تھا نہ دار العلوم دیوبند اور نہ آدم ابھی زمین پر اُترے تھے مُفتی احمد یار گجراتی لکھتے ہیں کہ شیطان نے آدم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے اللہ کے حضور یہ کہا تھا۔

"میں پرانا صوفی عابد عالم فاضل دیوبند ہوں اور آدم علیہ السلام نے ابھی نہ کچھ سیکھا نہ عبادت کی"[۱]

مُفتی صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ابھی کچھ سیکھا نہ تھا یہ بھی غلط ہے قرآن کریم میں ہے آدم کو سجدہ کرانے سے بہت پہلے اللہ رب العزت نے انہیں علم اسماء دے دیا تھا۔

وعلم آدم الاسماء کلها ثم عرضهم علی الملئکہ (پ۱ البقرہ آیت ۳۱)

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیئے تھے پھر انہیں ملئکہ پر پیش کیا تھا۔

سو جب ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا تو آدم علیہ السلام اس وقت علم اسماء پائے ہوئے تھے مُفتی صاحب نے کس بے جگری سے جھوٹ کہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اسوقت کچھ نہ سیکھا تھا۔ بریلویوں نے اسے قرآن کے حاشیہ پر لکھ کر اپنے جاہل عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن میں شیطان کے فاضل دیوبند ہونے کا تذکرہ موجود ہے۔ سو ہم بریلوی ہی درست ہیں اور دیوبندی غلط ہیں۔ ؎ گر چنیں مکتب و چنیں ملا کار طفلاں تمام خواہد شد۔

شیطان اور رسُول کو ایک قطار میں لے آنا۔

شیطان کی محبّت میں یہ لوگ اتنے کھوئے جا چکے ہیں کہ یہ اسے حضورؐ کے مقابل لانے سے بھی گریز نہیں کرتے اور پھر ظلم بالائے ظلم یہ کہ اسے عاشقوں کا مذہب سمجھا جاتا ہے

؎ در مذہب عاشقاں یک رنگ ابلیس و محمد است ہم سنگ[۲]

---

[۱] نورالعرفان ص۷ [۲] تذکرہ غوثیہ ص۲۵۵۔

(ترجمہ) عاشقوں کے مذہب میں ابلیس لعین اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ہم سنگ (ہم وزن) ہیں۔ (استغفر اللہ العظیم)

معلوم نہیں شیطان کا اس قدر گردیدہ ہونے سے بریلویوں کو کیا ملتا ہے مُسلمان تو استغفر اللہ کہے بغیر اسے نقل بھی نہیں کرسکتا اس انتہا پسندی سے قلم رُکتا ہے زبان تھرکتی ہے۔

شیطان شرک سے پاک ہے۔

مُفتی احمد یار صاحب گجراتی لوگوں کو توحید سے دور کرنے کے لئے اسے ایک شیطانی عقیدہ بتاتے ہیں مگر یہ بھی مانتے ہیں، ہمیں اس نے شرک میں ڈال رکھا ہے آپ لکھتے ہیں:۔

"لوگوں سے شرک کراتا ہے خود کبھی بت پرستی یا شرک نہیں کرتا وُہ بڑا موحد ہے[1]"

رابطہ شیطانی کی چلتی پھرتی تصویریں

شیطان ہر برائی اور بے حیائی کا سرغنہ ہے عام برائیوں میں وہ چُھپ کر آتا ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم آپ پڑھ آئے ہیں لیکن بے حیائی کے اکھاڑے میں یہ بے حجاب ناچتا ہے فحش رسانی، فحش کاری اور فحش انگاری میں کھل کر سامنے آتا ہے اور بہت جلد پہچانا جاتا ہے۔

بریلوی اکابر میں کون کون اس کی زد میں تھے اسے آپ اس جہت سے معلوم کریں کہ ان میں لفظی علمی اور عملی حیا کس درجے کی تھی اب اس جہت سے سوچنے سے بلی بہت جلد تھیلے سے باہر آجائے گی۔

فاحشہ عورتوں کے حق میں اور خلاف میں دو فتوے۔

مسئلہ یہ چلا کہ فاحشہ عورتوں کو مکان کرایہ پر دینا چاہیئے یا نہ؟ کیا یہ اعانت علی المعصیۃ نہیں؟ دیوبند کے سرپرست اعلیٰ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح نے فتوٰے دیا:۔

"ایسے کو کرایہ پر مکان کا دینا دُرست نہیں حسب قول صاحبین کے۔ اور امام صاحب کے قول سے جواز معلوم ہوتا ہے کہ مکان کو کرایہ پر دینا گناہ نہیں۔ گناہ بفعل اختیاری

---

[1] نور العرفان ص ۲۱۱

مستاجر کے ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ نہ دیوے کہ اعانت گناہ کی ہے۔

لاتعاونوا علی الاثم والعدوان [۱]"

آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نشہ فروش کو مکان یا دکان کرایہ پر نہ دے قرآن کا حکم ہے گناہ اور زیادتی پر کسی کی اعانت نہ ہو۔

دیوبند کا یہ فتویٰ فاحشہ عورتوں کے خلاف تھا اب دیکھئے مولانا احمد رضا خان کس طرح فاحشہ عورتوں کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں۔

" اس کا اس مکان میں رہنا کوئی گناہ نہیں۔ رہنے کے واسطے مکان کرایہ پر دینا کوئی گناہ نہیں باقی رہا اس کا زنا کرنا یہ اس کا اپنا فعل ہے۔ اسکے واسطے مکان کرایہ پر نہیں دیا گیا [۲]"

یہیں سے دیوبندی بریلوی اختلاف چلا اور فاحشہ عورتوں نے اُمت کو لڑا دیا۔

فاحشہ عورتوں کی شیرینی پر فاتحہ کہنا۔

اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں کہ کھانے کی چیزوں پر فاتحہ کہنا یہ بات کب سے چلی ـــ صحابہؓ کے دور میں اس کا نام ونشان تک نہ تھا اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کس طرح ان لوگوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے فرماتے ہیں کہ اگر فاحشہ عورت کسی سے قرض لے کر شیرینی خریدے اور وہ قرض زنا کی اُجرت سے ادا کرے تو اس شیرینی پر فاتحہ کہنا جائز ہوگا اور وہ شیرینی ناجائز نہ ہوگی ـــ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس صورت عمل پر کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں میری اس پر اپنی شہادت ہی کافی ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مولانا کا ان سے ملنا جُلنا عام تھا اور آپ ان کے طریقوں کے اچھے خاصے گواہ تھے بریلوی عُلماء اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ آپ فاحشہ عورتوں کو مایوس نہ کرنا چاہتے تھے اور شیرینی پر فاتحہ کہنے کی راہ انہیں اس طرح سمجھا دیتے تھے کہ ان کی کمائی بھی وہی رہے زنا بھی کراتی رہیں اور حضرت سے شیرینی پر فاتحہ بھی دلاتی رہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔

" اس مال (زنا کے مال) کی شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ (کنجر لوگ) جب کوئی کارِ خیر کرنا چاہتے ہیں

---

[۱] فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۰۲ [۲] ملفوظات حصہ سوم صفحہ ۳۲

تو ایسا ہی کرتے ہیں اور اس کے لئے کسی شہادت کی حاجت نہیں[1]۔ اگر وہ کہے
کہ میں نے قرض لے کر یہ مجلس کی ہے[2] اور وہ قرض اپنے مال حرام سے ادا کیا تو
اس کا قول قبول ہوگا بلکہ اگر شیرینی اپنے مال حرام ہی سے خریدی اور خریدنے میں
پر عقد و نقد جمع نہ ہوئی[3] اگر ایسا نہ ہوا تو مفتیٰ بہٖ مذہب پر وہ شیرینی بھی حرام نہ ہوگی[4]"

بے حیائی صرف یہ نہیں کہ فاحشہ عورتوں کے سامنے ستر کھول دیا جائے اعلیٰ حضرت نے اگر ایسا کیا تو
وہ بچپن کی بات ہے ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہم اس پر ضرور حیران ہیں کہ حضرت کس محلے میں رہتے
تھے جہاں فاحشہ عورتیں عام آتی جاتی تھیں اور حضرت کے بزرگوں کو کیسے یہی محلہ پسند آیا تھا۔

ربطِ شیطانی سے انسان کی زبان سے بھی شرم و حیاء اُٹھ جاتا ہے انسان پھر بات بات
میں حیاء کے بخئے ادھیڑتا ہے اور نہیں جانتا کہ حیاء سے ہی ایمان قائم ہے اور اس سے شرفِ
انسانی قائم رہتا ہے۔

زبان کی بے حیائی کی انتہاء

کسی شخص کے بارے میں انسان کے لئے گالی گلوچ اور فحش الفاظ کا استعمال جائز نہیں
چہ جائیکہ یہ الفاظ ان حضرات اور شخصیات کے بارے میں استعمال کئے جائیں جن کی شرافت
عزت اور عظمت خود ہمارے دین کا جزو ہو اور پھر انسان اس سے بھی نہ چُوکے کہ اللہ تعالیٰ
کے لئے بھی وہ زبان استعمال کر گزرے جس کے تصور سے شرافت کانپتی ہے

---

[1] حضرت کی شہادت کے بعد اور کس کی شہادت چاہیئے، کسی کی نہیں۔ [2] شیرینی قرض سے خریدنا
تو سمجھ میں آتا ہے قرض سے مجلس کرنا اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب مجلس میں آنے والے
علماء کرام اور حفاظ عظام کے نذرانے اور ہدیے ہوں گے بڑے حضرت ہوں یا چھوٹے حضرت،
بدوں ان خدمات کے کون ان فاحشہ عورتوں کے ختم پر جاتا ہے [3] یعنی اس وقت خاص
اس طرح نہ کہا گیا کہ میں اس خاص مال کے عوض میں یہ شیرینی خریدتی ہوں بات گول رہی تو
بھی شیرینی حرام نہ ہوئی۔ اسے بریلوی دوست خوب دل کھول کر کھائیں۔

[4] احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۴۵۔

فاحشہ عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں جو مردوں کے لئے موجب کشش ہو وہ ایسے اطوار اختیار کرتی ہیں جن سے لوگوں کی نظریں ان پر اٹھیں ایسا تنگ اور چست لباس پہننا کہ بدن کی پوری غمازی ہو رہی ہو کبھی شریف عورتوں کا وطیرہ نہیں ہوتا اور اگر کوئی عورت ایسا لباس پہنے تو شریف مرد نہ اس طرف نظر کرتے ہیں نہ اپنی مجلس میں وہ ان زرق برق لباسوں کا تذکرہ کرتے ہیں یہ فحش گوئی ایمان والوں کو زیب نہیں دیتی۔ ایمان کا ایک حصہ حیاء ہے۔

اعلیٰ حضرت کی اُمّ المؤمنین کے بارے میں فحش گوئی۔

مولانا احمد رضا خاں کے شاگرد خصوصی مولوی محبوب علی خاں نے آپ کی بیاض سے یہ اشعار بڑی احتیاط سے نقل کئے اور انہیں اعلیٰ حضرت کے دیگر ماندہ شعری ذخیرے کے ساتھ حدائق بخشش حصہ کے نام سے ۱۳۴۲ھ میں شائع کر دیا مولانا احمد رضا خاں کی وفات ۱۳۴۰ھ میں ہوئی ربع صدی تک کسی بریلوی نے حدائق بخشش حصہ سوم سے انکار نہیں کیا۔ مولانا احمد رضا خاں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لباس کا یہ نقشہ کھینچتے ہیں آپ نے اب تک کوئی بیٹا ماں کے بارے میں اس شعری ذوق میں بات کرتا نہ سُنا ہو گا یہ اسی حدائق بخشش میں ہے۔

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا اُبھار ۔۔۔ مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن میرے دل کی صورت ۔۔۔ کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر[1]

اعلیٰ حضرت کی اللہ تعالیٰ کے بارے میں فحش بیانی

علماء میں یہ بحث چلی کہ اللہ تعالیٰ قبائح (بُرے کاموں) پر قادر ہے یا نہیں؟ اس پر تو سب کا اتفاق تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل خیر ہے وہ کبھی کوئی بُرا کام نہ کرے گا نہ یہ اُس کی شان کے لائق ہے لیکن اسے اس کام پر قدرت ہے یا نہیں؟ یہ دوسرا موضوع تھا مثلاً مشرک کو بخشنا خدا کی غیرت کے خلاف ہے لیکن سوال پھر سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرعون، ہامان اور نمرود کو بخشنے پر قادر بھی ہے یا نہیں؟ مولانا احمد رضا خاں نے مولانا اسمٰعیل شہید کو اسی الزام میں کہ وہ قبائح کو خدا کی قدرت سے باہر نہیں سمجھتے خدا کے نام کے ساتھ ایک ایک بُرائی اور ایک ایک فسق کاری

[1] حدائق بخشش ج ۳ ص ۳۷

اس طرح چسکے لے لے کر بیان کی ہے کہ انسان حیران ہوتا ہے اور اُس کی ایمانی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جب وہ مولانا احمد رضا خاں کی اس الزامی عبارت کو پڑھتا ہے :۔

" ایسے کو جس کا بہکنا بھولنا، سونا، اونگنا غافل ہونا ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے۔ کھانا پینا پیشاب کرنا، پاخانہ پھرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کیطرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتی کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا، کوئی خباثت کوئی فضیحت و رسوائی اس کی شان کے خلاف نہیں وہ کھانے کا مُنہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی اور زنی کی علامتیں (آلہ تناسل اور عورت کی شرمگاہ) بالفعل رکھتا ہے، صمد نہیں جوف دار ہے کھگل ہے سبوح قدوس نہیں خنثیٰ مشکل ہے (ہیجڑا ہے) یا کم سے کم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتا ہے یہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو جلا بھی سکتا ہے زہر کھا کر اپنا گلا گھونٹ کر بندوق مار کر خود کشی بھی کر سکتا ہے[1]۔ (استغفر اللہ العظیم)

جو لوگ خدا کو قبائح پر قادر مانتے ہیں کیا انہوں نے بھی کبھی یہ زبان خدا کے بارے میں استعمال کی ہے ؟ خاں صاحب کس طرح چٹخارے لے لے کر خدا کے نام پر ایک ایک برائی کو ذکر کر رہے ہیں کیا کسی کافر دہریہ اور سکھ نے بھی نشے کی حالت میں کبھی ایسی باتیں خدا کی نسبت سے کہی ہوں گی ؟ ایک مقام پر دیوبندیوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے کہ تمہارا خدا ایسا ہے مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :۔

" تمہارا خدا رنڈیوں کی طرح زنا بھی کرائے ورنہ دیوبند کی چکلے والیاں اس پر ہنسیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہو سکا پھر ضروری ہے کہ تمہارے خدا کی زن بھی ہو اور ضروری ہے کہ خدا کا آلہ تناسل بھی ہو۔ یوں خدا کے مقابلے میں ایک خدائن بھی ماننی پڑے گی"[2]

استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ مولانا احمد رضا خاں کی اس عبارت پر ایمان کیا شرافت بھی کانپتی ہے۔

---

[1] فتاوے رضویہ ج ۱ ص ۷۹۱ [2] سبحان السبوح ص ۱۴۲

جب خدا کے بارے میں زبان یہ ہے تو حضرت مولانا اشرف علیؒ کے بارے میں اور حضرت مولانا حسین احمد کے بارے میں ان کی زبان کیا ہوگی۔؟ یہ آپ خود اندازہ کریں۔

؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

مولانا تھانویؒ کے خلاف فحش زبانی

حضرت تھانویؒ کی کتاب حفظ الایمان کے رد میں بریلی سے وقعات السنان شائع ہوئی۔ نام مصطفےٰ رضا خاں کا ہے لیکن کام احمد رضا خاں والا ہی ہے اس میں آپ نے حضرت تھانویؒ کو مخاطب کرکے لکھا:۔

"ہمارے اگلے تین متن پر نظر ڈالئے دیکھئے وہ رسلیا (حفظ الایمان) والے پر کیسے ٹھیک اُتر گئے۔ کیا اتنی ضربات کے بعد بھی نہ سُوجی ہوگی"۔[1]

خاں صاحب پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں:۔

"رسلیا والے.......... اپنی دوشقی (پچھلے حصے کی طرف اشارہ ہے) میں تیسرا احتمال داخل بھی کرتے"۔[2]

ایسے محلے میں رہنے کا کیا یہ نمایاں اثر نہیں۔ جو خانصاحب کے اخلاق سے ظاہر ہو رہا ہے۔

؎ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلاف شیطانی مہم

مولانا احمد رضا خاں نے خیانت کی سیڑھی پر چڑھ کر علمائے دیوبند کی عبارات میں خطرناک معنوی تحریف کی اور علمائے عرب کے سامنے ان کے غلط ترجمے پیش کئے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے الشہاب الثاقب کے نام سے حسام الحرمین کے غلط فتووں کا جواب لکھا ہے اس پر مولانا احمد رضا خاں بہت تڑپے کہ بات کھل کیوں گئی ـــــ خان صاحب نے اس پر حضرت مدنیؒ کو ان الفاظ سے نوازا ہے:۔

"کبھی کسی بے حیا سے بے حیا ـــ ناپاک گھناؤنی سے گھناؤنی ـــ بے باک سے بے باک پاجی کمینی گندی قوم نے اپنے خصم کے مقابل بے دھڑک

---

[1] وقعات السنان ص۵۱ [2] ایضاً ص۲۷

ایسی حرکات کیں ؟ آنکھیں میچ کر گندہ مُنہ پھاڑ کر ان پر فخر کئے ــــ انہیں سر بازار شائع کیا۔ یہ ان پہ افتخار ہی نہیں بلکہ سُنتے ہیں کہ ان میں کوئی نئی نویلی ــ حیادار شرمیلی ــ بانکی نکیلی ــ میٹھی رسیلی ــ اچپلی البیلی چنچل انیلی ــ اجودھیا باشی .... اس فاحشہ آنکھ نے کوئی نیا غمزہ تراشا اور اس کا نام الشہاب الثاقب رکھا [1]

آپ غور کرتے ہیں کیا کبھی کسی عالم دین سے آپ نے ایسی فحش زبانی سُنی ہے اور پھر یہ لوگ اسے اپنا خالص اعتقاد قرار دیتے ہیں اور یہ فحش کلامی علماء ربّانی کے خلاف ہو رہی ہے ــــ اب دیکھو ان اکابر کے عوام پر خاں صاحب کیا زبان استعمال کرتے ہیں۔

اکابر دیوبند کے عوام پر خاں صاحب کا غیظ و غضب

"خبیثو! تم کافر ٹھہر چکے ہو۔ ابلیس کے مسخرے دجال کے گدھے ......

ارے منافقو .... وھابیہ کی بوبح ذلیل عمارت قانون کی طرح تحت الثریٰ پہنچتی ہے۔ نجدیت کے کوّے سکتے، وھابیت کے بوم بلکتے اور مذبوح گستاخ بھڑکتے" [2]

ہم کہاں تک ان حضرات کے ربطِ شیطانی کا رونا روئیں مولانا احمد رضا خاں جگہ جگہ شیطان کی حمایت فاحشہ عورتوں کی رعایت اور توحید و سُنّت کی شکایت کرتے ملیں گے تاہم خان صاحب کے مجموعی نقشے سے یہ بات کُھل کر سامنے آتی ہے کہ جن کی زبان اس درجے کی ہے ان کا عمل کس درجے میں بے حیا ہوگا اور انہوں نے علمائے دیوبند کی عبارات میں جس بے دردی سے اپنے معنی داخل کئے ہوں گے اس سے بات کہاں سے ــــــ کہاں پہنچی ہوگی اُسے علمی دُنیا میں ہم کُھلی بے حیائی نہ کہیں تو اس کا کوئی اور نام تجویز کر دیجئے جس کے تحت ہم یہ شکایت زبان پر لا سکیں۔

حضرت مولانا معین الدّین اجمیریؒ جو خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف کے اُستاد تھے تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں اپنے مخالفین سے فحش اور بازاری

---

[1] خالص الاعتقاد صـ۲۲ [2] خالص الاعتقاد صـ

زبان میں گفتگو کرتے تھے آپ لکھتے ہیں :۔

"ان پہلو دار الفاظ میں آپ (مولانا احمد رضا خاں) کو لفظ تین زیادہ مرغوب ہے خلقت اس کو فحش اور بازاری گفتگو کہتی ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے اور اعلیٰ حضرت کے ساتھ سوء ظنی" لہ

ہم انشاءاللہ آگے چل کر مولانا احمد رضا خاں کے عمل و کردار پر تفصیل سے بات کریں گے یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں کا شیطان اور فاحشہ عورتوں سے ہمدردی کا کیا تعلق رہا ہے اور اس ربط شیطانی سے آپ نے خیانت کی سیڑھی پر چڑھ کر کس طرح سوادِ اعظم اہل السنۃ والجماعۃ کو دو ٹکڑے کیا ہے اور اپنی اس محنت کو انگریز کے کھاتے میں ڈالا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کے حق میں ایک آواز

ناانصافی ہوگی اگر ہم یہ بات عوام کے سامنے نہ لائیں کہ قدوۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے جب حسام الحرمین کے جواب میں علماء دیوبند کی مختلف عبارات کے صحیح محامل اور معانی بیان کئے اور اس پر علمائے عرب کی تصدیق حاصل کی تو اس کے بعد مولانا احمد رضا خاں کی طرف سے اس کی کہیں تردید نہیں کی گئی ہو سکتا ہے انہوں نے علماء دیوبند کی اس وضاحت اور موقف کو قبول کر لیا ہو بریلوی حلقے کے ایک مقتدر عالم مولانا خلیل احمد خاں بدایونی دوسرے بریلوی علماء سے ایک سوال کیا تھا آپ لکھتے ہیں :۔

"پھر فقیر نے سوال کیا کہ علمائے دیوبند نے جب صریحًا انکار اور اس مضمون خبیث سے تبری و تحاشی بیان کر دی اور اس عبارت کا مطلب بھی بتا دیا اس کے بعد فاضل بریلوی (مولانا احمد رضا خاں) کی کوئی تحریر جو خاص انہی کی ہو جس میں انہوں نے ان کے انکار اور تبری و تحاشی کے علم کا اقرار کرتے ہوئے پھر بھی ان کے لئے حکم کفر و ارتداد باقی رہنے کو بیان کیا ہو تو دکھایئے" ے

لہ تجلیات انوار المعین صـ ۳۳۔ ے تلخیص الجبیر فی احکام التکفیر صـ ۵ طبع بدایوں۔

ان علماء بریلی نے جواب میں مولوی مصطفےٰ رضا خاں کا رسالہ وقعات السنان پیش کیا مولانا خلیل احمد خاں نے کہا:۔

میری شرط کے مطابق یہ رسالہ نہیں کیونکہ میری شرط تو یہ ہے کہ فاضل بریلوی کی ہی تصنیف ہو کیوں کہ کفر کا فتویٰ دینے والے وہ ہی تو نہیں ہیں یہ رسالہ تو مولوی مصطفےٰ رضا خاں کا لکھا ہوا ہے[1]"

دوسرے علماء بریلی سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا مولانا خلیل احمد خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

فقیر کا مقصد الحمدللہ حق گوئی اور حق طلبی ہی رہا اور ہے اگر ان لوگوں میں شمہ بھر بھی حق طلبی ہوتی تو فقیر کو اس کے شبہات و سوالات کا مسکن جواب کسی مناسب صورت دیتے اور ان سوالات کو واضح طور پر حل کرتے یہ لوگ زبردستی منوانا چاہتے ہیں یعنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے قواعد علوم شرعیہ کے موافق ہو یا مخالف ـــــ ہماری بات مانو اور ہمارے مقلد بنو ورنہ فتوے کفر ہے فاضل بریلوی کی آنکھ بند کر کے تقلید کرو ورنہ نہ سُنی نہ مسلمان ـــــ یہ ہے ان کا مذہب اور ایمان گویا شریعت مطہرہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے یہ لوگ ٹھیکیدار ہیں، کفر و اسلام کی سند ان کے قبضے میں ہے جنت و دوزخ کے یہ مالک ہیں اپنی رائے سے جسے چاہیں جنتی بنا دیں جسے چاہے دوزخی بنا دیں۔ علم دین یعنی قرآن و حدیث و فقہ کوئی جانتا ہی نہیں صرف یہ ہی جانتے ہیں ہندوستان کے تمام علماء کافر و جہنمی ہونے میں جو شک کرے وہ بھی کافر ہے[2]

اس پر ان عاقبت فراموش علماء نے مولانا خلیل احمد خاں پر الزام لگایا کہ اس نے اپنا مذہب بدل دیا ہے مولانا لکھتے ہیں:۔

یہ کذب اور دروغ بیانی کی گئی ہے کہ مولوی خلیل احمد نے مذہب بدل دیا ہے نعوذ باللہ ـــــ میں بحمداللہ مومن مسلمان اہلسنت والجماعۃ

---

[1] ایضاً صفحہ ۵ [2]

حنفی المذہب جیسے پہلے تھا ویسے اب بھی ہوں اہل السنۃ والجماعۃ عقائد میں امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا متبع ہوں کسی اصولی اور فروعی مسئلہ میں اپنے ائمہ اہل سنت وجماعت کے ارشادات کے خلاف نہیں ہوں تمام ضروریات دین متین وضروریات اہل السنۃ والجماعۃ کو حق اور صحیح مانتا ہوں ضروریات دین کے منکروں اور ان میں شک کرنے والوں کو اسلام سے خارج مانتا ہوں ضروریات مذہب اہل السنۃ والجماعت کے منکر کو گمراہ و بدمذہب جانتا ہوں متاخرین علماء کے فرعی اختلافات میں احتیاطی پہلو پر نظر رکھتا ہوں۔

مسلمانو! انصاف کرو فقیر نے جو کلمات بیان کئے ہیں ان میں سے کون سا کلمہ خلاف دین و مذہب ہے ان حیاداروں سے معلوم کرو کیا اس سے قبل میرا یہ دین و مذہب نہ تھا پھر تبدیل مذہب کا لفظ بول کر عوام کو کیوں فریب کے جال میں پھانس رہے ہو۔

ارے ظالمو! خدا کا خوف کرو، اس کی پکڑ بڑی سخت ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا کیا اکابر دیوبند کو کافر و مرتد نہ کہنے اور کف لسان (زبان کو روک لینے) سے دین و مذہب بدل جاتا ہے۔

کیا تمہارے نزدیک علماء دیوبند کو کافر کہنے کا نام دین و مذہب ہے؟ اس کو دین و مذہب کس نے بتایا؟ فاضل بریلوی کا فتویٰ کیا دین و مذہب بن گیا؟ وہ بھی ان کی انفرادی رائے جس میں ان کے ہمعصر علماء ہندوستان بھی متفق نہیں علماء دیوبند کی عبارات کی نقل اور ان کے مطلب پر اہل علم کو بہت کلام ہے افسوس جہالت اور نفسانیت نے صمٌ بکمٌ عمیٌ بنا دیا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اپنے کو اہل حق بتاتے ہیں۔

فاضل بریلوی اپنے دور کے ایک معروف عالم تھے لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں کہ وہ بشر نہ تھے فرشتے تھے یا نبی اور رسول تھے۔ نعوذ باللہ پھر ان کی انفرادی رائے کیسے قطعی اور یقینی ہو گئی امام ابوحنیفہ۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین جو مسلمانوں کے مسلم پیشوا اور مجتہد مطلق ہیں۔ ان کی بھی اجتہادی رائے قطعی نہیں ہو سکتی

نہ کسی مسلمان نے آج تک یہ کہا کہ ان کی اجتہادی رائے یقینی وقطعی اور بلاشبہ ہے ؎۱
آپ کے پہلے بیان کردہ ان الفاظ پر ایک دفعہ پھر غور کیجئے :۔

اکابر علماء دیوبند یعنی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولوی اشرف صاحب تھانوی مرحومین پر حسام الحرمین میں جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرحوم نے کافر و مرتد ہونے کے جو احکام لگائے ہیں انہوں نے یہ احکام اپنی ذاتی رائے سے بیان کئے ہیں یعنی ان مذکورہ حضرات کی عبارات کا جو کفری مطلب انہوں نے بیان کیا ہے ان عبارات کا وہ کفری مطلب ان کی اپنی ذاتی رائے ہے جس کے ساتھ سرزمین ہند کے علماء ہمعصر۔ ان کے ہم مسلک بھی متفق نہیں ہیں۔ ان عبارات کا جو مطلب فاضل بریلوی نے مقرر کیا ہے۔ وہ مضمون یقیناً کفر ہے۔ مگر ان عبارات کا حقیقۃً وہ مطلب ہی نہیں ان علماء ہمعصر نے تقریراً و تحریراً اس بات کو صاف صاف بیان کر لیا اور جن صاحبان کی وہ عبارات ہیں انہوں نے بھی صاف صاف کفری مضمون سے انکار مع تبری و تحاشی کے کر دیا مگر اتباع فاضل بریلوی کی وہی رٹ ہے کہ فاضل بریلوی نے حسام الحرمین میں جو ان عبارات کا جو مطلب بیان کیا ہے اور جو احکام کفر و ارتداد حضرات مذکورین اکابر علمائے دیوبند کے لئے بنائے ہیں وہ بلاشبہ صحیح ہیں۔ قطعی ہیں اجماعی ہیں یہاں تک کہ جو حسام الحرمین کے احکام اور مضامین میں شک کرے یا تامل کرے یا توقف کرے یا کفِ لسان کرے وہ بھی کافر ہے مرتد ہے اس زبردستی کو ملاحظہ کیجئے۔

متکلم خود اپنے کلام کا مطلب بتا رہا ہے وہ بھی صحیح نہیں اور نیز اس کفری مضمون سے تبری و تحاشی کر رہا ہے وہ بھی صحیح نہیں اور علماء کرام جو حسام الحرمین کی موافقت نہیں کرتے ہیں وہ بھی صحیح نہیں بلکہ وہ سب کافر و مرتد ہیں۔

مسلمانوں خدارا انصاف کرو ان کے ہذیانی اقوال پر غور تو کرو کیا حسام الحرمین کوئی آسمانی کتاب ہے ؟ جس کے مضامین میں شک کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ ؎۲

؎۱ انکشاف حق ص۵۳ ص۵۴۔ ؎۲ انکشاف حق ص۳۴، ۳۵۔

یہ بات ہم ذرا تفصیل سے آپ کے سامنے لے آئے ہیں مناط کلام یہ تھا کہ علمائے دیوبند نے جب اعلاناً ان کفری مضمونوں سے تبری اور تحاشی کی جو مولانا احمد رضا خان نے انکی طرف منسوب کئے اور ان کی کتابوں سے نکالے تھے تو کیا اس کے بعد بھی مولانا احمد رضا خاں اپنے اسی فتوے پر قائم رہے مولانا خلیل احمد خاں نے اپنے معاصر بریلوی علماء سے اس کی سند مانگی تھی اور ان کے پرانے ساتھی علماء بریلی انہیں یہ نہ دکھا سکے تھے۔

ان حالات سے پتہ چلتا ہے کہ علماء دیوبند کی المہند کی وضاحت کے بعد خود خان صاحب کی نظر میں بھی ان کے اس فتوے تکفیر کی کچھ خاص اہمیت نہ رہی تھی اور وہ اپنے اس سے پہلے موقف پر آ گئے ہوں گے۔

مولانا احمد رضا خاں کا پہلا موقف

مولانا احمد رضا خاں نے حضرت مولانا محمد قاسم حضرت مولانا رشید احمد حضرت مولانا خلیل احمد قدس اللہ اسرارھم کی کتابیں پڑھی تھیں وہ ان حضرات اکابر علماء دیوبند کی تحریرات سے ناواقف نہ تھے مگر چونکہ ان میں کھلے کفر کی کوئی بات نہ تھی اس لئے آپ انہیں صرف اہل بدعت میں سے سمجھتے تھے کافر نہ کہتے تھے انہیں یہ بھی علم تھا کہ بعض دوسرے علماء ان حضرات کی بعض عبارات پر کفر لازم کرتے ہیں مگر مولانا احمد رضا خاں لزوم اور التزام میں فرق کرتے تھے اور علماء دیوبند کی تکفیر نہ کرتے تھے اور حضرت مولانا اسماعیل شہید کو تو کھلے بندوں کلمہ گو کہتے اور انہیں کافر کہنے سے منع کرتے مولانا احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

> میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید[1] کو تو ابھی تک مسلمان ہی مانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں[2] اور امام الطائفہ[3] کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لاالہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے[4]

---

[1] یعنی مولانا رشید احمد مولانا خلیل احمد مولانا تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ [2] پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کی کتابیں خانصاحب نے پڑھی ہوئی تھیں ورنہ ان پر ضلالت کا حکم نہ کرتے۔ پھر جو کافر نہیں کہا وہ عبارات کفری مضامین پر صریح نہ تھیں۔ [3] حضرت مولانا اسمٰعیل شہید [4] سبحٰن السبوح ص۹۱

پھراس کے بعد کیا علماء دیوبند نے کوئی اور عبارات لکھی تھیں جن پر خانصاحب نے حسام الحرمین میں حکم کفر لگایا؟ نہیں انہی عبارات پر حکم کفر دیا جن پر پہلے حکم کفر نہ دیا تھا کیونکہ وہ عبارات اپنے ان مضامین پر صریح نہ تھیں اور ان مضامین سے حضرات اکابر دیوبند خود تحاشی اور لاتعلقی کا اظہار کرتے تھے سوال پھر وہی رہا کہ اب خانصاحب نے کھلی تکفیر کا موقف کیوں اختیار کیا۔

مولانا احمد رضا خاں کا دوسرا موقف

خاں صاحب کوئی بے علم آدمی نہ تھے کہ اب ان پر ان عبارات کے معنی کھلے ہوں اور جن عبارات کو وہ پہلے کفر پر صریح نہ سمجھتے تھے اب ان کو وہ عبارات صریح کفریہ دکھائی دینے لگیں حاشا و کلا ایسا نہیں خانصاحب کا منشا صرف انذار و توبیخ تھا تھوڑی بات کو پوری بات کے رنگ میں ظاہر کرنا تھا تاکہ لوگ علماء دیوبند کے حلقے میں نہ جائیں اس پر آپ نے حسام الحرمین میں صریح حکم کفر دیا اور دوسروں سے دلوایا۔ خاں صاحب خود لکھتے ہیں۔

> مگر یہ کہتا ہوں اور بے شک کہتا ہوں کہ بلا ریب ان تابع و متبوع سب پر ایک گروہ علماء کے مذہب پر کفر لازم ۔ والعیاذ باللہ ذی الفضل الدائم میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ان عزیزوں کو خواب غفلت سے جگاؤں[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے آپ ان علماء کے ساتھ نہ تھے جو ان حضرات اکابر کو بنا بر لزوم کفر کافر کہتے تھے ان کی عبارات اس وقت بھی خاں صاحب سے اوجھل نہ تھیں اور آپ کو اس وقت ان میں صریح کفری معنی ہرگز نظر نہ آئے تھے تو پھر اگر آپ نے تکفیر کی تو وہ صرف توبیخاً اور مصلحۃً تھی یا نہیں یا یہ کہ آپ انہیں حقیقۃً کافر سمجھتے تھے آپ نے ان سے ملنا جلنا بھی اسی مصلحت سے حرام ٹھہرایا تھا یہ نہیں کہ ان کی نظر میں یہ حضرات واقعی کافر تھے (استغفر اللہ العظیم)

مولانا احمد رضا خاں کا تیسرا موقف

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری نے جب المہند علی المفند لکھ کر خانصاحب کے لگائے ہوئے اعتراضات سب کے سب کچل دیئے اور اکابر دیوبند کے عقائد زیادہ صریح اور قابل اعتماد صورت میں سامنے آئے تو اس کے بعد خاں صاحب نے ان حضرات کو کافر

---

[۱] سبحن السبوح صہ ۹۱

کہا ہو اس کا ثبوت جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں مولانا خلیل احمد خاں صاحب نے اپنے دوسرے بریلوی احباب سے مانگا تھا اور وہ اس پر کوئی صحیح حوالہ پیش نہ کر سکے تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ خاں صاحب کے صاحبزادے تکفیر پر قائم رہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے حلقے کے بہت سے لوگ ان صاحبزادگان بریلی کے ساتھ نہ رہے تھے مولانا خلیل احمد خاں بجنوری ثم بدایونی بھی ان ہی میں سے تھے۔ مولانا عبدالمقتدر بدایونی نے بھی کف لسان کا موقف اختیار کر لیا تھا اور باوجود اختلاف عقائد علماء دیوبند کی تکفیر نہ کرتے تھے۔

صاحبزادگان بریلی کے اصرار علی التکفیر کا یہ اثر ہوا کہ علماء محتاطین ان سے کٹ گئے اور انہوں نے مزید اصرار کیا تو وہ علمائے دیوبند کے ساتھ ہو گئے۔ پھر جوں جوں اختلاف پھیلتا گیا حقیقت کھلتی گئی اور لوگ علماء دیوبند کے قریب ہوتے گئے۔

ڈیرہ غازی خاں کے مولانا قاضی غلام یٰسین صاحبؒ

قاضی غلام یٰسین مرحوم مولانا احمد رضا خاں کے اخص احباب میں سے تھے قاضی صاحب نے ہی مولانا احمد رضا خاں کو فتاوٰے رضویہ کی تکمیل پر متوجہ کیا تھا مرکزی مجلس رضا لاہور نے عبدالحکیم شرف قادری کا رسالہ ندا یا رسول اللہ شائع کیا ہے مولف نے اس کے آخر میں مولانا احمد رضا خاں کا ایک خط بنام قاضی غلام یٰسین مرحوم بھی شائع کیا ہے جس سے دونوں کے باہمی اعتماد اور تعلقات کا پتا چلتا ہے مولانا احمد رضا کے صاحبزادوں کے اصرار علی التکفیر کا اثر یہ رہا کہ قاضی غلام یٰسین مرحوم کے صاحبزادے اور شاگرد بریلی سے کلیۃً لاتعلق ہو گئے مولانا قاضی عبیداللہ صاحب ڈیرہ غازی خاں والے کون تھے ؟ آپ انہی قاضی غلام یٰسین مرحوم کے صاحبزادے تھے یہ حضرت ڈیرہ غازی خاں میں عمر بھر مسلک دیوبند کے ترجمان رہے آپ نے مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ قرآن پر بھی کھلی تنقید کی ہے

ڈیرہ غازی خاں میں مولوی فضل حق (سابق نام مولوی محمد عیسٰی) بلاک ۲۸ کی مسجد میں اور مولوی غلام جہانیاں معینی بلاک نمبر ۳ کی مسجد میں بریلوی سٹیج کے ترجمان ہوتے تھے اور قاضی عبیداللہ مرحوم مسلک دیوبند کے ترجمان ـــــ یہ کیوں ! صاحبزادگان بریلی کے اصرار علی التکفیر نے انصاف پسند علماء کو بریلویت کے مقابل لا کھڑا کیا اور جوں جوں حق روشن ہوتا گیا بریلویت کی دیوار میں

دراڑ پڑ گئے تھے۔

تلہیری ضلع مظفر گڑھ کے مولانا سلطان محمود صاحبؒ

یہ مولانا سلطان محمود صاحب کون ہیں؟ مناظرہ بہاولپور میں یہی حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کے مقابل کھڑے کئے گئے تھے مولانا غلام دستگیر قصوری نے مولانا سہارنپوری کے سامنے آنے کی ہمت نہ کی تھی اپنی طرف سے مولانا سلطان محمود صاحب کو کھڑا کیا تھا آپ اپنے وقت میں علم نحو کے امام سمجھے جاتے تھے اور علاقے کے علماء انہیں اپنے دور کا سیبویہ کہا کرتے تھے اس اعتماد پر مولانا غلام دستگیر نے ان سے مناظرہ کرنے کی درخواست کی تھی۔

مناظرہ ان حضرات میں کئی دن ہوتا رہا لیکن علماء دیوبند کی صداقت اور عبقریت مولانا سلطان محمود کے دل میں پیوست ہوتی گئی مناظرہ تو نواب صاحب بہاولپور کے حکم سے بند کر دیا گیا اور مناظرے کا فائل حضرت خواجہ غلام فرید کے سپرد کر دیا گیا جو آپ نے کسی فریق کو نہ دیا۔ ہاں مولانا سلطان محمود صاحب کے دل کی دنیا بدل چکی تھی مناظرے تک وہ مولانا غلام دستگیر کے ساتھ رہے لیکن اس کے بعد وہ مسئلہ امکان کذب اور امتناع نظیر میں کھلم کھلا علماء دیوبند کے ساتھ ہو گئے اور فرمایا حق ان کے ساتھ ہے اور معتزلہ کے مقابلہ میں مسلک اہل السنۃ والجماعۃ پر علماء دیوبند ہی ہیں۔

مولانا عمر دراز المعروف جندوڈا شاگرد مولانا سلطان محمود موضع کلیری (ضلع ڈیرہ غازیخان) کے رہنے والے کا بیان ہے:-

> میرے استاذ حضرت مولانا سلطان محمود نے اپنے حلقوں بار بار کہا کہ میں مولانا غلام دستگیر کے کہنے پر مناظرہ میں تو کھڑا ہو گیا اور اپنی طرف سے اس علمی معرکے میں پوری ہمت دکھائی لیکن مولانا خلیل احمد صاحب کی متانت، ذہانت، صداقت اور شخصیت میرے دل میں اترتی گئی حضرت استاد اس کے بعد پھر کھلم کھلا علماء دیوبند کے ساتھ ہو گئے تھے۔[1]

---

[1] کشف حقیقت ص۱

مولانا خلیل احمد صاحبؒ محدث سہارنپوری بہاولپور میں

خواجہ غلام فرید صاحب (چاچڑاں شریف والے) علماء دیوبند سے علمی طور پر بہت متاثر تھے نواب صاحب بہاولپور ان کے مرید تھے اور آپ کی نواب صاحب کو ہدایت تھی کہ دینی تدریس و اشاعت کے لئے ہمیشہ علماء دیوبند سے علاقہ رکھیں ۔۔۔۔ انہی کی ہدایت پر نواب صاحب نے حضرت محدث سہارنپوری کو بہاولپور بلاکر صدر مدرس رکھا تھا اور نواب صاحب کے پورے دینی حلقے میں حضرت سہارنپوری کا نام چلتا تھا علاقے کے تنگ ظرف علماء اور دینی کارکن آپ سے بہت جلتے تھے اور ہمیشہ اس تاک میں رہتے کہ جس طرح بھی بن پڑے عوام کو حضرت سہارنپوری کے خلاف بھڑکایا جائے تاکہ نواب صاحب علاقے کے امن کی خاطر حضرت سہارنپوری سے چھٹی حاصل کرلیں اسی تگ و دو میں مناظرہ بہاولپور تک نوبت آپہنچی تھی۔

اس بات کے ثبوت میں کہ حضرت خواجہ صاحب علماء دیوبند سے متاثر تھے یہ جان لینا کافی ہے کہ خواجہ صاحب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے ظاہر ہے کہ ان کا اتنا ہی حسن اعتقاد حضرت حاجی صاحب کے اجل خلفاء کرام سے ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کے خلفاء میں جتنا گراف قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا آگے تھا شاید ہی کسی اور کا ہو۔ حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات میں ہے:۔

> فرمودند کہ اکثر علماء جید از دیوبند و دہلی و سہارنپور و گنگوہ از مریدان حاجی امداد اللہ صاحبؒ ہستند مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی نیز مرید و خلیفہ اکبر موصوف است ؎

ترجمہ:۔ آپ نے کہا دیوبند دہلی سہارنپور، اور گنگوہ کے اکثر بڑے بڑے علماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے مرید ہیں مولانا رشید احمد گنگوہی بھی آپ کے مرید اور آپ کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔

پھر آپ نے حضرت سہارنپوری کی کتاب ہدایات الرشید پر تقریظ لکھی اور اسمیں آپکی بہت تعریف فرمائی ہم اسے آگے نقل کرینگے

؎ مقابیس المجالس ج ۲ ص ۴۳

خواجہ صاحب پر مناظرہ بہاولپور کا کیا اثر رہا۔

کوٹ مٹھن کے مولوی عطا محمد صاحب امام مسجد کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ صاحب مناظرے کے بعد مولانا خلیل احمد صاحب کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے مبادا مفسدین میں سے کوئی حضرت سہارنپوری کو کوئی گزند پہنچائے اور پھر اپنے دو معتمد مریدوں کی معیت میں حضرت کو سہارنپور روانہ کیا حضرت سہارنپوری سے یہ خلوص و محبت پتہ دیتا ہے کہ مناظرہ بہاولپور کے آپ پر کیا اثرات رہے ہوں گے مناظرہ کا فائل حضرت خواجہ صاحب کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے وہ تا زیست کسی فریق کے حوالے نہ کیا یہ اس بات کی غماز ہے کہ بریلوی حضرات کو اس مناظرہ میں کافی زک اٹھانی پڑی تھی۔

حضرت مولانا زمان شاہ صاحب ہمدانی۔

آپ مولانا غلام دستگیر قصوری کے شاگرد تھے بہاولپور رہتے تھے مولانا خلیل احمد صاحب بہاولپور آئے تو ان سے بھی شرف تلمذ پایا مناظرہ بہاولپور میں آپ بھی موجود تھے اپنے پہلے تعلقات اور مقامی حالات کے دباؤ میں آپ نے مولانا غلام دستگیر کی کتاب تقدیس الوکیل پر دستخط بھی کئے لیکن مولانا خلیل احمد صاحب کے بیان کی روشنی میں آپ کی دل کی دُنیا بدل چکی تھی آپ نے اس سلسلہ میں جو خط لکھا وہ آج بھی سہارنپور میں محفوظ ہے اسمیں آپ لکھتے ہیں:

مولوی صاحب سہارنپوری را بہ نظر عالمان با انصاف دریں مباحثہ غلبہ تامہ ماندہ و ہیچ گونہ ہزیمت عائد نشدہ بلکہ ایں امر از حیطۂ امکان خارج بود کہ فریق ثانی غالب شدے ---- ایں تحریرم را موکد بہ حلف و ایمان تصور فرمائند۔ ایں جملہ مضمون را از مولانا مولوی غلام دستگیر صاحب کمال مخفی دارند۔ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۸۸۹ء

قصور کے حضرت شاہ عبدالحق ہمدانی شاگرد مولانا غلام دستگیر صاحب خلیفہ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی آپ کے مولانا زمان شاہ ہمدانی نسبتی بھائی تھے۔ حضرت شاہ عبدالحق کے صاحبزادے حضرت مولانا سید مبارک علی شاہ صاحب پہلے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے بشریت النبی پر سید البشر کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اس پر سب علماء نے دستخط کئے۔

قصور میں ان حضرات کی یہ دینی جد و جہد بھی ایک جہت سے اسی مناظرہ بہاولپور کے اثرات ہیں اس سے بریلویت کافی حد تک نمایاں ہوئی اور علمی پہلو نے دبی اور مسئلہ بشریت متفق علیہ ٹھہرا۔

خواجہ غلام فرید صاحب نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی کتاب ہدایات الرشید پر تصدیق بھی لکھی ہے اور انہیں کاملین میں شمار کیا ہے ایک کامل روحانی پیشوا کا آپ کو کامل ماننا ایک معنی رکھتا ہے سہ قدر زر زرگر بداند قدر جوہر جوہری

یہ کتاب جو مولوی صاحب فاضل کامل مولوی خلیل احمد صاحب نے رد فرقہ ضالہ مضلہ شیعہ رافضیہ میں تصنیف فرمائی ہے نہایت مضامین عالیہ سے مملو ہے اور مطابق ملت قدسیہ اہل سُنّت والجماعت کے ہے۔ میں بعد مطالعہ اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں کہ جو مولوی صاحب نے لکھا ہے فی الاصل صحیح اور درست ہے۔

والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ العبد خاکپائے فقراء غلام فرید چشتی حنفی عفی عنہ بقلم خود

آپکی یہ عبارت کتاب کے پُرانے اڈیشن کے صـ پر اور دوسرے اڈیشن کے صـ ۸۳۵ پر موجود ہے اور ٹائٹل پر حضرت سہارنپوری کا تعارف بڑے القاب سے کرایا ہے۔

اس مناظرہ کے بعد مولانا غلام دستگیر نے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل لکھی اور حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

مولانا کرم الدین صاحب از بھیں تحصیل چکوال۔

مولانا کرم الدین صاحب (بھیں والے) اپنے وقت میں بریلوی مکتب فکر کے مشہور مناظر تھے سلانوالی ضلع سرگودھا کے مناظرہ میں وہ مولوی حشمت علی کے صدر تھے علماء دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا منظور نعمانی مناظر تھے مناظرہ تک تو وہ ان کے ساتھ رہے لیکن علماء دیوبند کی متانت اور صداقت ان کے دل میں گھر کر گئی اور وہ آہستہ آہستہ بریلویت سے کٹتے گئے اور جب ان کی ملاقات شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ہوئی تو ان کے دل کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ یہ مولانا کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے والد مرحوم۔

لاہور کے حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب انہی مولانا کرم الدین صاحب کے شاگرد ہیں اور آپ کا مسلک دیوبند پر تصلب بھی حقیقت میں اسی مناظرہ سلانوالی کا دور رس اثر ہے۔

مفتی مظہر اللہ خطیب مسجد مدرسہ فتحپوری دہلی۔

مشہور بریلوی مقالہ نگار پروفیسر مسعود احمد سے کون واقف نہیں ؟ یہ مفتی مظہر اللہ صاحب دہلوی کے صاحبزادے ہیں آپ نے صراحت سے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ان عبارات سے وہ مفہوم نہ لے جو مولانا احمد رضا خاں نے لیا ہے تو دیانۃً اس کی تکفیر نہیں کی جا سکتی آپ لکھتے ہیں :۔

> قسام ازلی نے کسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کی سمجھ میں کسی عبارات کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں تو ایسے شخص کی دیانۃً تکفیر نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایسے معنی کا قائل نہیں جو موجب تکفیر ہیں ۔ (فتاوی مظہری ص ۳۷۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصل حکم کفر صرف انہی لوگوں پر لگ سکتا ہے جو اس عقیدے کا صراحت سے اقرار کریں جو مولانا احمد رضا خاں نے علمائے دیوبند کی مختلف فیہ عبارات سے نکالا ہے اور اگر وہ اس مضمون سے صراحۃً لاتعلقی کا اظہار کریں بلکہ اسے کفر کہیں تو عصر حاضر کے بریلوی علماء میں سے بھی کسی کو ان پر حکم تکفیر کا حق حاصل نہیں ظلم امر دیگر ہے اور خدا سے بے خوف ہونا بھی آج کل کوئی امر ناپید نہیں۔

پاکستان کے بریلوی علماء کی خدمت میں مودبانہ گزارش مولانا احمد رضا خاں کے وقت میں برصغیر پاک و ہند کے جو حالات تھے وہ آج نہیں، آج آپ ایک آزاد اسلامی ریاست میں رہ رہے ہیں اور یہاں کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ یہاں آپکو قدم قدم پر دوسرے مکاتب فکر کے ساتھ چلنا ہے۔ تحریک ختم نبوت میں اور تحریک نظام مصطفےٰ میں کیا آپ سب حضرات مل کر نہیں چلے ہیں ؟

صدر ایوب کے دور میں کیا حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا احمد سعید کاظمی ایک ہی درسگاہ میں نہیں پڑھاتے رہے۔ پاکستان کی اسلامی نظریاتی کونسل میں کیا آپ اکٹھے فقہ حنفی کے حق میں نہیں بولتے اور کیا وفاقی شرعی عدالت میں حضرت مولانا عبد القدوس اور مولانا شجاعت علی قادری اکٹھے نہیں بیٹھتے۔

اس ضرورت کے تحت اگر آپ مفتی مظہر اللہ صاحب کے مذکورہ فتوے کو اساس بنائیں اور مولانا عبد الستار نیازی کے اتحادی فارمولے کے مطابق علماء دیوبند کی عبارات کا وہی مطلب لیں جو ان کے مصنفین نے خود بیان کیا ہے تو کیا اس سے تکفیر کی وہ دیوار نہیں گر سکتی جو انگریزی دور میں کھڑی کی گئی تھی۔

تاریخ وسیر اور اختلافات روافض و اہلِ سنّت پر دنیائے اسلام کی تسلیم شدہ کتاب

ازالۃ الخفا اردو

تاریخ اسلام کی یکتائے روزگار شخصیت امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ کی عظیم الشان گرانمایہ شاہکار تصنیف ۔۔۔

سب جانتے ہیں کہ یہ دور باطل عقائد کی یورش کفر و شرک بے دینی، جہل و گمراہی کے اندھیروں کا دور ہے آندھیاں، طوفان اور سیلاب بلا کی تباہ کاریاں ایمان و ضمیر کے قلعوں کی بنیادیں ہلائے دے رہی ہیں۔ ان میں ضروری اور بہت ضروری ہوگیا ہے کہ نوجوانوں اور ہر طبقہ کے مسلمانوں کے عقائد کی حفاظت ہر پہلو سے کی دور حاضر میں سب سے بڑے دینی و ملی فتنہ شیعیت کی نحوست سامانیاں جس طرح ظاہر ہوئی ہیں وہ عقیدہ سنی مسلمان کی آنکھیں کھولنے اور اس کو چونکا دینے کیلئے کافی ہیں۔

ازالۃ الخفا اردو کی اشاعت عقائد کی حفاظت کی ایک مخلصانہ جد وجہد کا حصہ ہے ہم آپکو کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں جو شمعِ ایمانی کو جلا دینے، عقائد کو مضبوط کرنے اور مسلکِ حق کو واضح کرنے میں معاون و مددگار، بہترین رہنما، قابل اعتماد رفیق ہے اور کے اندھیروں کو حق و صداقت کی روشنی میں بدل دینے کا ذریعہ بن سکتی ہے! اہلِ فکر و نظر، علمائے کرام اور دیگر سے شامل تمام لوگوں کا پختہ یقین ہیکہ یہ کتاب مسلمانوں کے ہر گھر، ہر مدرسہ، ہر لائبریری اور ہر اسکول میں پڑھے جانیکے لائق ہے اپنی نئی نسلوں کے عقائد کی حفاظت آپکا اور ہمارا فرض اولین ہے۔

یہ عظیم الشان کتاب فارسی زبان میں تھی جسے شستہ اردو میں امام اہلِ سنّت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی اور حضرت استیاق احمد صاحب دیوبندی نے منتقل کیا جسے پہلی بار اردو زبان میں شائع ہے فاضل مترجم نے ضروری حواشی احادیث کے اضافے اور کتب اہلِ شیعہ سے حوالوں کے علاوہ ا کی تصحیح کا امکانی اہتمام کیا ہے جس نے اردو داں طبقے کیلئے اس ترجمے کو اصل فارسی کتاب سے زیا اور نفع بخش بنا دیا ہے۔ مکمل کتاب دو جلدوں میں ہے۔